

TARIKH-I-TAKHT-TAUS

By

Abdul Latif Khan.

GOVERNMENT OF INDIA

DEPARTMENT OF ARCHAEOLOGY

**CENTRAL ARCHAEOLOGICAL  
LIBRARY**

---

CALL No. 729.9330954-ALd

D.G.A. 79.

Ref. Book - Not to be  
issued out

تاریخ

TARIKH-i-Takht-i-Ta'us

# تخت طاؤس

یعنی

5694

دولتِ مغلیہ کے پانچویں تاجدار شاہجہاں کے شہرہ آفاق تخت "تخت طاؤس" کے

تاریخی حالات

Abdul Latif Khan  
از



مولوی محمد عبداللطیف خان کشتہ - قادری - منشی فاضل (آنرزاں شہین)

پنی - ایل - اسی مؤلف "حیاتِ عزیز" 729.9330954  
Abd

لاہور Munshi Ghulam

سنگھ اینڈ سنز  
Lahore  
ایجوکیشنل پبلشرز

۱۹۳۲ء ۱۹۳۲

جد حقوق محفوظ ہیں

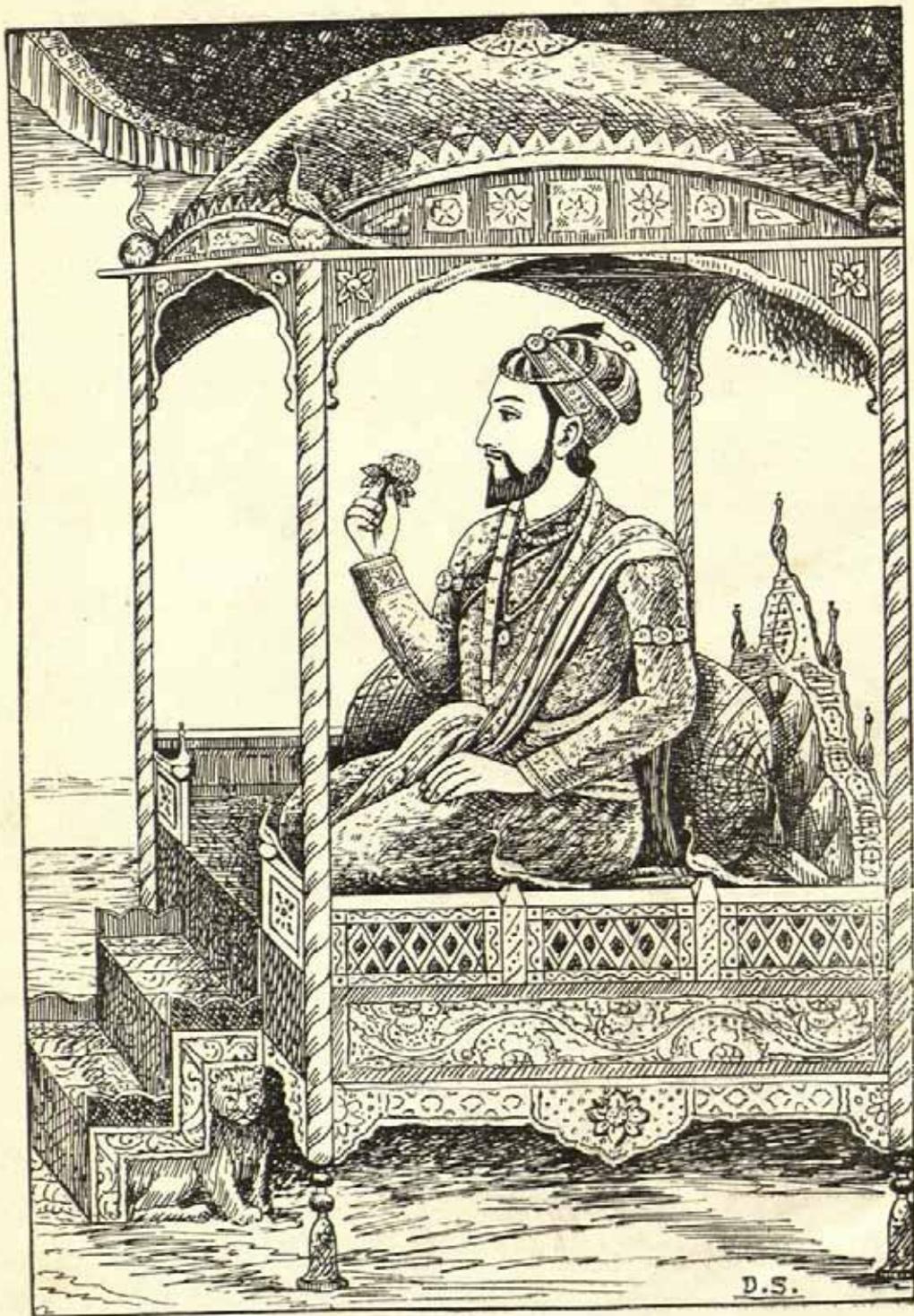
تعداد ۱۰۰۰

دفعہ اول



History of Penikese

Pp. III, 164, 10.



شا بهمان در تخت طاووس

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL  
LIBRARY, NEW DELHI.

Acc. No. ... 5694. ....

Date ... 6/3/57. ....

Call No. ... 729.9330954/Abd. ....





# انتساب

بجناب اقدس واعلیٰ :-

مُرْتَبی علوم و فنون، فخر ملک و ملت، آنریبل، ڈاکٹر، سر، شاہ، محمد سلیمان

ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ بار ایٹ لا + ٹائٹ

چیف جسٹس "الہ آباد ہائی کورٹ" صدر "ہندوستانی اکیڈمی۔ یو۔ پی"

(سابق) وائس چانسلر "مسلم یونیورسٹی علیگڑھ"

کیا عجب

کہ دُنیاۓ تاریخ و تحقیق میں یہ ناپجز ذرے "اس آفتابِ علم و ادب" کے پرتو سے  
چمک اٹھیں اور ان کی "تاب و تابش" کو "بغتائے دوام" حاصل ہو یہ

ارادت کیش

محمد عبد اللطیف خاں، گشتہ۔ قادری



# ۱۔ فہرست مضامین "تخت طاؤس"

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۶	ہوا پرستان سلطنت مغلیہ کا قتل اور شاہجہاں کی تاجپوشی	۱۰	۱۔ خ	۱
۵۸	شاہجہاں کا طور و طریق	۱۱	۱	۲
۶۶	شاہجہاں کے عہد میں دولت مغلیہ کا وقار۔ بادشاہ کی سلیم الطبعی	۱۲	۱۷	۳
۶۹	دولت اور اس کا مصرف	۱۳	۲۵	۱
۷۰	سلاطین عالم کا مذاق	۱۴	"	۲
۷۱	تخت طاؤس کی فرمائش	۱۵	۲۷	۳
"	ایک تاریخی مقالہ کا ازالہ	۱۶	۳۹	۴
۷۹	تخت طاؤس کی وضع اور اس کے لئے سونے اور جواہرات کا عطیہ	۱۷	۴۳	۵
۸۰	مہتمم تخت طاؤس	۱۸	۴۴	۶
۸۲	تخت طاؤس کی تصویر	۱۹	"	۷
۸۳	ایک غلط تصویر	۲۰	"	۸
۸۵	ایک معاون تصور تصویر	۲۱	۵۳	۹
				پسماندوں میں کشمکش



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۴۹	اورنگ زیب کا آگرہ آنا اور ہن کے ساتھ ہمدردی	۵۹	{ صاحبِ ظفر نامہ کے ایک قول کی تنقید	۴۸
۱۵۰	{ تخت طاؤس کا ضرورتاً آگرہ پہنچنا	۶۰	{ شاہانِ مغلیہ عملاً حاصل خیالِ تجارت تھے	۴۹
۱۵۱	دولتِ مغلیہ کی حالت زار خروجِ نادری	۶۱	{ شاہجہان کی معزولی و نظر بندی	۵۰
۱۵۲	نہیب نادری	۶۲	جلوسِ عالمگیری	۵۱
۱۵۳	{ تخت طاؤس کا نادر کے قبضہ میں پہنچنا	۶۴	ایک روایت	۵۲
۱۵۴	{ تماشہ ہرات اور اس میں تخت طاؤس کا رکھا جانا	۶۵	اورنگ زیب کا نصرتِ صبح مکرر تخت طاؤس	۵۳
۱۵۵	{ نادر کا جشنِ فتح و فیروزی ہند منانا	۶۶	ارادہ تہ صبح مکرر پر شاہجہان کی ناراضی اور عطائے جاہرات سے انکار	۵۴
۱۵۶	قتلِ نادری	۶۷	تہ صبح مزید	۵۵
"	نادر کے بعد ایرانی خانہ جنگی	۶۸	{ تخمینہ پورنیر کی صحت کی دلیل مزید	۵۶
"	{ تخت طاؤس کا پارہ پارہ ہونا	۶۹	گوہ نور تخت طاؤس کے مورخ کی آنکھ میں تعییبہ تھا یا نہیں	۵۷
"		۷۰	رحلتِ شاہجہان	۵۸

M/S. Kitabi Khawar Delhi Darul Uloom Deoband No 57/10

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
	تخت طاؤس صلہ طلامی تھایا	۳۸	۸۶	۲۲ تخت طاؤس کی ہیئت
۱۱۵	اس پر سونے کا پتھر منڈھا ہوا تھا		"	۲۳ طول، عرض اور بلندی
۱۱۹	تخت طاؤس کی شکست پزیری	۲۹	۸۷	۲۴ پاویوں کے متعلق ایک خاص بیان
	سال و مدت اتمام اور	۴۰	۹۱	۲۵ ماشیہ
	کارگروں کی تعداد		"	۲۶ ایک تاریخی لعل
	مولانا قدسی کی ایک بمثل مثنوی	۴۱	۹۸	۲۷ ایک خاص ستارہ
۱۲۰	و تاریخ اور اس مثنوی کے متعلق		"	۲۸ چھت
	شاہی قدر دانی			۲۹ موروں کی تعداد اور
۱۲۳	تخت طاؤس پر جلوس اول	۴۲	۹۹	{ اختلاف مورخین
۱۳۰	سنہ اور محل جلوس اولیں	۴۳	۱۰۱	۳۰ محل وقوع طاؤس
	ابو طالب کلیم مہدئی وغیرہ کے قصیدے	۴۴	"	۳۱ کیفیت طاؤس
۱۳۱	اور شاہی عرصہ افزائی		۱۰۲	۳۲ ڈاکٹر برنیر کے ایک قول کی تنقید
	شاہجہاں کی ایک	۴۵		۳۳ وجہ تسمیہ تخت طاؤس، نام اور
۱۳۲	غیر معمولی عنایت		۱۱۰	وضع کا خیال ہندو قصص الصائم
۱۳۴	تخت طاؤس کا وہلی پہنچنا	۴۶		سے لیا گیا
	حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ	۴۷	۱۱۱	۳۴ ہندوستان قدیم میں آلات پرواز
	علیہ وسلم کے روضہ مبارک		"	۳۵ ایک نقل
۱۳۵	کے لئے شاہی نذرانہ		"	۳۶ سیڑھیاں
	"گل محمدی"		۱۱۲	۳۷ مصارف

# ۲۔ فہرست حواشی "تخت طاووس"

الف۔ (مشاہیر رجال)

نمبر صفحہ	نمبر حاشیہ	اسماء	نمبر صفحہ	نمبر حاشیہ	اسماء	نمبر صفحہ	نمبر حاشیہ
۶۸	۱	رستم	۱۵	۵۱	۳	۱	آصف خان
		سعد الدخان	۱۶	۱۵۸	۱	۲	آقا محمد خان قاجار
۸۳	۱	سعید احمد	۱۷	۵۸	۶	۳	ابوطالب کلیم
۱۱۰	۹	سرکار	۱۸	۶۸	۲	۴	اسفندیار
				مقتدر	۱		اعتماد الدولہ
۱۰۸	۶	سرسید	۱۹	۴۰	۲	۵	اودے سنگھ راکھور
۹۳	۳	شاہ عباس صفوی	۲۰	۹۳	۲	۶	اولخ بیگ
۱۱۴	۶	شاہ پہلوی	۲۱			۷	ایشتری پرشاد
۱۰۹	۸	شبلی	۲۲	۵۴	۲	۸	بنارسی داس
۴۸	۱	شہریار	۲۳	۸۷	۱	۹	برنیر
۵۱	۴	شیر افغان خان	۲۴	۴۱	۴	۱۰	تیمور
۶۷	۶	صاحب آثار الامراء	۲۵	۹۰	۲	۱۱	ٹیورنیر
۷۳	۱	صاحب طفر نامہ	۲۶	۴۵	۳-۱	۱۲	خان اعظم
۹۴	۵	علامہ افضل خان	۲۷	"	"	۱۳	خسرو
۶۶	۸	فرعون	۲۸	۵۴	۱	۱۴	داور بخش

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۴۰	{ تخت طاؤس ساختہ بہادر شاہ اول یا اکبر شاہ ثانی	۷۴	{ پارہ ہائے تخت طاؤس کا بانی دولت قاچار یہ کے ہاتھ آنا اور ان ٹکڑوں کا نئی شکل میں متشکل ہونا	۷۰
۱۴۱	{ تخت طاؤسی ساختہ فتح علی شاہ قاچار	۷۵	{	۷۱
۱۴۳	تخت طاؤس ساختہ نادر	۷۶	{ موجودہ حالت	۷۱
۱۴۴	امتیاز اسماء	۷۷	چند اور ٹکڑوں کا انکشاف	۷۲
	_____		تخت طاؤس کے رقیب شہرت	۷۳

تعداد	تعداد	اسماء	تعداد	تعداد	اسماء	تعداد
۳۶	۵	موقی مسجد (آگرہ)	۸	۳۷	۶	۵
۱۲۹	۱۵	نقار خانہ	۹	"	۷	۶
		_____		۳۵	۳	۷

## د۔ اشیاء

۱۳۸	۲	مغل اعظم	۲	۱۳۸	۱۳-۱۲	۱
		_____		۱۰۷	۴	۲

## ۵۔ ادبی و تاریخی الفاظ

۱۳۱	۲	سلاطین	۶	۳۹	۸	۱
۴۷	۱	جہانگیر نامہ	۷	۴۱	۳	۲
۸۶	۱	سرکاری گز	۸	۱۳۹	۸-۶	۳
۱۳۲	۱	مراتب و مناصب	۹	۱۵۳	۲	۴
		_____		۱۴۸	۳	۵

نمبر	اسماء	نمبر خانہ	نمبر صفحہ	سال	اسماء	نمبر خانہ
۲۵	مان سنگھ	۲۵	۱۲۲	۴	قدسی	۲۵
۵۲	صہابت خاں	۳۶	۸۲	۱	لارڈ کرزن	۳۰
۱۲۵	منوچی	۳۷	۷۵	۴	محمد اعظم عالیجاہ	۳۱
۱۱۶	ولیم اردن	۳۸	"	۶	محمد حسین آزاد	۳۲
۲۲	ہندال مرزا	۳۹	۷۵	۳	طا عبد الحمید لاہوری	۳۳
۱۵۲	نادر	۴۰	۹۲	۱	مرزا شاہرخ	۳۴

## (ب) خواتین مشاہیر

۳۹	۱	مان متی جوڑھ بائی	۴	۱۲۶	۴	جہاں آرا بیگم	۱
۳۲	۲	ممتاز محل	۵	۱۲۳	۵	جہاں زیب بانو بیگم	۲
۲۹	۲	نور جہاں	۶	۲۳	۱	غدیچتہ الزمانی سلطان قریب بیگم	۳

## ج۔ عمارات، باغات اور مقامات

۲۸	۱	تاج محل	۵۷	۱	آگرہ	۱
۳۵	۴	جامع مسجد (دہلی)	۱۲۸	۱۳	ایوان چیل ستون	۲

## تبصرہ و تعارف

”مصنوعات“ خواہ وہ کسی قسم کے ہوں صنایعوں کی ذہنیت کے آئینے ہیں۔ جن میں ان کی پاکیزگی و لطافت طبع، ہشمنگی دماغ و مذاق عالی بہتی غرض تمام جذبات، تخیلات اور اثرات کی جھلک نظر آتی ہے۔ گویا جس طرح ایک ماہر علم قیافہ کسی تصویر کو دیکھ کر اس کے خدوخال سے صاحب تصویر کی خارجی، باطنی و ذہنی کیفیات پر حکم لگا سکتا ہے۔ قطعی اسی طرح ایک ماہر فن آثار قدیمہ ہر قسم کی مصنوعات پر غور و فکر کر کے صانعین کے تمدن اور عہد صنعت کی تہذیب کو منکشف کر سکتا ہے۔

بناء علیہ تذکرہ مصنوعات تمدن تاریخ تمدن کا حکم رکھتا ہے +

ہندوستان میں سلاطین تیموریہ کا عہد مسلم فرماں روا یاں ہند میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ دراصل یہ حکومت ایک چوٹی کی حکومت تھی۔ جس نے ہر شعبہ حیات اور مذاق وقت کے مطابق سامان زیبائش خصوصاً تعمیرات، پچی کاری، پرچیں سازی، مصوری، جواہر تراشی، زرگری و نقاشی پر کمال و اداسعی و توجہ دی اور تاج (آگرہ)، قلعہ آگرہ، اروڑے معلیٰ (دہلی)، محلات فتح پور سیکری، سکندرہ و اعتماد الدولہ (آگرہ)، تخت طاؤس اور کوہ نور وغیرہ کے سلسلہ میں لوگوں کو مستقل صنعتی یونیورسٹیاں قائم کیں، جن میں سے نیت کی برکت کسے یا نفاست طبعی و عالی دماغی کا صدقہ کہ عہد شاہجہاں کی نو اور نثلثہ تاج محل، تخت طاؤس اور کوہ نور نے وہ شہرت حاصل کی کہ ان کے تذکرہ سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے +

## و۔ رسوم

نمبر	اسماء	نمبر	نمبر	اسماء	نمبر	نمبر
۱	آئین دربار	۳		جشن نوروزی	۳	۱۲۵
۲	جشن شمسی	۴		جشن وزن قمری		

## ن۔ تصاویر

نمبر شمار	تصویر	تشریح
۱	مؤلف تاریخ تخت طاؤس	برسٹ محمد عبداللطیف خان "کشتہ" قادری۔ منشی فاضل (آنران پشین) پی ایل ای (ایڈوانسڈاں اردو) (شروع میں)
۲	تخت طاؤس	شاہجہاں بر تخت طاؤس (بعد تصویر مؤلف)
۳	تخت طاؤسی	(ساختہ فتح علی شاہ قاجار۔ فرمانرواے ایران) کا گلستان محل (طهران) میں ایک منظر (صفحات ۱۶۰-۱۶۱ کے مابین)

موصوف نے ملک و قوم پر ایک زبردست احسان کیا ہے اور انکی یہ کدو کاوش قابل شکر  
گزاری ہے +

## تعارف مرتب

**نام و نسب** { محمد عبدالطیف خان نام۔ کشتہ نخلص۔ قادری لقب۔ منشی یعقوب علیخان  
مرحوم و مغفور کے بیٹے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ رحمت خاں مرحوم جو  
یوسف زئی پٹھان تھے۔ شاہ عالم فرزند اے دہلی کے عہد حکومت میں ہرات سے ہندوستان  
پہنچے اور اپنی نیزہ بازی کے کمال کے باعث "برچھیت بہادر" کے خطاب سے مخاطب ہو کر  
فوج خاصہ میں کسی معزز عہدے پر سرفراز ہو گئے۔ ذات منصب کی جاگیر ہونگا دن ضلع  
بین پوری میں پائی ملہندا ہیں طرح اقامت ڈال دی جسبی آبا و اجداد صاحب باطن اور  
ارباب علم و فضل سے تھے۔ جس کے باعث امر او اعیان دولت مغلیہ و راجگان  
بین پوری کی استادی و اتالیقی کے منصب پر ممتاز رہے۔ اور ان کی قدردانیوں نے  
انہیں امارت کے رتبہ تک پہنچایا +

**ولادت** - مولانا کشتہ ۱۳ - دسمبر ۱۸۹۹ء کو اپنے وطن آبائی میں پیدا ہوئے۔  
اور چونکہ ان کے نانا مولوی عبدالرحمن صاحب مرحوم کے کوئی اولاد نہ رہی  
تھی۔ اس لئے انہوں نے ان کی والدہ سے ان کو گود لے کر ۶ ماہ کی عمر سے اپنے پاس  
ریاست بھڑپال میں رکھا اور وہ اس وقت سے تاحیات اپنے نانا مرحوم کے پاس بھڑپال  
میں اور اللہ سے ان کے انتقال کے بعد اپنے والد ماجد کے پاس آگرہ میں جسے مرحوم  
نے اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا مقیم رہے +

**تعلیم تربیت** | مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا صاحب سے پائی جو ایک اعلیٰ  
ریاضی دان، فارسی کے ادیب اور فن تاریخ کے ماہرین میں سے تھے

ان میں سے مجسمہ الفت "تاج" کے متعلق مختلف زبانوں میں چند در چند کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کوہ نور کے بھی جہتہ جہتہ حالات میسر آجاتے ہیں۔ لیکن شان و شکوہ کے اسٹیج تخت طاؤس کا کوئی مستقل تذکرہ علی الخصوص اردو زبان میں کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ اور ہے بھی یہ کہ زمانہ قدیم کے طرز تاریخ نگاری پر نظر ڈالتے ہوئے یہ سہل کام بھی نہیں۔ کیونکہ پراگندگی و انتشار مضمون نوار بیچ قدیم کا وصف نمایاں ہے۔ مگر اردو نے اپنی خوش قسمتی سے گذشتہ دس پندرہ سال کے اندر اس قدر ترقی کی ہے کہ آئے دن اس کا دامن وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور کوئی علم و فن ایسا نہیں جس پر تھوڑی بہت کتابیں اس میں نہ لکھی گئی ہوں۔ منجملہ اور شعبہ جات علوم و فنون کے تاریخ اور اس کے انواع پر خاص توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اور گو تھوڑی سی ہی ہوں۔ لیکن فلسفیانہ طور و طریق پر لکھی ہوئی تاریخوں کی اس زبان میں کمی نہیں اور اس زبان کے دور بین سلیم المذاق ضرورت شناس اور ترقی کا درد رکھنے والے اہل قلم برابر اس کو ترقی دینے کی ان تھک کوششوں میں مصروف ہیں +

میں اس وقت مولانا کشتہ قادری کی ہفت سالہ تحقیقی و تفتیشی مساعی کے نتیجہ تاریخ تخت طاؤس کو جو اپنے مفید ترین حواشی پائیں صفحہ کی وجہ سے ایک مستقل "قاموس التاريخ" کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، پیش کرتا ہوں۔ تخت طاؤس عہد مغلیہ کی زرگری، جو اہر تراشی، ترصیح و خوش مذاقی کا ایک مرقع تھا۔ اور اس کی صنعت صنعت ایران و ہندوستان کا ایک دلاویز سنگم تھی۔ جس کی زیارت کے لئے دور دور کے ملکوں سے لوگ صعوبات سفر، ہنسی خوشی برداشت کر کے آتے اور نازگی نظر و نظریں قلب و تجیر کا پرشاد لے کر جاتے تھے۔ اور یہ تبرک مدت دراز تک ان کو تر زبان خوش بیان رکھتا تھا۔ کتاب ہذا اسی بے مثل تخت کے وقائع تاریخی پر مشتمل ہے۔ حقیقتاً اس تخت کے پردے میں ایشیائی دماغی لطافتوں کے سینکڑوں مرقعے چھپے ہوئے تھے۔ جن کو منظر عام پر لا کر مولانا

۱۵ سید محمد تقی نام عذب البیان اور قصائد فاقانی کے شارح۔ جدید فارسی کا بہترین مذاق رکھنے والے، حضرت شاداں بلگرامی کے شاگرد رشید اور مدرسہ عالیہ رامپور کے اعلیٰ مدرس فارسی ہیں۔ - ۱۲ +

۱۶ یہ صاحب دربار بھوپال کے خوش نویس حضرات میں نمایاں اور ہندوستان کے شاہسیر خطاطوں میں ہیں۔ ۲۳ تک حیات تھے۔ - ۱۲ +

۱۷ آپ آگرہ کے ممتاز خوشنویسوں میں سے تھے عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ - ۱۲ +  
۱۸ اب آپ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں مدرس ہیں آپ نے عرب حجاز و مصر میں رہ کر فن تجوید کی تحصیل کی ہے۔ - ۱۲ +

مولانا کشتہ کے والد ماجد باوجود ملازم پولیس ہونے کے ایک فقیر منش بزرگ تھے۔ اور چونکہ عموماً مفصلات میں تعینات

## مذاق تصوف

رہتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مولانا االیان پولیس کی صحبت سے الگ تھلاگ رہیں اسلئے انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ مولانا مولوی ضیا الاسلام امام جامع آگرہ کے سپرد کر دیا تھا۔ لہذا انہوں نے سولہ سترہ برس کی عمر تک کا تمام زمانہ امام صاحب موصوف کی صحبت میں بسر کیا۔ امام صاحب موصوف ایک شیخ وقت ہیں لہذا ان کی صحبت نے مولانا پر ایک خاص اثر ڈالا ادھر انہوں نے شاہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور گو وہ صوفی یا عارف نہ ہو سکے تاہم تصوف کے رموز و نکات سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ غالباً ۱۵۰۰ء میں انہوں نے رسالہ "شعلہ" دہلی میں ایک مضمون بہ عنوان "دل" لکھ کر شائع کیا تھا۔ جو اہل دل کی نظر میں سرمہ بصیرت و دوائے دردِ دل ثابت ہوا۔

وہ فن موسیقی سے ایک خاص لگاؤ اور مناسبت تام رکھتے ہیں گانا سننے کا انہیں بہت شوق ہے۔ علمی طور پر اس فن کے نکات

## مذاق موسیقی

پر حاوی ہیں چنانچہ ایک مضمون کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ "مارواڑی گیت" پرچ، اکا لنگرہ سوہنی اور مانڈکی راگنیوں کے لئے علی الخصوص بہت موزوں ہوتے ہیں +  
(رسالہ غالب، آگرہ۔ بابت ستمبر ۱۹۳۷ء)

اس کے بعد مدرسہ سلیمانیاہ (بھوپال) مدرسہ عالیہ (آگرہ) اور دارالعلوم دیوبند میں صرف و نحو عربی تمام کی اور حدیث، اصول حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، منطق و ادب عربیہ کی متوسطات تک تحصیل کی۔ آپ نے دیوان گوری شنکر مولوی محمد رمضان صاحب (مفتی جامع آگرہ) مولانا الحاج مولوی ضیا اللہ سلام صاحب (امام جامع آگرہ) مولوی سعادت اللہ صاحب سنبھلی حضرت شاہان بلگرامی شادان لکھنوی جیسے مشہور اادیوں سے تعلیم پائی۔ خوش نویسی کی مشق منشی لیلادہر صاحب منشی علی احمد صاحب منشی شفیع اللہ صاحب جیسے حضرات سے کی۔ قرأت و تجوید کو قاری عبد الملک سے سیکھا مگر ابتداً جو کچھ پڑھا انتہائی بد شوقی کے ساتھ۔ البتہ ۱۹۱۶ء میں اپنے ولی شوق سے اور نیٹیل کالج رامپور میں داخل ہو کر فارسی پڑھی۔ اور مارچ ۱۹۱۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل (آنرزان پرشین) کی ڈگری حاصل کر کے ۱۹۱۷ء ہی میں وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ کے ہیڈ مولوی مقرر ہو گئے۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۲ء تک شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ کے ہیڈ مولوی رہے۔ ۱۹۲۲ء سے محکمہ تعلیمات یوپی کی ملازمت میں داخل ہو کر آگرہ باندہ اور جھانسی میں معلم السنہ مشرقیہ کے عہدے پر سرفراز رہے۔ یہیں جناب ناصر مرحوم (صاحب صنایع و عجم) کے مشورے کے مطابق ۱۹۲۹ء میں آپ نے الہ آباد سے ایڈوانسٹان اردو کا امتحان درجہ اعلیٰ میں پاس کیا انگریزی سے بھی حسب ضرورت واقفیت رکھتے ہیں۔ ۱۹۲۶ء سے مین پوری گورنمنٹ ہائی اسکول میں تعینات ہیں۔

۱۔ آپ ریاست بھوپال کے اعلیٰ فارسی دان کا لٹھہ حضرات میں سے تھے۔ اور فارسی میں اس قدر بطور رکھتے تھے کہ ابوالفضل بیدل اور ظہوری کے رنگ میں قلم برداشتہ نشر لکھنا آپ کے لئے ایک معمولی بات تھی۔ ۱۲۔

۲۔ اب آپ پٹنہ یونیورسٹی میں پروفیسر وینیات ہیں۔ ۱۲۔

۳۔ سید اولاد حسین آپ کا اسم گرامی ہے۔ دور حاضرہ کے مشہور فارسی ادیب و صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ اب اور نیٹیل کالج لاہور کے فارسی پروفیسر ہیں۔ ۱۲۔

## آداب مجلس سے واقفیت

چونکہ ان کے والد مرحوم نے ہمیشہ انہیں علمی مجلسوں اور علم دوست حضرات کی صحبت میں رکھا۔ ادھر

بھوپال میں بڑے بڑے ماہرین علوم مجلس کی صحبت میں رہے۔ اور خاص طور پر مولوی عبد الحمید صاحب سابق ہیڈ مولوی و کٹوریہ ہائی اسکول آگرہ حال پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی ابن مولوی عبدالغنی مرحوم مصنف حوالہ عرب کے پاس محض آداب مجلس سیکھنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ لہذا علمی مذاق رکھنے والوں کی ہمنشینی ان کی سرشت میں داخل ہو گئی۔ وہ اعلیٰ مزاج دان مشرقی و مغربی مجالس کے آئین و آداب اور چیزوں کے باقاعدہ رکھنے اور سجانے وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کی گفتگو بہت پر لطف، دلچسپ، ظریفانہ اور معلومات میں اضافہ کرنے والی ہوتی ہے۔

## شاعری

ان کی فطرت شاعرانہ ہے اور وہ سراپا شاعر ہیں۔ گدا ز قلبی نے ان کو مکمل شاعر بنانے میں کمی نہیں کی ہے۔ دیوبند میں جب پڑھتے تھے۔ دیوانخانہ

میں وحشی و سیجا ملا ندہ امیر و داغ کے رقیبانہ مقابلوں نے ان کے دل میں بھی شوق شعر گوئی پیدا کیا غزلیں کہیں اور دو ایک پر جناب فریاد کا کوروی سے اصلاح لی۔ پھر جھانسی میں چند غزلوں پر جناب آفتاب اکبر آبادی سے مشورہ لیا اور چند غزلیں جناب شام اکبر آبادی کو دکھائیں مگر اس خود فراموش جذبہ کو انہوں نے اپنا شعار نہیں بنایا۔ وہ مشاعروں سے بہت گھبراتے ہیں۔ شعر و شاعری کے متعلق ان کے عقائد پر ان کے نوشتہ تعارف و تبصرہ پر تاثر الشعراء سے بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ مشاعروں کو غیر ضروری اور باعث تفاق سمجھتے ہیں

اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاعری میں زیادہ دلچسپی نہیں لی اور نہ اس طرف متوجہ ہیں (اور اچھا ہی ہے) ان کی طبیعت نے اب جو رخ اختیار کیا ہے وہ خوب ہے) تاہم انہوں نے جو کچھ کہا وہ دو قسموں پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ حصہ جو قطعی صنعت ہے اور جس کے متعلق خود ان کا بیان ہے۔ کہ "اس کے کچھ خاص مقاصد و اغراض تھے" دوسرا وہ بات جو حقیقتاً

چونکہ ان کے نانا مرحوم جنکی تربیت میں ان کا ابتدائی زمانہ گزرا  
**شوق مطالعہ** مطالعہ کے ایک بہت بڑے شائق بزرگ تھے۔ اس لئے وہ بھی ہمیشہ

سے عادی مطالعہ ہیں۔ ان کا وقت بہت کم ضائع جاتا ہے۔ اور بیماری کی حالت میں بھی  
 مطالعہ سے باز نہیں رہتے۔ مطالعہ کے باعث ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ اور وہ مختلف  
 علوم و فنون میں دست گاہ کامل رکھتے ہیں۔ جھانسی گورنمنٹ کالج کے ایک معائنہ کے  
 وقت ان کے لیکچر سے متاثر ہو کر ناصری مرحوم ہیڈ ماسٹر (علی گڑھ) کی نظر دور بین نے اس  
 امر کو خوب تاڑا اور رپورٹ معائنہ میں لکھا تھا:-

”مدرس ایک بہت ہی قابل آدمی ہے۔ اور بہت ہی تازہ اور وسیع معلومات  
 رکھتا ہے۔ اس کا لیکچر تبدیلاتا ہے کہ اس نے علوم ادبیہ کو بہت ہی اچھے  
 طور پر مطالعہ کیا ہے۔“ ماخوذ از رپورٹ معائنہ ان اسکول اینڈ انٹر میڈیٹ بورڈ  
 گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی یا بتہ سال ۱۹۲۶-۲۷ء مرتبہ مسٹر آر آیس دی راجیم اے  
 آئی۔ ای۔ ایس اور سید مددی حسین ناصری ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس)

چونکہ ان کے نانا صاحب فارسی کے اعلیٰ ادیب تھے  
**فن تاریخ سے دلچسپی** اس لئے مسٹر ولیم اردن (صاحب ریٹر مغل) جنکی ماتحتی

میں وہ محکمہ بند و بست میں تعینات تھے۔ ان سے بسا اوقات علمی و تاریخی امداد لیتے رہتے  
 تھے۔ اس سلسلہ میں وہ فن تاریخ کے بڑے ماہر ہو گئے تھے۔ اور ان کی تربیت نے مولانا  
 کشتہ پر بھی تاریخ بینی کا جذبہ طاری کر دیا تھا۔ ادھر بچپن میں مولانا شہر کے تاریخی ناول  
 ان کے بہت زیادہ زیر مطالعہ رہے۔ جنہوں نے اس جذبہ کو اور ابھالا۔ اب وہ ہمیشہ ڈھونڈ  
 ڈھونڈ کر تاریخیں پڑھا کرتے ہیں۔ ان کی تاریخی معلومات کسی فاضل تاریخ سے کم نہیں۔  
 ان میں ایک خاص کیفیت ہے کہ وہ جب کوئی نئی معلومات بہم پہنچاتے ہیں تو اس کے  
 مافیہ و ماعلیہ کی تحقیق میں بہت وقت صرف کر دیتے ہیں کتاب پیش نظر ان کے اس مذاق کا آئینہ ہے۔

اور تنقید کا دریا ان کے دل و دماغ میں لہرائے لگا۔ انہوں نے بعض خاص تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔ جو سچے مقبول ہوئے۔ ان میں سے ایک مضمون ہے ”اصلاحات داغ“ جو میری فرمائش پر رسالہ ”مشاعرہ“ فرخ آباد کے لئے لکھا تھا۔ اس مضمون میں منشی دیبی پر شاد ”مائل“ میں لپری کے کلام پر جو نواب فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم نے اصلاحات دی ہیں ان کو معہ کلام ”مائل“ اور اپنی آراء کے شائع کیا ہے۔ درحقیقت ایک مشکل کام ہے، مصلحت کی اصلاحات کی وجہ کی تہ تک پہنچنا۔ مگر مولانا نے اس طرح انجام دیا گیا اصلاحات کے وقت حضرت داغ مرحوم کے پاس بیٹھے ہوئے وجوہات دریافت کرتے جاتے تھے۔ اس مضمون کی ہمیشہ علمی طبقوں میں میں نے بہت تعریف ہوتے ہوئے سنی۔ ”ہمدرد“ لکھنؤ نے رسالہ مذکور پر تبصرہ کرتے ہوئے اس مضمون کی بہت تعریف توصیف کی تھی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

(۱) شعر مائل :- طبیبو! مان لو کہنا میں اچھا ہوں نہیں سکتا

مریض (ہجر) ہوں میرا مداوا ہوں نہیں سکتا

اصلاحات داغ :- طبیبو! مان لو کہنا میں اچھا ہوں نہیں سکتا

مریض (عشق) ہوں میرا مداوا ہوں نہیں سکتا

مولانا کشتہ کار بیمارک :- ہجر سے عالم عشق کی صرف ایک کیفیت نمایاں ہوتی تھی

اور شعر میں خصوصیت پیدا ہو گئی تھی۔ اصلاح نے مکمل دنیا کے عشق

و محبت کو بھر دیا اور شعر بلند و وسیع ہو گیا +

(۲) شعر مائل :- جنازے پر ہمارے (روتے چلاتے) وہ جب آیا

کہا اہل عزائے ”یا الہی! کیا غضب آیا“

اصلاحات داغ :- جنازے پر ہمارے (روتا چلاتا) وہ جب آیا

کہا اہل عزائے ”یا الہی! کیا غضب آیا“

مولانا کشتہ کار بیمارک :- وحدت، جمیعت، تذکیر و تانیث میں از روئے قواعد

شعریت پر مشتمل ہے۔ ان کا کلام جہاں جہاں مجھے لاکھ آیا اس کو میں نے تلاش کر کے "جذبات لطیف" کے عنوان سے بطور ضمیمہ شامل تعارف ہذا کر دیا ہے۔ تاکہ وہ ان جیسے بے نیاز شاعری کے پاس رہ کر ضیاع و تباہی سے محفوظ ہو جائے اور ان کی زندگی کا یہ پہلو تاریک نہ رہے

۱۔ مولوی مصطفیٰ حسین صاحب نام فریاد و تخلص۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر ہیں۔ ۱۲۰  
۲۔ سید ولایت حسین نام "فانوس" جھانسی کے ایڈیٹر۔ ایک بہت ہی پاکیزہ مذاق کے شاعر ہیں + ۱۲۰

۳۔ بابو پریمو دیال نام رئیس آگرہ "پروین" نامی رسالہ آگرہ سے آپ ہی کی زیر سرپرستی نکلا تھا۔ عمد حاضرہ کے مشاہیر شعراء میں سے ہیں +

۴۔ شاعرہ میں پوری بابتہ ۱۹۲۸-۲۹ء کی غزلیات بمشورہ مولانا کشتہ مع حالات شعراء اس نام سے شائع کی گئیں تھیں۔ اس کتاب کو برادر معظم حضرت نصیر علی منصف مین پوری (حال متعینہ باندہ) نے مرتب کیا تھا۔ مولانا کشتہ کی یہ جدت ادبی حلقہ میں بہت ہی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی +

وہ ایک اعلیٰ سخن فہم ہیں۔ ایک رو و فہم مستی واقع ہوئے ہیں۔ ایک پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کی گتھی کو بہت آسانی کے ساتھ سلجھا دیتے ہیں۔

شعر کے مافیہ ما علیہ پر بہت جلد پہنچ جاتے ہیں اور اس مولویانہ طرز سے کہ ہر شے میں تصوف نظر آتا ہے بہت گھبراتے ہیں +

۱۹۲۶ء میں پرنسپل کالج نے جھانسی گورنمنٹ کالج کے انسٹریڈیٹ کلاس میں اردو ہندی کے افتتاح کی سفارش کرتے ہوئے باوجودیکہ

ان درجات کو اردو پڑھانے کے لئے ایم اے ان اردو کی تید ہے۔ محض مولانا کی قابلیت کے اعتماد پر خاص طور پر ان کی سفارش کی اور محکمہ نے بورڈ کی منظوری سے اجازت بھی دیدی۔ اور انہوں نے اس محنت سے اردو پڑھانا شروع کی۔ کہ ان کا کام لائق تائش ٹھہرا۔ اسی زمانہ میں ان کا ایک خاص ادبی جذبہ سونے سے چونکا۔ اور وہ جذبہ تنقید تھا۔ چونکہ اس درجہ میں تنقید ضروری شے تھی۔ مولانا نے ادھر توجہ کی گویا ایک سوتا تھا جو کھل گیا

یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ محض برکت مطالعہ ہے۔ اور اس شخص کو علم کہیہا سے قطعی مس نہیں۔  
یا اگر اقلے نباتات“ ملاحظہ کیجئے آپ کو گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ مولانا علم النبات کے ماہر  
کامل نہیں +

۱۹۲۹ء میں دہلی میں رسالہ ایجوکیشنل گزٹ لکھنؤ کے جنوری فروری نمبر ۱۹۲۹ء اور جنوری نمبر ۱۹۲۹ء

میں شائع ہوئے = ۱۲ +

انہوں نے بہت سی قومی خدمات انجام دیں۔ جن میں **انجمن معین الطبہ**  
**قومی خدمات** اگرہ کی سکرٹری شپ بہت نمایاں ہے +

انہوں نے علاوہ مضمون نگاری، تصنیف و تالیف کے  
**اردو کی خدمتگداری** بہت سے علمی مجالس و لائبریریوں اپنی طالب علمی ہی

کے زمانہ میں قائم کیں۔ بڑے ہو کر اور صاحب اثر بن کر بعض رسائل نکھو اے اور ان کی  
مدد کی۔ جھانسی کا رسالہ ”ناوس“ ان ہی کی دماغ سوزی کا نتیجہ تھا۔ جس کی ایڈیٹر شپ  
بھی انہیں پیش کی گئی تھی۔ لیکن محکمہ کی عدم منظوری کے باعث وہ اس کو انجام نہ دیکھے +

انہوں نے اردو زبان کی ایک خدمت خاص  
**ایک خاص خدمت زبان** انجام دی۔ یعنی برادران وطن میں سے بہت سوں

کو اردو میں اظہار خیال کرنے اخبارات و رسائل میں مضمون لکھنے کا چسکا لگا دیا۔ اور ان  
کا دل بڑھانے کے لئے اس سلسلہ میں اپنا بہت سا قیمتی وقت ان مضامین کی حکم و  
اصلاح میں صرف کیا۔ جن حضرات پر انہوں نے اس معاملہ میں توجہ خاص مبذول کی  
ان میں آنجنابی منشی خوشی لال ”مسرور“ و رما فرخ آبادی اور منشی لالا سہائے بی۔ اے بہت نمایاں ہیں

منشی خوشی لال نام مسرور تخلص، درما کاشٹھ، قدیم باشندہ فرخ آباد۔ جھانسی کی عدالت  
کلکٹری میں ملازم تھے۔ کئی زبانیں، فارسی، ہندی، سنسکرت، بنگالی اور انگریزی بہت اچھی  
جانتے تھے۔ ہندو ”نعت گو“ حضرات میں بہت ہی نمایاں تھے۔ پنشن لینے کے بعد اردو  
ادب کی خدمات میں وقت گزارا۔ اکثر رسائل و اخبارات آپ کے فیض قلم سے مستفیض

و محاورہ حال و ذوالحال میں باستثنائے چند صورتوں کے مطابقت لازم ہے۔ مائل صاحب کے شعر میں ”وہ روتے چلاتے آیا“ قواعد و محاورے کی ایک فحش غلطی تھی۔ اصلاح نے عیوب قواعد و محاورہ سے شعر کو پاک و پاکیزہ کر دیا۔

(۳) شعر مائل :- نہیں معلوم ہم کو کیا مرض ہے جو کہ اے مائل

معالج کوئی دنیا میں ہمارا ہو نہیں سکتا

اصلاحات دلغ۔ دو اکیسی ؛ شفا کیسی یہ درد عشق ہے مائل

معالج کوئی دنیا میں ہمارا ہو نہیں سکتا

مولانا کشتہ کار بیمارک :- ”کیا مرض ہے“ سے شعر میں ابہام پیدا ہو گیا تھا۔ اور

”جو کہ اے مائل“ ایک بھدا ٹکڑا تھا۔ حضرت فصیح الملک مرحوم نے

مرض کی تشریح ”یہ درد عشق ہے“ کر کے ”دو اکیسی“ اور ”شفا کیسی“

دو ٹکڑے اپنی جانب سے پیوند کرتے ہوئے شعر کو نہ صرف وسیع، پر زور

اور واضح ہی کر دیا۔ بلکہ مصرعہ ثانی کو چار چاند لگا دئے۔

بہر حال وہ ایک زبردست ناقد ہیں۔ ان کی نظر ہر پہلو پر پڑتی ہے۔ اس سلسلہ

میں ایمان و دیانت کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جس طرح دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں

اسی طرح اپنے عیوب بھی بے تکلف بیان کر ڈالتے ہیں۔

ان کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ اور مطالعہ کے زور نے ہمہ گیری

میں ایک شور خاص پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا

ہو سکتا ہے کہ جب وہ مضمون لکھنے پر آتے ہیں تو کوئی پہلو چھوڑتے نہیں۔ ان کے بعض

مضامین ان کی اس خصوصیت مخصوص کا آئینہ ہیں۔ مثلاً الماس کے ذیل میں انہوں نے

ہیرے کی کہیا وی ماہیت پر ایک مخصوص تبصرہ کیا ہے۔ کوئی آدمی ان کا مضمون دیکھ کر

بیشمار ادبی، تاریخی و تنقیدی مضامین لکھے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل اپنی خوبی میں بے مثل اور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں

(۱) الماس :- (رسالہ "ایجوکیشنل گزٹ" لکھنؤ بابت جنوری فروری ۱۹۲۵ء) اس مضمون میں ہیرے کی ماہیت، مشہور ہیروں خصوصاً "کوہ نور" کی تاریخی حالات ہیں +

(۲) ہما :- (رسالہ "فانوس" جھانسی بابت فروری مارچ ۱۹۲۴ء) ہما کے تاریخی و ادبی حالات پر ایک محققانہ مضمون۔ یہ مضمون ان کے اس خیال کی ایک کڑی ہے کہ "فانوس" نگینہ جات یعنی فیلس انسائیکلو پیڈیا لکھی جاوے +

(۳) تاریخ التخریر (ایجوکیشنل گزٹ لکھنؤ بابت جولائی ۱۹۲۵ء) فن تخریر کی تاریخ اور اس کے مدارج ارتقائی پر ایک بے مثل تبصرہ ہے +

(۴) ارتقائے نباتات :- (رسالہ ایجوکیشنل گزٹ۔ لکھنؤ بابت جنوری ۱۹۲۹ء) علم النبات کے سلسلہ میں نباتات کی پیدائش اور اس کے ارتقاء پر سید مفید اور اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا مضمون +

(۵) ادب فارس و خدمات ہنود :- اس مفید و دلچسپ مضمون میں انہوں نے ہنود کی خدمات نظم و نشر فارسی اور ان کی اعلیٰ فارسی اور ادبی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو سٹی تا اگست ۱۹۲۵ء ایجوکیشنل گزٹ جالندھر میں شائع ہوا +

(۶) کاغذی سکہ :- زر کاغذی (نوٹ) کی تاریخ اور اس کے اقتضاوی فوائد پر ایک دلچسپ و پُر معلومات مضمون جو رسالہ چاند (اردو) الہ آباد کے فروری نمبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا +

(۷) یرہما اور اس کی عورتیں :- (اخبار تعلیم لاہور ۲۶ مئی و ۲ جون ۱۹۲۵ء) ایک تاریخی جغرافیائی و معاشرتی مضمون +

(۸) میکدہ (دیوان حضرت میکش اکبر آبادی) پر "تعارف" اور "اثر الشعراء" (مجموعہ غزلیات مشاعرہ میں پوری

ہوتے رہے۔ ہر قسم کی نشر پر قادر تھے۔ رسالہ ”فانوس“ جھانسی کے معین نرتیب تھے۔ سلسلہ میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ ۱۲ +  
 لے آپ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی ہیں اور فی الحال گونڈہ گورنمنٹ ہائی اسکول کی ہیڈ  
 ماسٹری پر سرفراز ہیں۔ فسانہ اور تاریخی مضامین اچھے لکھتے ہیں۔ ۱۲

## مضمون نگاری اور تصنیف تالیف

تصنیف تالیف کا شوق انہیں بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور جوئی انہوں نے ہوش سنبھالا اور معلومات بہم پہنچائی وہ عملاً اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ۱۵ء میں مدرسہ عالیہ آگرہ اور میان میکش اکبر آبادی کے مکانپر جو مولانا کے ہم سبق تھے ایک مجلس ادیبہ قائم ہوئی جس میں مضامین نظم و نثر لکھے اور ستائے جاتے تھے۔ مولانا چونکہ اس مجلس کے ایک سرگرم ممبر تھے۔ لہذا انہوں نے بھی مضامین لکھنا شروع کئے۔ اسی زمانہ کے مضامین یہاں سے ”دل“ تھا۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ عرصہ تک اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ رامپور کے دوران قیام حضرت ”شادال بلگرامی و شادمان لکھنوی کی صحبت میں جدید فاسی کا چمکا پڑ گیا۔ اور انہوں نے انگریزی و کشمیریوں کے طرز پر ایک سوط لفت اپنے مربی امام صاحب جامع آگرہ کے نام نامی سے منسوب کر کے ”ضیاء اللغات“ کے نام سے تیار کر ڈالا۔ پھر تدریجاً تحت طلسم لکھنوی شروع کر دی۔ ۲۵ء سے جبکہ وہ گورنمنٹ کالج جھانسی میں تعینات ہوئے۔ ایک مستقل علمی سوسائٹی ہاتھ آئی۔ جس کے ارکان مولوی منظور علی ایم اے۔ پی۔ ای۔ ایس۔ ڈی فی الحال ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول اتاڈا مرزا علی احمد صاحب۔ فارسی پروفیسر (حال متعینہ جلی کالج لکھنؤ) مولوی ابوالبقا بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ جیسے حضرات تھے۔ اس صحبت نے ان کو بالاستقلال قلمی دنیا میں داخل کر دیا۔ اور انہوں نے باقاعدہ تاریخی مضمون نگاری شروع کر دی۔ بابو گوپی لال ماتھر بی۔ اے۔ سی۔ ٹی پبلسر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ نارمل اسکول اور مدیر ”ایجوکیشنل گزٹ“ لکھنؤ کی ہمت افزائیوں کو ان کی ادبی ترقیات میں خاص دخل ہے۔ جس کی بنا پر انہوں نے ملک کے مختلف رسائل و اخبارات میں

کامل یقین ہے۔ کہ اگر اسی طرح "حیات نگاری" کے کام لیا جاتا رہا تو بہت جلد تعلیم یافتہ گروہ میں ایک تازہ روح بیداری پیدا ہو جائیگی"۔ (رسالہ "مشاعرہ" فرخ آباد۔ بابت جون جولائی ۱۹۳۸ء)

وہ ایک ظریف الطبع مرنجان دھرنج، خوش باش، متکسر المزاج، بااخلاق، بے تعصب و ضد دار اور سادگی و صفائی پسند آدمی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مغلوب الغضب اور صاف گوہیں۔ مگر ان کی صاف گوئی تعلیمی آمیز ہوتی ہے۔ بیشتر ان کا طرز گفتگو یہ بتلاتا ہے کہ وہ سخت غضب آلود ہیں۔ حالانکہ انہیں مطلق غصہ نہیں ہوتا۔ بہت ہی شکی مزاج آدمی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جس کام کو انجام دیتے ہیں اس کا کوئی پہلو غیر محقق نہیں ہونے پاتا اور تحقیقات نہایت قابل طیمان ہوتی ہے۔ بناوٹ اور تکلف سے پاک ہیں اور دوسروں سے بھی اسی کے خواہشمند رہتے ہیں۔ معاملات میں صاف اور سخت ہیں۔ روپیہ کی ان کی نظر میں قدر نہیں اور اس معاملہ میں ایک نہایت غیر منتظم آدمی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر دست نگر نہیں ہوتے تو فارغ البال بھی نہیں رہ پاتے۔

## تبرہ کتاب

(۱)

ہمارے یہاں کی بہت کم تاریخیں ایسی ہیں جن میں وسعت مطالعہ غور و خوض، تحقیق، تفتیش، تنقید، علمی و منطقی استدلال اور زاوہ خیالی سے کام لیا گیا ہو۔ یا ان کے مؤلفین و مصنفین نے روایت و درایت کی علمی جانچ پر تال کی ہو۔ اپنی طبیعت سے کسی نتیجہ پر پہنچے ہوں۔ پچیدہ مسائل کو تقسیم و تحلیل کرتے ہوئے کوئی انکشاف کیا ہو۔ اور اچھے ہوئے مسائل کو سلجھا کر اس طرح ترتیب دیا ہو۔ کہ ان کی

مرتبہ حضرت نصیر علوی ایم۔ اے) پر "تبصرہ تعارف" گویا مستقل ادبی رسائل میں جو اہل علم میں بجا مقبول ہوئے +

وسط ۱۹۲۹ء میں آپ نے ملک معظم بنر محبٹی شہنشاہ  
 خارج پنجم خلد الملک کے "غسل صحت" کی یادگار میں نواب

## حیات عزیز کی تالیف

سر، قاضی، عزیز الدین احمد کے ٹی۔ او بی ای۔ سی آئی ای۔ آئی ایس او۔ وزیر اعظم  
 ریاست وتیا کے سوانح حیات "حیات عزیز" کے نام سے لکھ کر شائع کئے +

گو یہ کتاب "تاریخ تخت طاؤس" کے بہت بعد میں تالیف کی گئی ہے۔ لیکن آپ کی  
 تصنیفات و تالیفات میں اولیت اشاعت کا مرتبہ اسی کتاب کو حاصل ہوا +

یہ کتاب ترقی یافتہ جدید طرز سیرت نگاری کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ رسائل اخبارات  
 اور مشاہیر اہل قلم حضرات نے اس کے متعلق بہت ہی اچھی آراء کا اظہار کیا۔ میں صرف  
 ملک کے مشہور ادیب و شاعر حضرت جگر مراد آبادی کی رائے کا اقتباس درج ذیل کرتا ہوں۔  
 "حیات عزیز کو اگر مولانا موصوف کی طبع لطیف کا شاہکار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

زبان کی روانی و سلاست کا یہ عالم ہے گویا ایک دریا ہے مترنم ایک لہر ہے تبسم سیرت نگار  
 کے سامنے سب سے زیادہ اہم اور نازک مرحلہ صاحب سیرت کی زندگی کے تمام جزئیات  
 پر نقد و تبصرہ ان میں ربط و تسلسل تاثرات و نتائج کی شرح و تفصیل کی صورت میں پیش آتا  
 ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار پر مولانا موصوف نے فن سیرت نگاری کا پورا پورا  
 حق ادا کر دیا۔ جامعیت و اختصار و واقفیت و گہنی بیان اس تالیف کی خصوصیات ہیں  
 اور یہ وہ خصوصیات ہیں جن کا توازن صحیح روح انشا کہا جاسکتا ہے۔ ملک و قوم میں جو کجبت  
 و انحطاط راسخ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی بنیاد میں صرف پست بہتی اور عدم خود اعتمادی ہے  
 مولانا موصوف کی فکر نکتہ سنج نے اس حقیقت کو سمجھ کر ایک ایسی شخصیت کی زندگی کے  
 کارناموں کو پیش کر دیا ہے۔ جو از ابتدا تا انتہا نمونہ ہے۔ بلند بہتی و خود اعتمادی کا مجھے

کہ ہر آدمی کرسیوں پر سامان رکھنے کا مذاق اڑائے گا اور خصوصاً تہذیبِ حاضرہ کا منبع۔ لہذا اس کی عبرت کے لئے لکھتے ہیں "اسلاف کے مراسم کو ہمیں نگاہِ ادب آمیز سے دیکھنا چاہئے۔ جس طرح ہر بلکے وہر سیمے مشہور ہے۔ اسی طرح ہر عدسے وہر رسمے مسلم زمانہ و تہذیبِ زمانہ ہر روز تغیر میں ہے کیا عجیب ہے کہ مستقبل میں ہمارے طور طریق قابلِ مضحکہ قرار دئے جائیں۔ اور جگہوں کا تو مجھے حال معلوم نہیں۔ البتہ اگر وہ میں مینے عشرہ اولے محرم الحرام میں دیکھا ہے کہ ورزشی اور کرتبی اکھاڑوں کے مرکزوں میں خنجر بچھو اسبف اور کرتب و ورزش کے دوسرے سامان و آلات کرسیوں اور چوکیوں پر چنے جاتے ہیں۔ جو گویا سلاطینِ مغلیہ کے آئینِ دیرینہ کی یادگار ہے" محمولہ بالا سطور اور ایسے ہی گونا گوں واقعات بتلاتے ہیں کہ مولانا کشتہ میں غور و خوض اور تحقیق و تجسس کا ایک خاص مادہ ہے۔ اور یہ تاریخِ عام طرز تاریخ نگاری سے بالکل جداگانہ ہے +

**تحقیق و تفتیش** اور تاریخ نویسی کا انحصار درحقیقت اسی پر ہے۔ آپ کو مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ تاریخ "تحت طاؤس" سراپا مجسمہ تحقیق و تفتیش ہے۔ اور مولانا کشتہ نے اس کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کو اس کی حد انتہا پر پہنچا دیا ہے +

**تنقید** تنقید نہ صرف اس کتاب کی روح روان ہے اور تحقیق و تفتیش پر ایک خاص روشنی ڈالتی ہے۔ بلکہ قدم قدم پر تنقید تاریخ کا عملی سبق دیتی ہے +

**انکشاف** اسی کمال "تنقید" کی بدولت آپ دیکھیں گے کہ اس تاریخ کی بنیاد محض روایات پر نہیں۔ بلکہ اس میں حوادث کا مشاہدہ درست کر کے تجربات سے ثابت شدہ قضایا کو تسلیم کیا گیا ہے اور معلوم سے غیر معلوم امور روشنی میں لائے گئے ہیں۔ مثلاً علی العموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تحت طاؤس ایک ہی تھا۔ شاہجہان نے بنوایا تھا۔ وہ ایران میں موجود ہے۔ لیکن صاحب کتاب نے ایک مستقل عنوان "تحت طاؤس کے قریب ثمرت"

اصلی حالت نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ مگر پیش نظر کتاب تاریخ "نخت طاؤس" ان تمام اوصاف سے متصف ہے۔

**مطالعہ** کسی تاریخی تصنیف و تالیف کے لئے ذوق مطالعہ ایک شے لازم ہے۔ ہمیں مولانا کشتہ کی زندگی سے تعارف کرا دینے کے بعد اس امر کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ اس سلسلہ میں ذرا سی بھی روشنی ڈالیں۔ کتاب اور اس کے حوالہ عبات خود آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق اور وسعت مطالعہ کے ضامن ہیں +

**غور و خوض** ہر انسان مختلف چیزیں دیکھتا ہے۔ لیکن ان مختلف میں ایک متحد جھلک کا دیکھ لینا۔ شعرا کے کمال ارباب نظر اور مذاق تجسس غور و خوض رکھنے والوں کا ہی کام ہے۔ اس مذاق کا حامل ہونے کی یوں تو ہر علم فن میں ضرورت ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ فن تاریخ میں عادت مطالعہ کے ساتھ اس جوہر کی بہت ہی سخت احتیاج ہے۔ یہی چیز ہے جو ماضی و حال میں پیوند لگاتی، وضع جدید کی قطع و برید کو روشنی میں لاتی اور میدان تاریخ نگاری میں خضر راہ ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ ہذا میں آپ کو ایسے بیشمار واقعات نظر پڑیں گے +

چنانچہ صفحات ۶۱-۶۵ کے سانشیہ نمبرہ میں آپ نے مغلوں کے دربار اور دربار کے طریق نشست و برخواست پر روشنی ڈالی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ مغلوں کے دور میں کرسیاں ہوتی تھیں۔ اور قیاس کہتا ہے "ان پر لوگ بیٹھتے ہوں گے" مگر مولف تاریخ ہذا نے لکھا ہے "خاص ہی خاص موقعوں پر مغلوں کے دربار میں چند معززین کو یہ موقع ملا ہے۔ کہ وہ دربار شاہی میں مسند یا کرسی پر بیٹھ سکے ہوں عموماً شاہزادے اپنے ذاتی دربار تک مسند ہی پر کیا کرتے تھے۔ مگر کرسیوں کے محل استعمال کا مسئلہ باقی تھا اس لئے فرماتے ہیں:-

"اصل یہ ہے کہ ان چوکیوں، صندیوں اور کرسیوں پر فوراً خاصہ (اسلمہ شاہی) نوادرو نفاٹس عالم بیش قیمت لفرئی و طلائی نردون اور اگردان وغیرہ چنے رہتے تھے" یہ صحیح ہے

شروع ہوا اور اس کی نورافشانیوں نے عمد شاہجہانی میں یہاں تک امتیاز پایا اور ترقی کی کہ ایک ایک قریہ منور ہو گیا۔ (مقدمہ ۳-۴)

یہاں "نورافشانیوں" اور "امتیاز" سے جو نور جہاں "اور ممتاز محل" اور انکی وابستگی جمانگیر اور شاہجہاں کی طرف ایک سپاکیڑہ اور بے تکلف شاہ ہو گیا اور جس نے ایک خاص نکتہ تاریخ کو حل کر دیا وہ بالاسے داد ہے۔

اس کتاب میں جا بجا آپ کو بے مثل اور قابل تسلیم تاریخی اجتہاد ملیں گے۔ **اجتہاد** جو مؤلف کے تبحر علمی، وسیع مطالعہ اور اس کے ماہر فن تنقید و تحقیق ہونے کے شاہد صادق ہیں۔ مثلاً بعض مورخین و سیاحین کے مابین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ تخت طاؤس ٹھوس طلائی تھا یا اس پر سونے کا پتھر منہ صا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سے مصنفین کے اقوال نقل کر کے اپنی رائے پیش کی ہے اور لکھتے ہیں:-  
سٹرلین پول نے سوانح اورنگ زیب کے حواشی میں ٹیورنیر کا یہ قول نقل کیا ہے "تخت پر سونے کا پتھر جڑا تھا" اور لارڈ کرزن انجہانی نے اپنی کتاب پرشیا اینڈ دی پرشین کوشچین میں اسی سیاح کا یہ بیان لکھا ہے "اوپر بنا ہوا مورچہ تمام پکھراج کا بنا ہوا ہے دم پھیلائے ہوئے ہے۔ اس کا جسم سونے کا ہے" برنیر اپنے وقائع سیاحت میں رقم طراز ہے۔ "یہ تخت چھ طلائی پا یوں کا ہے۔ جس کو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں"۔

لیکن مورخین قدیم اور درباری تاریخ نگاروں کی تحریریں اس امر پر تبصرہ کرنے سے قطعی مجبور ہیں۔ مگر جب ہم اس تخت کے طول، عرض، بلندی اور سونے کی مقدار پر نظر ڈالتے ہیں تو چونکہ سونے کی تھوڑی ہی سی مقدار روزنی و سنگین ہوتی ہے۔ اور اس تخت میں صرف  $\frac{1}{4}$  اس من سونا استعمال ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تو ہمیں اہل مغرب کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اوپر بیان کئے

قائم کر کے کئی ایسے سرکار تذکرہ کیا ہے جو اس نام سے موسوم ہوئے اور ان کو مختلف عہدوں میں مختلف سلاطین نے بنوایا ہے اور یہ کہ ایران میں اس نام کے دو تخت ہیں اور شاہجہانی تخت کے کچھ ٹکڑے ہی ہیں جو نئی شکل میں مرتب کئے گئے ہیں۔ کچھ ٹکڑے ترکوں کے پاس بھی تھے۔ جو انقلاب دولت عثمانیہ کے بعد بیچنے کے لئے فرانس بھیجے گئے تھے (ملاحظہ ہو ۱۵۷ء سے ۱۶۴ء تک) یا "یہ امر مسلم ہے کہ مغل عہد کی تعمیرات و مصنوعات میں زیادہ تر ہندی اور ایرانی طرز تعمیر و صنعت کا میل ہے۔ مگر ہندوستانی فن تعمیر و صنعت پر ایرانی تاثیر کے مدارج اور ان کے ارتقا پر بھی یہ کتاب بے مثل تبصرہ کرتی ہے۔ جس کی دلیل سطور ذیل ہیں:-

"اگر ہم غور کریں تو اکبر کے عہد میں ایرانیوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ اور جہانگیر و شاہجہاں کے زمانہ میں وہ اس کثرت سے ہندوستان پہنچ جاتے ہیں کہ یہاں کے بڑے بڑے شہروں کا محلہ محلہ خطہ ایران بن جاتا ہے۔ اور فن تعمیر بھی اسی رفتار کے دوش بدوش متاثر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان اثرات کا ثبوت پکار پکار کر ہمیں وہ عمارات دے رہی ہیں جو اکبر اور شاہجہان کے عہد کی یادگار ہیں۔ شاہجہانی عمارتوں 'تاج محل' 'موتی مسجد' (آگرہ) 'قلعہ معلیٰ'۔ 'جامع مسجد' دیوان خاص و عام، 'شہن بروج' (دہلی) میں جس نفاست مذاق اور سلامت طبع کا دور دورہ ہے وہ اکبری عہد میں تو بالکل عنقا ہے۔ جس کی مثال فتح پور سیکری اور قلعہ آگرہ کے وہ محلات ہیں جو اکبر کے دور حکومت میں تیار ہوئے۔ اور جہانگیری عہد میں اس کی آمد آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی تمثیل سکندرہ، ایواں جہانگیری اور مقبرہ اعتماد اللہ آگرہ ہے۔ اس راز کو ایک تاریخ دان باسانی یوں متکشف کر سکتا ہے۔ کہ جہانگیری عہد سے خاندان اعتماد اللہ کا رشتہ اتحاد سلاطین مغلیہ کیساتھ

بعد از آنکہ صیہ نور جہاں بیگم کہ از صاب شیرا لگن بو و در جبالہ از و واج سلطان  
 شہ یار برادر زادہ جہانگیر سپہ شاہ دانیال در آمد +  
 حالانکہ یہ صحیح نہیں . . . . . شہ یار جہانگیر کا بیٹا تھا۔ اولاد کی تحقیق ماں باپ سے بڑھ کر  
 اور کسے ہو سکتی ہے۔ خود جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔  
 بعد از آنکہ بعضے فرزندان تولد یافتہ در آواٹل صبلی بر حمت حق پیوستند۔  
 در عرصہ یک ماہ دو پسران از خواصاں تولد یافتند کیے را جہاندار و دیگرے را  
 شہ یار نام نہادوم +

کوئی تنقیدی و تحقیقی کتاب در اصل طریق استدلال ہی سے وضع  
 ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں جہاں تحقیق اور تنقید کی کثرت ہے  
 وہاں منطقی طرز استدلال کی بہتات اور وہ بھی قطعی علمی طریق پر یہی وجہ ہے کہ اس کے مطالعہ  
 کے دوران میں دل و دماغ خود بخود متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ گویا مشلہ بالا میں علمی  
 طریق استدلال کی جھلک جا بجا پائی جاتی ہے۔ مگر برسبیل تذکرہ دو ایک مثالیں اور سہی۔  
 مقدمہ میں جہاں ذکر کیا ہے کہ مغلوں کی عمارات خالص ہندی و ایشیائی طرز  
 تعمیر وغیرہ کا نمونہ ہیں۔ اور ان میں مغربی میل جول نہیں وہاں ایک شک اپنی طرف سے پیدا  
 کر کے کہ یورپ والے بھی تو مغلوں کے دربار میں موجود تھے۔ کیوں نہ ان کے اثرات سے  
 فن تعمیر متاثر ہوا ہوگا۔ ایک علمی، اصولی، طبعی اور سائنٹیفک جواب دیا ہے جو مؤلف کی عام  
 معلوماتی وسعت کا آئینہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

مجبب ہم طبقات ارض پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ضحور کی دو قسمیں نظر آتی ہیں  
 ضحور آبی۔ ضحور آتشی۔ آبی ضحور اکثر اوقات بالائی سطوح کے داب کی وجہ سے  
 مصفی و مجلی ہو کر آتشی ضحور کی شکل میں منقلب ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح ایک  
 تیسری قسم اور ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جو چواہرات کے مغز نام سے مخاطب کی جاتی ہے +

ہوئے مختلف اقوال کو مسلسل کرنے سے مندرجہ ذیل ترتیب ہمارے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

مور مجون اور پائے ٹھوس تھے۔ اور بقیہ سارے تخت پر دبیز پتھر چڑھا ہوا تھا۔ (صفحہ ۱۱۰-۱۱۶)

مؤلف کا ریکارڈ جو مخطوط ہے ہمارے بیان کردہ اوصاف کی دلیل ہے۔

میدان تاریخ گویا پل صراط ہے، ذرا قدم ڈگر گایا اور غلطی کے ایک تاریک گڑھے میں جا پڑے۔ تاریخ تخت طاؤس

## اغلاط تاریخی کی تصحیح

میں جس تحقیق اور تفتیش سے کام لیا گیا ہے اس میں اس قسم کا احتمال قریب قریب ناممکن ہے۔ بلکہ بجائے اس کے خود اس میں صدہا غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور اس کتاب نے ایک تاریخی صحت نامہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۲۲ حاشیہ نمبر ۴ پر قدسی کے حالات میں لکھا ہے۔

”اور نیل بیارنیکل ڈکشنری میں لکھا ہے کہ شاہجہان نے اس کو خطاب ”ملک الشعراء“ بھی دیا تھا۔ اور اس کے بعد یہ خطاب ابوطالب کلیم ہمدانی کو عطا ہوا۔ لیکن بادشاہ نامہ خزائن عامرہ اور آثار الامراء وغیرہ سے ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ قدسی کو بھی یہ خطاب ملا ہو اور ان کتابوں کے مقابلہ میں لغات مذکور کا اعتبار ظاہر“

یا

صفحہ ۲۸ حاشیہ نمبر ۱ حالات شہریار کے ذیل میں تحریر ہے: ”جہانگیر ابن اکبر اعظم کا بیٹا تھا۔ نور جہان نے جہانگیر کے عقد میں آکر اپنی بیٹی (لاڈلی بیگم) جو شیر افکن خان کے صلب سے تھی اس سے منسوب کر دی تھی۔ صاحب سیر المتاخرین اس کو برادر زادہ جہانگیر اور پسر دانیال (المتوفی ۱۶۱۳ء) بن۔ اکبر اعظم لکھتے ہیں چنانچہ سیر المتاخرین مطبوعہ نو لکھنؤ پریس صفحہ ۲۴۸ میں لکھا ہے۔“

ٹھونس ٹھانس اور اپنے موافق معاملہ سازی سے کام نہیں لیا ہے۔ بلکہ لکھا ہے:-  
 "ان طواؤسین ہی کی وجہ سے یہ تختِ تختِ طاؤس کے نام سے موسوم ہوا تھا۔ میرے  
 خیال میں اس تخت اور اس کے نام کا خیال اہل ہنود کی قدیم روایات سے اخذ کیا گیا ہے  
 جو بتلاتی ہیں کہ اس نام کا ایک تخت ہندوستان کے عہدِ ماضی بعید میں بھی تھا۔ چنانچہ  
 جین مت کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔ کہ ایک راجہ مع اپنی رانی کے اس سبب  
 سے کہ اس کے دیوان نے اس سے غدروہ پوفانی کی تھی۔ وہ کیکئی نیترا (केकईषत्र)  
 نامی تخت پر بیٹھ کر بھاگا۔ فضا میں پہنچ کر کسی خرابی کے باعث وہ تخت بگڑ گیا۔ اور وہ  
 دونوں ایک مرگھٹ پر گر کر مر گئے۔"

لفظ کیکئی نیترا (केकईषत्र) سریرِ طاؤس نما یا تختِ طاؤس کے ہم معنی ہے ہمارے  
 خیال میں تختِ طاؤس کیکئی نیترا نامی قصصِ الاصنامی خیالی یا واقعی تخت کے تختوں کی ویسی ہی  
 حقیقی تصویر تھا۔ جیسی بقول واحد یار خان بی۔ اے۔ تاج مقبرہ ہمایوں کے ابتدائی خیال  
 کی حد و انتہا ہے (صفحہ ۱۰۵)

یا

(۲) مصارفِ تختِ طاؤس کے سلسلہ میں مسٹر ای مارسڈن بی۔ اے۔ آئی۔ اے  
 ایس کا جو ہندوستانی تاریخی و رسی سلسلہ کے ایک مشہور مصنف ہیں۔ ایک قول نقل کرتے  
 ہوئے لکھتے ہیں:-

”چونکہ صاحبِ موصوف کی درسی کتابوں میں اکثر امور کی بناضعیف روایات پر ہے  
 اس لئے میں ان کی تحریر پر توجہ نہیں کرنا چاہتا“ (مضلا)

(۲)

امور بالا تو تھے مضمون تاریخ ”تختِ طاؤس“ کے متعلق۔ لیکن ابھی اس

ادبیت کے ادبی پہلو پر بحث کرنی باقی ہے۔

یورپ کی سطح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قریب قریب تمام ترازمنہ ریاجیہ کی یادگار ہے اور سوائے اسکے کہ ہسپانیہ کی زمین تو آبی و آتشی ضحور سے مل کر بنی ہے ورنہ تمام یورپ کی بالائی سطوح پر آبی ضحور پائے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کوئلہ بکثرت ملتا ہے اور جو اہرات قریب قریب سب ہی ضحور آتشی کے تحت جگر ہیں۔ اس لئے یہ امر باسانی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ کہ جب اہل مغرب کے یہاں کان جو اہر ہی نہیں تو انہیں اس زمانہ ماضی بعید میں کان کئی جو اہر تراشٹی اور جو اہرات کے تعبہ و پیوند کی سلیم المذاقی میں دستگاہ کس طرح حاصل ہوتی (مقدمہ ۶ - ۷)۔

درحقیقت بقول مولانا کشتہ کے "یہ اتنا عظیم الشان مسئلہ ہے جس کے ہوتے ہوئے مصنفین یورپ اور ان کے عقیدت مندوں کی وہ تمام تعبہات پا رہوا نظر آتی ہیں۔ جو انہوں نے خالص ایشیائی مصنوعات ہند کی ساخت میں اہل یورپ کی شرکت ثابت کرنے کے لئے وضع کر رکھی ہیں \*"

آزاد خیالی و وسعت نظری | اس کتاب میں یورپین مورخین کی پیروی نہیں کی گئی ہے۔ جو اپنی ناواقفیت، تعصب اور تنگ خیالی

کی بنا پر واقعات کو خواہ مخواہ رنگ دیتے ہیں بلکہ جس زمانہ کا حال لکھا ہے اسی زمانہ کے مورخین کی تاریخوں سے واقعات اخذ کئے گئے ہیں اور اس طرح ان تمام غلط خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو بوجہ لاعلمی یا کسی مقصد ذاتی کی بنا پر جھوٹے حالات، سچے واقعات کی صورت میں مشتبہ کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مغربی مورخین کی غلطیوں کو غائت درجہ جسارت و دلیری سے مدلل طور پر فاش کیا گیا ہے اور پوسٹ کندہ حالات لکھے گئے ہیں اور ان کی غلط فہمی، تعصب، تنگ خیالی اور ناواقفیت کو علی الاعلان ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۶۔ عنوان "ڈاکٹر ہرنیر کے ایک قول کی تنقید"۔

تاریخ تخت طاؤس کے مؤلف کی دقیقہ رسی عالمہ فہمی اور بے تعصبی اس سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔ کہ انہوں نے تخت طاؤس کے مورخوں کے سلسلہ میں خواہ مخواہ کی

اور "عالم برقی" وغیرہ تازہ بہ تازہ نوبہ نو اختراعات لفظی و ترکیبی پاکر تاریخ زیر بحث کو جدت نگاری و جدت طرازی کی ایک نمائندگی قرار دیں یا "بھارت وراثت کو بے تکلف استعمال ہوتے ہوئے دیکھ کر منہ بنا دیں۔ لیکن درحقیقت یہی وہ غلطی و خیال ہیں جو اس کتاب کو آرزو تصانیف میں بہت سی تمیز و ممتاز کرتے ہیں۔ گویا اس کی زبان زبان جدید و قدیم کا ایک دلچسپ و خوشگوار مرکب ہے اور ہمارے سامنے زبان کے وسیع کرنے کے ذوق و ذرائع پیش کر رہی اور طریق کار کا عملی سبق دے رہی ہے۔ اور کیوں نہ ہو اس ادیب کی قلم کا نتیجہ ہے۔ جس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت بگڑا آبادی جیسے غیور ادیب نے تحریر فرمایا۔

"زبان کی روانی و سلاست کا یہ عالم ہے۔ گویا ایک دریا ہے مترنم ایک نغمہ ہے تبسم" (مشاعرہ فرخ آباد بابت جون جولائی ۱۹۳۷ء)

"تاریخ تخت طاؤس" کے مطالعہ کرنے والے کو یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ

### مؤلف کا عقیدہ دربارہ محاورہ لکھنؤ و دہلی

یہ کتاب اس شخص کی لکھی ہوئی ہے جو محاورہ لکھنؤ اور محاورہ دہلی دونوں کو اچھا سمجھتا اور یہ لازم جانتا ہے کہ ایک ہی مضمون میں اگر موقع آجائے تو دونوں کے اتباع کا ثبوت دے دے۔ چنانچہ

(۱) عالمگیر نے بھی..... ترمیم تنسیخ کرنی شروع کی (۱۹۲۲ء) موافق محاورہ لکھنؤ

(۲) یادداشتیں رامپور ہی میں قلمبند کرنا شروع کر دی تھیں مقدمہ صفحہ ۱۷ مطابق محاورہ دہلی لیکن علی العموم اس کی زبان پر دہلویت غالب ہے جس کا باعث غالباً رہائش و تربیت آگرہ ہے۔ چنانچہ اہل لکھنؤ کے خلاف آپ اس کتاب میں ایسی اور ایسا کے موقع پر ہمیشہ جیسی اور جیسا ہی پائیں گے۔ مثلاً

تاریخ میں تلاش ادبیت کی ضرورت اور معیار ادبیت | جس طرح بقول مولانا کشتہ ایک

لعل شب تاب ایک والی ملک کے جواہر طرف کلا کے ساتھ اوج قسمت لعل و گہر کا معیار قرار پاسکتا ہے۔ مگر گڈری کا لعل ہو کر بے قدر رہ جاتا ہے، اسی طرح اعلیٰ تخلیقات، پاکیزہ جذبات اور نادر و نایاب معلومات کے انمول موتی جب موزوں، برجستہ و بر محل الفاظ اور موثر و دلاویز پیرائے میں ادا کر دئے جاتے ہیں تو ان کی خوبیوں میں چارہ چاند لگ جاتے ہیں لیکن جب وہی جواہر پارے بھدے الفاظ اور معمولی طرزِ ادا کی تھیلیوں میں بھر دئے جاتے ہیں تو حرف ریزوں سے زیادہ کم وقعت اور بیچ و پوچھ ہو جاتے ہیں اور کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی تو نہیں دیکھتا اس لئے ایک مورخ کا فرض اولیٰ ہے کہ وہ اظہار خیال کے لئے دلچسپ اسلوب بیان اور مناسب محل و موقع الفاظ استعمال کرے +

عام مورخین اُردو کا طرزِ تحریر | ہماری زبان کے عام مورخین نے جن کا پایہ

ادبیت بھی مسلمہ جمہور ہے یا تو تشبیہات و استعارات کے زور اور الفاظ کے شور سے پڑھنے والوں کے دماغ کو مسحور کیا اور تاریخ کو سہم پلہ داستان بنایا ہے۔ یا اس قدر خشکی اور پیوست سے کام لیا اور دلائل و براہین کے گورکھ دہندے میں مضامین کو الجھایا ہے۔ کہ مطالعہ کرنے والے کو تاریخ ایک بارگراں معلوم ہونے لگتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تاریخ تخت طاؤس کی زبان بچید سلیس و سادہ شستہ و پاکیزہ ہے۔ اس میں وہ لوج اور برجستگی ہے کہ ناظرین خود بخود متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں +

الفاظ جدید کا استعمال و اختراع | ممکن ہے کہ بعض حضرات "عکس گیر"

(فولو کا کیمرہ) تلا شکار (سرچہ "محقق") "مجلد" (رسالہ) "ماحول" (ایٹ مونیفیر) "قصص الاضام" یا "دیو مال" (بائی نضالوجی) اور آئی روکا احتکاک" جیسے مرکبات جدید دیکھ کر یا "صلہ" بمعنی (سالہ ٹھوس) حطب متحجر (کوئلہ) اور

(۲) ایرانی و ہندوستانی صناعتوں کے میل جول نے جس طرح فن تعمیرات و خطاطی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اسی طرح فن جواہر تراشی و نگینہ سازی میں ان کی بہتر ناسیوں اور ترکیبوں کے رنگا رنگ جوہر نمایاں ہوئے۔

(۳) اکبر کے دور اور سلطنت مغلیہ کے عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-  
 "انسانی رشتوں کے ساتھ ساتھ رنگا رنگ پونڈوں اور درختوں سے ہندوستان چمنستان بن گیا۔ سنگھاسن بیسی کی پریوں اور مہا بھارت کے سورماؤں کی طرح صد ہزار ہا ہندوستانی تخیلات کے شاہکاروں نے ایرانی لباس پہن لیا" (مقدمہ ص ۳۷) +

طرز ادا میں جا بجا مغربیت بھی آپ کو جھلکتی  
 ہوئی دکھائی دے گی۔ جو مولف کی روشن خیالی

## طرز ادا میں مغربیت کی جھلک

وسیع المعلوماتی اور حمایت ترقی زبان کی دلیل ساطح ہے۔ مثلاً محمد شاہ رنگیلے کا سرسری تذکرہ اور سلطنت مغلیہ کی حالت زار بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں +

"بادشاہ تھا مگر شاہ شطرنج کہ کٹ پتلی کی طرح ذی اختیار منصبداروں کے

ہاتھ میں کھیلتا تھا +

خط کشیدہ یورپین طرز ادا ہے +

ایک ادیب ایک مضمون نگار اور خاص طور پر ایک مورخ کا بہت ہی  
 بڑا کمال یہ ہے کہ وہ واقعات و کیفیات کو ایک صفاق (فلم) کی شکل میں

مرتب کرے۔ یعنی اس طرح لکھے کہ لکھنے کی برقییت سے ہم کنار ہوتے ہی واقعات نظر کے سامنے گردش کرتے چلے جائیں۔ اس کو فن ادب میں محاکات کہتے ہیں۔ اور محاکات سے چونکہ ایک شعریت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے تاثر مضمون بڑھ جاتا ہے۔ مؤلف تاریخ تخت طاؤس نے اس امر خاص میں نہایت کامیاب فلم رانی کی ہے۔ وہ تخت طاؤس کے

## محاکات

صاحب ماثر الامرا جیسی شخصیتوں کی کشیدہ شعبہ قلمی سے ماخوذ ہے“ (۸۶) \*

**تشبیہات و استعارات** | اس کتاب میں تشبیہات اور استعارات ہیں۔ لیکن صرف اسی قدر جس قدر کھانے میں نمک یا جیسے انگوٹھی پر نگ پھر اس لطافت کے ساتھ کہ کیفیت آمد سے مملو، تصنع اور آدرود کا نام نہیں \*

**اسلوب بیان** | اس کتاب کا اسلوب بیان بہت ہی صاف سلجھا ہوا دلچسپ اور موثر ہے۔ جس میں خیالات کا تسلسل اور زبان کی پختگی، الفاظ کا تناسب و توازن آپ کو اپنے دماغ پر جادو کرتا ہوا نظر آئیگا۔ مثلاً دولت اور اس کا مصرف کے عنوان۔۔۔ تخت طاؤس کی ساخت کے جواز کی تمہید ہے۔ لکھا ہے:-

جو اہرات کی مکلف تھیلیاں توشہ خانہ کے کسی گوشہ میں صندوقچوں میں پوشیدہ رہیں۔ اور موقع بموقع نظارگیان عالم کو موجودید کر کے سلطانی ہیبت و جبروت کا ایک ناپائیدار اثر پیدا کریں تو ان کا یہ مصرف ہرگز اس قدر صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔ جس قدر کہ یہ طریقہ استعمال کہ اس کو حسن و خوبی سے مرتب کر کے ہیبت و ودبہ سلطانی، شان و شکوہ دارائی، عظمت و جلال جمانداری کی جیتی جاگتی تصویر قرار دیکران سے روزانہ ایک مستقل و پائیدار اثر ہیبت و ودبہ کا پیدا کیا جائے۔“

۱۔ صفحہ ۷۰ = ۱۳ \*

**جدت ادا اور مشرقیت** | جدت ادا کی بہت سی رنگین، پر لطف مشرقی اور مینہار تشبیہات آپ کو اس کتاب میں لاکھ آئیں گی۔ مشنتے نمونہ

از خردارے \*

(۱) = یہ قوم (مراد یعنی) اپنے وطن ماؤف سے اٹھ کر ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران والوں سے اپنی ترقی میں ہم آغوش ہوئی \* (مقدمہ ص ۵) \*

جھینک کر سسک سسک کر وقت کی آخری گھڑیاں ختم ہوتی ہیں اور یہ  
مجبوریوں کا شکار، نیرنگی عالم کا مجسمہ، تارک اورنگ و دبیم، ثانی ابراہیم اس  
گوشہ گمنامی میں ۲۶۔ رجب المرجب ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۶۶ء کو اپنے رفیقہ  
حیات ممتاز محل کے مقبرے پر آنکھیں جمائے ہوئے ایک آخری سانس  
لیتا ہے۔ اور رخصت ہو جاتا ہے۔ انا لہ وانا الیہ راجعون صفحہ ۱۶۸-۱۶۹

اُٹ !! کس بلا کا دروہے \*

کمال محاکات | ایک مصور کا کمال تو یہ ہے کہ وہ جس شے کی تصویر کھینچے  
وہ مکمل ہو۔ اور ذرا بھی ٹوک پلاک میں کمی نہ آنے پائے۔ لیکن ایک  
ماہر محاکات بعض پہلوؤں کو لیتا اور بعض سے سرسری طور پر گزرتا۔ بعض کو نظر انداز  
کرنا چلا جاتا ہے۔ تاہم اس کی قلمی تصویر مصور کے موٹے قلم کی تصویر سے کہیں  
بالا و برتر ہوتی ہے \*

”تاریخ تخت طاؤس“ میں آپ کو یہ کمال قدم قدم پر ملیگا۔ اس کے مؤلف کا قلم  
خفیف اشارات سے وہ کام لے جاتا ہے جس کے لئے صفحے کے صفحے درکار ہوں  
اور شاید وہ بھی اس لطافت و جامعیت کے ساتھ روشنی نہ ڈال سکیں مثلاً

۱۔ ”بابر نے سلطنت ہند کی داغ بیل ڈالی۔ ہمایون نے بنیاد رکھی اور ساز و سامان  
جمع کیا۔ اکبر نے اس بنیاد پر ”عظیم الشان“ قصر حکومت تیار کیا۔ جہانگیر نے اس کی  
زیب و زینت میں عمر گزاری۔ شاہجہان نے آرام سے بیٹھے کرچین کے لطف  
اٹھائے۔ شہرت عام و بقیے دوام کے پھریرے اڑائے۔ اور اورنگ زیب عالمگیر  
نے ہر کمی کو پورا کر دیا۔ اور تو سب عبارت مولانا آزاد دہلوی کی تقلید ہے۔ لیکن  
شاہجہان سے آخر تک مولانا کشتہ کے جملہ اول کو لیجئے اور شاہجہان کی پوری  
تاریخ مطالعہ کر لیجئے۔ اور آخری جملہ کو لیجئے۔ اور اورنگ زیب کی ساری ہسٹری

دوروں کی تصویر کھینچتے ہیں \*

صناع نے ان ہر دو طاؤسان طلائی کو ایسی خوبصورتی سے دم پھیلانے ہوئے بنایا تھا کہ آمادہ رقص معلوم ہوتے تھے۔ اور ان کی دموں میں اس خوش اسلوبی و حسن تربیت سے نیلم، زمرہ، فیروزے اور دوسرے جواہرات تعبیه کئے تھے۔ کہ دم طاؤس کا اصلی مذاق نمایاں تھا۔ ہر ایک کی چونچ میں سڈول اور یکساں موتیوں کی تسبیح پڑھی ہوئی، سینہ پر ایک ایک بیش قیمت لعل جڑا ہوا جس کے گرد اگر دو دو سو گرین کے ذرنی موتی جمے ہوئے گلے ہیں ۶۳-۶۳ رقی موتیوں کا ہر ایک ایک نورانی ہیرے سمیت جس کا وزن ۱۱۷ رقی تھا) آب و تاب کے ساتھ آویزاں تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۰۱-۱۰۲) \*

یا

رحمت شاہجہانی کا مرقع تیار کرتے ہیں

وہ شاہجہان جس نے جامع مسجد (دہلی، ہوائی) - وہ شاہجہان جس نے تاج محل (آگرہ) کی تعمیر کی - وہ شاہجہان جس نے دلی کو نئے سرے سے ترتیب دیا - وہ شاہجہان جس نے تخت طاؤس پر جلوس کیا اور جلوس بھی وہ جلوس کہ جس کے باعث رعب و سطوت شاہی کا دریا حاضرین و بار کے قلوب میں لہریں لینے لگا - وہ شاہجہان جو اس عالم میں بھی خدا کو نہ بھولا - مگر وہ شاہجہان جس نے حصول سلطنت کی خاطر اپنے خاندان کے کچھ ہی چشم و چراغ بچھائے - دنیا سے جاتا ہے - تو کس طرح؟ دارالمکافات کی ایک تصویر مجسم ہنگر عثر کا آخری حصہ ہے - ایک مسجد کا حجرہ ہے - چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے - اور ہو کا عالم ہے - آٹھ سال تک قید اور رنگ زریب میں جھینک

کانون پرگراں ہے ۔

۳۔ بعض حواشی کی طوالت خالی از مفاوت نہیں مگر بیجا ضرور ہے۔ مثلاً صفحہ ۹۴-۹۸ کے حاشیہ نمبر ۵ کے ذیل میں علامہ افضل خاں کو ”غلام“ لکھ دینے پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایک غلطی کا ازالہ ہوتا ہے اور تہذیب قدیم و آئیں دربار مغلیہ پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ چند سطور میں طے ہو سکتا تھا ۔

صفحہ ۸۰ پر بے بدل خان کے حالات میں اس کے نام کی تصحیح ضرور ہو جاتی ہے مگر جس قدر تشریح کی گئی اس کا ایک معقول حصہ زائد از ضرورت بھی ہے ۔

۴۔ بعض معاصرین کے حالات حواشی میں جامع و مانع طور پر قلمبند نہ ہو سکے مثلاً سعید احمد مارہروی، جادو ناتھ سرکار اور ڈاکٹر الیشوری پر شاد و غیرہ وغیرہ کے حالات کہ ان میں سہ پیدائش وغیرہ کا ذکر نہیں۔ حالانکہ اس معلومات کا بہم پہنچانا سہل تھا۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو چونکہ یہ کتاب ایک ہمسٹوریکل انسائیکلو پیڈیا (قاموس التاریخ) کا حکم بھی یقینی طور پر رکھتی ہے اس کی قدر و قیمت میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا اور وہ مفید سے مفید تر بن جاتی ۔

۵۔ صفحہ ۵۳ پر ”جنیر“ کے متعلق نو سین میں لکھا گیا ہے ”جو سرحد نظام کی انتہا پر ہے“ حالانکہ اس تشریح کی ضرورت اور تھی کہ ”اب علاقہ اورنگ آباد میں واقع ہے“ (علیگڈھ میگزین علیگڈھ)

۶۔ صفحہ ۱۲۹ کے حاشیہ ۱۹ میں نقار خانہ دہلی کے حالات لکھے ہیں۔ مگر مناسبت موقع نقار خانہ آگرہ کے حالات کی مقتضی تھی ۔

۷۔ دو ایک جگہ مجھے لائق مؤلف کی رائے سے اتفاق ہے۔ مثلاً وہ صفحہ ۱۰۴

مابین حاشیہ ۷ علامہ شبلی کی مختصر سوانح عمری میں رقمطراز ہیں :-

عہد حاضرہ کے ترقی یافتہ طرز سیرت نگاری کے بانی تھے“

دیکھ جائے۔ پھر لطف یہ کہ ”ہر کسی کو پورا کر دیا“ ایک ایسا فصیح بلیغ فقرہ ہے۔ کہ جس میں عالمگیر کے متعلق ہر خیال و عقیدے کے انسان کے تخیل و عقیدت کی کیفیت موجود ہے +

ب۔ نادرنے بعد مراجعت فتح ہندوستان ہرات میں ایک بہت بڑا جشن فتح فیروزئی ہند منایا۔ اور اس میں اموال و اسباب سرودنہ ہند کی ایک زبردست نمائش ترتیب دی اس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

یہ نمائش کیا تھی ہندوستان کے خزانوں کی نمود تھی ورنہ حسن ترتیب کی آرائش و زیبائش معلوم۔ (صفحہ ۱۵۴)

مخطوط فقرہ، فقرہ نہیں نادر کی بربریت، وحشت اور بد مذاقی کا ایک مکمل مرقع ہے۔ جس کا لطف کچھ صاحبان مذاق ہی خوب اٹھا سکتے ہیں +

اگر میں نے سطور ہذا کا عنوان صرف ”تعارف“ ہی مقرر کیا ہوتا۔ تب تو غالباً میں یہاں تک پہنچنے کے بعد ختم کر دیتا اور کوئی مجھ پر ذرا بھی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ”تعارف“ کے ساتھ ”تبصرہ“ کی قید ترکیب گویا کھلایا ہی چاہتی ہے۔ ”خوب قصیدہ مدحیہ لکھا ہے“ مگر یاد رہے۔ نہ تو میں تاریخ تخت طاؤس کی دلاویزی سے اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ دامن کتاب کے داغ دھبے میری نظر سے اوجھل ہو جائیں اور نہ مولانا کشتہ کی محققانہ شخصیت سے اس قدر مرعوب ہو سکا ہوں جو ان کی کوتاہیاں نمایان کرنے سے ہچکچاؤں وہ واقعات تھے اور یہ حقائق کہ۔

۱۔ مولانا نے اور تو خیر کہیں نہیں مگر ”مقدمہ“ میں بعض جملے بہت طولانی کر دیے۔ جو

نزاکت طبع پر بار ہیں۔ مثلاً صفحہ ۵ کے پیرے ۱ کا آخری حصہ یا صفحہ ۹ کا پہلا پیرا

۲۔ صفحہ ۱۴-۱۵ پیرا ۱ میں بسلسلہ تشکرات ”کا“ کا کی کثرت سلیم المذاقی کے

بھی وہ شان نمایاں ہے۔ گویا انداز بیان صاف بتلا رہا ہے کہ ان طلائی طاؤسوں کا بولنا مولانا کو اور ان مولانا کو جو تاریخ اسلام کے کیرے ہیں حیرت انگیز معلوم ہو رہا ہے۔ مجھے یہ تحقیق نہیں کہ دراصل "نخت طاؤس" کے مور بولتے تھے یا نہیں۔ لیکن یہ ضرور عرض کر لوں گا کہ اس زمانہ کے لئے یہ بھی کوئی قابل حیرت امر نہیں۔ غالباً مولانا کو معین الآثار (تاریخ تاج محل) مؤلفہ مولوی معین الدین احمد اکبر آبادی کے مستند ہونے میں۔ کلام نہ ہوگا اس میں لکھا ہے:-

"خليفة المقتدر بالله عباسی (۹۶-۷۱۲ھ) نے ایک حیرت انگیز عمارت تعمیر کرائی تھی جو دار الشجرہ کے نام سے موسوم تھی۔ صحن کے وسط حوض میں طلائے احمر کا ایک درخت تھا۔ جس میں سونے چاندی کی اٹھارہ ڈالیاں تھیں۔ ہر ڈالی میں بے شمار شاہیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے گئے تھے کہ قدرتی و مصنوعی پھلوں و میووں میں کچھ فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ نازک ڈالیوں پر رنگ برنگ کے طلائی پرندے تھے۔ یہ پرند اس معجز نما ترکیب سے بنائے گئے تھے کہ جب ہوا چلتی تو سب خوش الحانی سے نغمہ سرائی کرتے تھے"۔

المقتدر اور شاہجہان کے دور میں سات ساٹھ سات سو برس کا فرق ہے۔ بہر حال اللعقد متقدم تھا۔ اور شاہجہان موخر اسی دور کے کاریگر اور صنّاع تھے جو جو بولتے مولانا ڈربار ہند میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ پھر تعجب کی بات کیا ہے؟ کیا جو دماغ بغداد میں معجز نمائی کر سکتے تھے۔ وہ ہندوستان میں سات سو برس بعد دم مسیحاتی نہیں بھر سکتے تھے؟ میرے خیال میں تحقیق سے کام لیا جانا تو شاید کوئی مفید مطلب بات نکل آتی۔ مگر ہاں! ذرا لائح تحقیق و تفتیش کہاں؟ کہ

ورق بر ورق ہر سوئے برد باد ( فردوسی )

لیکن اگر یہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ عیوب و نقائص نہیں۔ بلکہ آثار بشریت ہیں، جن

حالانکہ ایسا نہیں "حیات نگاری" کے طرز جدید کے بانی علامہ حالی مرحوم و مغفور  
ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ سیر المصنفین حصہ دوم صفحہ ۳۷۱ و صفحہ ۳۷۶)

ب۔ صفحہ ۲۸ اور اس صفحہ کے حاشیہ ۱ میں فاضل تاریخ نگار نے نہ صرف یہی دھوکا  
کھایا ہے۔ کہ "اردو" شاہجاں کے دور میں وجود پذیر ہوئی۔ بلکہ ان سے یہ لغزش  
بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے صاحب شعر الہند کی اس تحقیق پر کہ اردو کو اورنگزیب  
کی فتوحات دکن کے عہد سے بحیثیت زبان ماننا چاہئے اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ  
ایک زمانہ میں وہ خود مجھے دکن میں اردو (مؤلفہ نصیر الدین ہاشمی) پنجاب میں اردو  
(مؤلفہ محمود شیرانی) اور اردو سے قدیم (مؤلفہ سید شمس الدہ قادری) کی تحقیق و تفتیش  
کی بہت کچھ تعریف و توصیف کر چکے اور ان کے مطالعہ کی ترغیب دلا چکے ہیں جو  
صاحب شعر الہند کی رائے کے برعکس مغلوں کے دور سے صدیوں پہلے زبان  
اردو کے وجود اور اس کے بشکل زبان منسکل ہونے پر روشنی ڈالتی ہیں \*  
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کشتہ نے ان کتابوں کو اس حصہ تاریخ کی  
تالیف کے بعد مطالعہ کیا اور معلومات جدید کے قلم سے ان سطور کو قلمزد کرنا  
بھول گئے \*  
ج۔ صفحہ ۱۱۱ میں "ایک نقل" کے عنوان سے لکھا ہے :-

"کہتے ہیں کہ جس وقت بادشاہ تخت طاؤس پر جلوس کرتا تھا تو یہ مورم  
پھیلا کر ناچنے لگتے۔ تسبیح ان کی منقاروں میں گردش کرنے لگتی اور والد  
اللہ کی صدائیں چونچوں سے برآمد ہوتیں اور ہر صد پر ایک دانہ ہٹتا جاتا تھا"  
لیکن یہ نقل ہی نقل ہے۔ اصل کو اس میں زور بھر دخل نہیں کہ ع

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زریب داستاں کیلئے ہم اس سے پہلے کہیں لکھ آئے ہیں کہ مولانا کی عبارت بہت  
ہی پر معنی اور ان کا چھپلتا ہوا قلم کہیں کہیں بہت گہرائیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے یہاں

کے۔ ساتویں میں تصاویر کے عنوانات۔ یہ ہر ایک قسم حروف تہجی کے ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔ جو ایک دلچسپ اور مفید ترین جدت ہے اور اسی نے اس کتاب کو کاموں المناجیح بنایا ہے۔  
 لکھائی چھپائی کے متعلق صرف یہ کہدینا کافی ہوگا۔ کہ پنجاب کے مایہ ناز مطبع  
 ”مفید عام“ لاہور میں رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنٹر کی علمی سرپرستیوں  
 کے زیر سایہ طبع ہوئی ہے۔ یہ پریس اردو کی خدمات اور علوم مشرقیہ کی تربیت کے  
 سلسلہ میں ہندوستان میں وہ ہی پایہ رکھتا ہے جو ”لوک شورش پریس“ لکھنؤ اور صحت کتابت  
 حسن طباعت اور نفاست کاغذ وغیرہ میں اس سے زیادہ نمایاں ہے۔

مولانا کشتہ (مؤلف کتاب ہذا) کی ملازمتی مجبور یوں، عدیم الفرستی اور عدالت کے  
 لاقتنا ہی سلسلہ سے مجھے ذاتی طور پر واقفیت ہے اس لئے یہ موقر کتاب حیفہ  
 عبرت اور وقت کی قدر نہ جاننے والوں کے لئے پیغام عمل ہے۔

گو محاسن ذاتی و صفاتی کے علاوہ تخت طاؤس کی طرح تاریخ تخت طاؤس کا سات  
 سال میں تیار ہونا ہی ایک شگون نیک اور اس کی شہرت و مقبولیت کا پیش خیمہ ہے۔ تاہم  
 میں یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اہل ملک کو جو ملک کے بہت سے ناموافق مزاج  
 امور میں یورپ کی کورانہ تقلید کرنا اپنے لئے باعث فخر و مباحث سمجھتے ہیں اس  
 کتاب کی دوا اور جائز قدر دانی کرنے میں مغربی ارباب نظر کی پیروی کرنا اور اپنی  
 سلیم المذاتی کا ثبوت دینا چاہئے کیونکہ بے لوث، بے غرض اور بغیر کسی مجلس علمیہ  
 اور بلا ارباب دُول کی سرپرستی کے علمی مشاغل میں مصروف رہنے والوں کی حوصلہ افزائی  
 کی اس سے بہتر تدبیر ہو ہی نہیں سکتی کہ ان کے نتائج مساعی کی قرار واقعی قدر کی جائے۔  
 اب میں آپ کے قیمتی وقت کو زیادہ ضائع کرنا نہیں چاہتا اور اس سبب خراشی کی معافی چاہتے ہوئے آپ

سے مرخص ہوتا ہوں اور آپ کو اصل کتاب کے مطالعہ کی جانب متوجہ کرتا ہوں۔  
 { بین پوری (یو۔ پی) }  
 { سید ظہیر الدین احمد علوی ایم۔ اے ایل ایل بی (علیگ) وکیل }  
 مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء  
 مدیر رسالہ ”مشاعرہ“ (فرخ آباد)

سے غالباً کوئی تصنیف و تالیف خالی نہیں دیکھ کر نفس کتاب اور اس کی خوبیوں کے متعلق کوئی غلط خیال قائم کرنا۔ ایک ظلم صریح اور مؤلف کو ماورائے انسانیت سمجھنا ہوگا +

حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی نوعیت میں اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جس کے ذریعہ سے قد زمان فن تاریخ کے لئے تنقید و انکشاف مسائل تاریخی کا ایک بیش بہا سرمایہ فراہم کیا گیا ہے +

فاضل مؤلف نے جس ذوق سلیم اور بصیرت تاریخی اور ادبی سے کام لیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ میں زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی یہ کوشش ادبی و تاریخی حلقوں اور علمی مجلسوں میں بہ نظر استحسان و احسان مندی دیکھی جائیگی +

اس کتاب میں علاوہ معنوی خوبیوں کے جو تاریخ، تنقید مسائل و معلومات آئین دربار مغلیہ و آئین سلف سے متعلق ہیں۔ سب سے بڑا احسن اس کی پاکیزہ ترتیبی ہے۔ لطف یہ کہ کتاب باب درباب نہ ہونے کے باوجود بھی محض عنوانات کی خوش وضعی و خوش ترتیبی کے باعث واضح ترین گئی ہے۔ ہر حصے کو بالکل جدا جدا مگر اس طرح پر لکھا گیا ہے کہ ہر ایک میں شان تکمیل موجود ہے۔ اور ایسی دل آویزی و دلچسپی پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت خود بخود حصص آئندہ کی مشتاق مطالعہ ہوتی چلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے بار بار پڑھنے پر بھی جی سیر نہیں ہوتا +

مکمل کتاب (علاوہ فہرست مضامین و فہرست حواشی) ۲۰۰۰ تقطیع کے ایک سو چونسٹھ صفحات اور ستر عنوانات پر مشتمل ہے۔ فہرست حواشی سات قسموں پر منقسم ہے۔ اول میں مشاہیر رجال جن کا تذکرہ کتاب میں آیا ہے۔ ان کے نام، حواشی کے نمبر سلسلہ و نمبر صفحات درج ہیں۔ دوسرے میں خواتین کے تیسرے میں عمارات، باغات اور مقامات کے۔ چوتھے میں اشیاء کے۔ پانچویں میں ادبی و تاریخی اصطلاحات وغیرہ۔ چھٹے میں رسوم

کہد تم اپنے منہ سے کہ کشتہ ہے یہ میرا مل جاے کچھ تو عشق میں داود نا مجھے

ضبطِ فغاں کی تاب کیا کیسے چھپاؤں رازِ عشق  
تارِ نفس کی لے میں ہے شورِ صدائے ساہِ عشق  
وجہ قرارِ قلب ہے بیخودی نیازِ عشق  
حسن سکوں شکن ترافاش کرے نہ رازِ عشق  
جذب ہوئیں وہ بکلیاں زرہ خاکِ طور میں  
شکرِ خدا کہ ہو گیا حسن کو امتیازِ عشق  
لطف و کرم نہ پوچھئے مجھ کو دہین دل کیا  
دل کو ازل میں کر دیا حسن نے سرفرازِ عشق  
گردشِ دل رہے سدا حلقہٴ زلفِ یار میں  
ختم نہ ہو خدا کرے سلسلہٴ ورازِ عشق

(از رسالہ "فانوس" جھانسی بابت جولائی ۱۹۲۷ء)

آہ و فغاں کے ساتھ جو دردِ نواں ہے اب کیا کائناتِ عشق کا حاصل عیاں ہے اب  
حدِ شکیب ٹوٹ گئی ہے فراق میں دھوکا ہے صرف صبر کی دنیا کہاں ہے اب؟  
بالیں غم پہ روزِ تھی مرنے کی آرزو وہ آگے تو منّتِ عمر رواں ہے اب  
روتا ہے کون کشتہٴ بیکس کی لاش پر؟ اک ہجر کی ہے رات جو نوحہ کناں ہے اب

تھا میں سرشارِ تغافل مجھے کچھ ہوش نہ تھا  
در نہ یہ سبزہٴ تربت لب خاموش نہ تھا  
خفتہٴ بختوں کی کہانی تو وہ ہنستے لیکن  
محو آرائش گیسوتھے انہیں ہوش نہ تھا

یہ طلاطمِ خیزی سیلابِ موجِ زندگی اس میں پہناں ہے مگر طوفانِ محشر دیکھیے  
(از گل دستہٴ افضل مرتبہٴ افضل اکبر آبادی)

ہوں شمعِ بزمِ الفت اک شب کی زندگی ہے ہے ابتداے غم میں اندازِ انتہا کا  
(از لغتہٴ جھانسی)

# ضمیمہ تبصرہ و تعارف "تحت طاؤس"

## جذبات لطیف

### ۱۔ تاثرات

ہاں تڑپ جائے تڑپتا دیکھ کر قاتل مجھے  
بجلیاں لاوے خدا را اضطراب دل مجھے  
بے ازل سے جستجوے کوچہ قاتل مجھے  
زندگی کو میں سکون قلب پر کروں نثار  
ننگ پر دانوں کی اڑتی پھر رہی ہے بزم میں  
چین لینے دے جو ہر باؤ تمنا دل مجھے  
کیا سمجھتا ہے مجھے نا آشناے بحر غم  
اور کیا دکھلائے دیکھوں گرمی محفل مجھے  
غاک مجنوں سے بنے تھے میرے اجزائے حیات  
گھورتا ہے دور سے کیوں نیدُ ساحل مجھے  
ہو گیا ظاہر مال سوز غم افسوس ہے  
روح نے محصور ہو کر کر ویا محفل مجھے  
میرے سخن شوق کے دھول پر پرک ڈال دے  
ہیرے ناہوں نے کیا نثر مندہ محفل مجھے  
حشر میں رسوائہ کراے دامن قاتل مجھے

آشنائے بحر غم ہوں ڈوبنے میں ہے نجات

موج نے سمجھائے کشتہ کشتہ ساحل مجھے

(از ماثر الشعراء مرتبہ حضرت نصیر علوی ایل - ایل - بی منصف مین پوری)

بے جسم عنصری مرا وجہ فنا مجھے  
بخشش بقدر وسعت ہمت ضرور تھی  
یہ خاک میں ملے تو ہو حاصل بقا مجھے  
پھر کیا گلہ جو رنج ملے ہیں سوا مجھے  
چپکا کھڑا ہوں داور محشر کے سامنے  
آتا نہیں تمہارے ستم کا گلا مجھے

# موسم گرما کا آخری گلاب

یادگار موسم گل تھا چمن میں ایک پھول  
کچھ پریشاں حال سا افسردہ خاطر دل ملول  
اک ہوائے تند کے جھونکے سے مرجھایا ہوا  
پتے پتے سے نمایاں زرردی رنگ فنا

مجمع یاران ہم دم ہو چکا تھا منتشر  
کر چکے تھے رخت ہستی چاک اسکے ہم سفر  
تھے لب خاموش اس کے صد بیان مدعا  
ہو چکے تھے نرجسبان راز ہستی و فنا

نوحہ ماتم بنا تھا شور مرغانِ بسا  
جب مٹانے پر ہوا آمادہ چرخ کج مدار  
وعدہ حسن تبسم سے نہ تھا مٹنے کا ہوش  
نہ دیا ٹھنڈا پیام مرگ نے نوحہ کا جوش

دیکھ لی پامالی کشت چمن زار حیات  
سر سے پاتک محو حیرت تھا اسیر حیات  
سامنے تھیں چند روزہ عمر کی رسوائیاں  
روکش آئینہ تار بیخ فطرت پتیاں

تھی یہی برباد ہستی زینت صحن چمن  
آج ہے یاد حوادث سے جو محتاج کفن  
روح فرسا ہے یہ انجام بہار کائنات  
ہے انہیں بکھرے ہوئے اوراق میں رس حیات

کون کر سکتا میری بربادیوں کا امتیاز  
سرنگوں بھی ایک دن ہو گا جو ہے گردن فراز  
آج تک کس کو ہوئی انجام کی اپنے خبہ  
آنکھ کھولی تھی کہ فطرت نے دیا حکیم سفر  
(از ایجوکیشنل گزٹ۔ جالندہر بابت ماہ مئی ۱۹۳۰ء)

اب تک نہ پتہ پایا اس دشمن ایمان کا  
 لہ نہ ٹھکراؤ تم تازے قبروں کو  
 یارب نہ کوئی مجھ سا مایوس تمنا ہو  
 محشر سے کہیں پہلے اک حشر نہ برپا ہو  
 (از اخبار عزیز ہند جھانسی)

پھر آ رہا ہے اشک مسلسل کا فافلہ  
 پھر ضبط دل ہے شکوہ قاتل لے ہوئے

طاثر جاں مائل پرواز ہے  
 آرہی ہے کیا صدائے بازگشت  
 آج سماں شکست ساز ہے  
 گل چمن میں گوش برآواز ہے  
 کہتی ہیں کلیاں چٹک کر باغ میں  
 اس نے مردوں کو جلایا کہہ ریا  
 ”یہ کوئی اعجاز میں اعجاز ہے“  
 دل پہ پھر بجلی گرے کی خیر ہو  
 فتنہ سماں پھر لگاہ ناز ہے  
 آپ بھی رکھ دیجئے دو چار پھول  
 یہ مزار کشتہ جانباز ہے  
 (از عزیز ہند اخبار جھانسی)

نظم نگاری پر توجہ کی اور موسم گرما کا آخری گلاب کے عنوان سے ٹامس مور  
 کی مشہور نظم ”لاست روز آف سمر“ کے خیالات کو جس کا نثر ترجمہ جناب تنہا  
 بی۔ اے نے ”شاعرانہ خیالات“ نامی کتاب میں کیا ہے۔ جامعہ نظم پہنچایا۔  
 و ہوندا \*

تاریخ

# تخت طاووس

از  
کشته قادری

## ۲۔ مصنوعات

یوسفتساں جہان حسن محشر دیکھئے  
 جنت وصل ایک طرف ہجراں کا آذر دیکھئے  
 ہیں ملک سیرت غریب چاہ ژرف سامری  
 جادوے یا بل نمائے چشم عبہر دیکھئے  
 دیدنی ہے جزدومد بجز زخار و نوع  
 جذب ماہ روے رخشاں سنمبر دیکھئے  
 اتمام پونج گوئی ہے سخن فہمی کمال  
 آئے ہر بیت میں معنی کا دفتر دیکھئے  
 (از گلہ دستہ افضل)

شور نشور ہستی ماکاں و مایکوں  
 کونین میں ہے ایک فقط دل لئے ہوئے  
 مجروح تیرناز و ادا کے لئے نمک  
 چٹکی میں ہے ملاحت قائل لئے ہوئے  
 کہتے ہیں لوگ میں نے جو برتی اس کی طرز  
 "کشتہ ہے مہملات کا فائل لئے ہوئے"

یہ تمام انتخاب باستثنائے غزل اولیں (بلسلہ تاثرات) وسط ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک  
 (دوراں تعیناتی جھانسی کالج) کے کلام کا ہے۔ ۱۹۲۵ء سے پہلے کا کلام جس  
 میں نعتیہ حصہ زیادہ تھا نہ قلمی ماٹھے آیا اور نہ وہ رسائل دستیاب ہوئے  
 جن میں کبھی کبھی مولانا کا کلام شائع ہوتا رہا +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ

## مقدمہ



آج سے بارہ برس قبل یعنی ۱۹۱۶ء میں جبکہ میں اور نٹیل کلج - رامپور (یو۔ پی) کا ایک طالب علم تھا اور اضافہ معلومات کے لئے عموماً اکثر کتب تاریخ و تذکرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، دوران مطالعہ میں نے دیکھا کہ اکثر یورپین مصنفین اور سیاحوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے کہ ایشیائی ممالک کی صنعتوں میں جو کچھ خوبی نظر آئے۔ اس کو کسی نہ کسی طرح یورپ سے منسوب کر دیں۔ چاہے اس سخی لاطائل میں ضمیر کینڈان انہیں کچھ ہی کیوں نہ کہنا پڑے۔ چنانچہ اور ممالک سے قطع نظر کر کے میں نے صرف ہندوستان کی طرف نظر ڈالی تو اس کی اکثر شہرہ آفاق مصنوعات مجھے ایسی دکھائی دیں جن کے متعلق انہوں نے ان رشحات سے کام لیا ہے کہ ان کی صنعتگری میں یورپی صناعوں کی دستگاہ بہت کچھ شریک تھی +

ادھر چونکہ اہل یورپ کی آمد آمد ہندوستان سلاطین مغلیہ کے دور سے شروع ہوتی ہے اس لئے انہوں نے مغلوں ہی کی تاریخ کو کہ تاریخ اسلام کا ایک زرین باب ہے۔ بہت کچھ غلط کیا ہے۔ اور ان کی اس طرز عمل سے صرف یہی نہیں ہوا کہ مغلوں کی ہندوستانی اقوام کے ساتھ رواداری، یگانگت، اپنی ملکی صنعت کے ساتھ مقامی صنعت و حرفت کی تربیت اور دستکاروں کی حوصلہ افزائی پر تاریک پردے پڑ گئے ہوں۔ بلکہ تاریخ تمدن



لے تو حضرت امیر خسرو کے تصدق میں پہلے ہی قائم ہو چکی تھی ”درباری“ نے اور بار پایا۔  
 مصوری و روغن کاری (آئل پینٹنگ Oil Painting) نے ایک نئی طرز نکالی جو آج تک جاذب نظر اور  
 ”مغل اسکول“ کے نام سے موسوم ہے۔ ہندوؤں کے منہ میں ایرانی اور مسلمانوں  
 کے منہ میں ہندوستانی زبان پہنچ کر ایک نیا رنگ لائی اور اورو کلائی جس نے کیا ہندوستانی  
 کیا ایرانی سب کی زبانوں پر دخل و تصرف حاصل کر لیا۔ انسانی رشتوں کے ساتھ ساتھ رنگ  
 رنگ پیوندوں اور درختوں سے ہندوستان چمنستان بن گیا۔ سنگھاسن بتسی کی پریوں  
 اور مہا بھارت کے سورماؤں کی طرح صدہا ہزار ہندوستانی تخیلات کی شاہکاروں  
 نے ایرانی لباس پہن لیا +

زیور سازی، تعمیرات اور جواہر تراشی میں صدہا گوٹھے نکلے اور اس سلسلہ  
 میں ایرانی تہذیب کا کمرق تعافست تھی خصوصیت کے ساتھ بہت بڑا اثر پڑا۔  
 نورجہان نے جہانگیر کی وغیرہ بے شمار زیورات ایجاد و اختراع کئے۔ جن کی نقول  
 آج تک یورپ سے بن کر آتی اور ہمیں عدم معلومات کی بنا پر ایجاد یورپ کا دھوکا  
 دی جاتی ہیں +

تمام منصف مزاج ماہرین فن تعمیر اس امر پر متفق ہیں۔ کہ مغل عہد کی صنعت تعمیر  
 میں ہندی اور ایرانی طرز تعمیر کا میل ہے اور اس طرح یہاں کی مصنوعات خالص ایشیائی  
 ذہانت، ذکاوت اور خوش مذاقی کا آئینہ ہیں +

اگر ہم غور کریں تو اکبر کے عہد میں ایرانیوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ اور جہانگیر  
 ورشا، جہماں کے زمانہ میں وہ اس کثرت سے ہندوستان پہنچ جاتے ہیں کہ یہاں کے  
 بڑے بڑے شہروں کا محلہ محلہ خطہ ایران بن جاتا ہے۔ اور فن تعمیر بھی اسی رفتار کے  
 دوش بدوش متاثر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان اثرات کا ثبوت پکار پکار کر ہمیں وہ  
 عمارت دے رہی ہیں جو اکبر، جہانگیر اور شاہ جہماں کے عہد کی یادگار ہیں۔

عالم کا سلسلہ درہم و برہم ہو گیا۔ اور ماہرین فنون لطیفہ نے عجیب و غریب رائیں قائم کیں۔ جیسے کہ بعض مبصرین فن تعمیر کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان متوسط (اسلامی ہند) کی عمارات و دستکاری میں یورپین صنعت و دستکاری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اور اس طرح خالص ایشیائی تمدن کے اجزائے ترکیبی میں خواہ مخواہ یورپ کا عنصر شریک ہو گیا۔

حالانکہ بمقابلہ دوسرے مسلم فرمانروایان ہند کے مغلوں ہی نے ہندوستانی فنون لطیفہ کی ترقی میں جلیل القدر مساعی کیں۔ اور انہیں کے عہد میں تمدن ہند تمدن اسلام سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ کیونکہ انہیں کو زیادہ اطمینان کے ساتھ یہاں کی حکومت میسر آئی تھی۔ علاوہ ازیں خود وہ اور ان کے امراء و قدر دان و قدر شناس علم و فن تھے۔ ان کی دریا دلی اور قیاضی کا شہرہ سن کر ملک ملک کے علماء، شعراء اور اہل ہنر آتے تھے۔ اور اپنے کمالات کے باعث سونے میں تولے جاتے۔ اور حوصلہ سے زیادہ انعام و اکرام پاتے تھے۔ اس لئے ان کا دربار عربوں، ایرانیوں، ترکوں، مصریوں، ہندوستانیوں اور اقطاع و اطراف عالم کے باشندوں سے کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔ انہیں کے عہد میں اس مجمع کے درمیان اتفاق و اتحاد کے دیوتانے جو اکبر اعظم کی موہنی صورت میں (کہ حقیقی بانی دولت مغلیہ ہے) وجود پذیر ہوا تھا ایک عجیب و غریب ہونی کھیلی جس کی رنگین چھینٹوں سے ہر شعبہ زندگی کچھ نہ کچھ رنگے بغیر نہ رہا۔ یعنی اس یکجائی کی بدولت رفتہ رفتہ تمدن ہند کے ہر شعبہ میں تمدن اسلام کی کہ تمدن عالم کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک موزوں گلہ ستہ تھا۔ دلچسپ و نظر فریب گلکاریاں نظر آنے لگیں۔ ہم صرف چند امور کو مشتمل از نمونہ خریدارے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

موسیقی میں دھرت کی جگہ قول و قلبانہ کے بہت سے راگ اور مرادراگ کی

جواہرات کی صنعت و دستکاری کے منعات جواہرات کو مختلف شکلوں میں تراشنے کے ساتھ سب سے اہم جو امر ہے وہ یہ کہ ان کو شش پہلے، ہشت پہلے اور ایسی ہی مختلف شکلوں میں اس خوبصورتی سے کاٹا جائے کہ سطوح، زوایا اور خطوط مناسب ہندسی شکل اختیار کر لیں +

یعنی جن کی امم عاد و ثمود کا ذکر اور ارم ذات العباد کا اشارہ کلام مجید میں بھی ہے، ایک ایسی قوم گزری ہے جس نے تمام بڑی بڑی مشہور اقوام کی طرح دنیا میں اپنی عظیم الشان یادگاریں چھوڑیں۔ یہ قوم اپنے وطن مالوند سے اٹھ کر ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران والوں سے اپنی ترقی میں ہم آغوش ہوئی اور ان قوموں کے باہم رلبط ضبط سے دنیا میں عجیب و غریب صنعتیں پیدا ہوئیں۔ "الماس تراشی" جو یہودیوں کے لئے مخصوص ہو گئی تھی۔ فی الحقیقت انہیں اقوام کی یادگار ہے جن کے یہاں کان جوہر کثرت موجود تھیں۔ اور یہودیوں ہی نے منتشر ہو کر یورپ والوں کو یہ صنعت پہنچائی۔ مسلمان جن کو علمی، فنی و صنعتی میراث بیشتر شامیوں، کلدانیوں، یونانیوں، مصریوں اور ایرانیوں سے یا وسط ایشیا میں پہنچ کر خطا و ختن کے باشندوں سے پہنچی، جو اس مخصوص صنعت کی ترقی میں فائز المرام ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ایرانیوں وغیرہ کی نہایت عجیب و غریب صنعتوں کے نمونے ان کے پیش نگاہ تھے۔ جن میں ترقی کر کے انہوں نے نئی تراش خراش پیدا کی +

ہندوستانی "جوہر تراشی" اور "نگینہ سازی" میں پہلے ہی سے خاصہ مذاق رکھتے تھے اور جواہرات سے کھڑاؤں، چھڑی، ڈبیا اور اس قسم کی بہت سی دوسری نادر نایاب اور قابل تعریف اشیاء تیار کر لیا کرتے تھے +

ایرانی و ہندوستانی صناعتوں کے میل جول نے جس طرح فن تعمیر و خطاطی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اسی طرح فن جواہر تراشی و نگینہ سازی میں بھی ان کی

شاہجہانی عمارتوں، تاج محل، موتی مسجد (آگرہ)، قلعہ معلیٰ، جامع مسجد اور دیوان خاص  
 و عام و ششمین برج (دہلی) میں جس نفاست مذاق اور سلامت طبع کا دور دورہ ہے۔ وہ  
 اکبری عہد میں تو بالکل عنقا ہے جس کی مثال فتحپور سیکری اور قلعہ آگرہ کے وہ محلات  
 ہیں جو اکبر کے دور حکومت میں تیار ہوئے۔ اور جہانگیری عہد میں اس کی آمد آمد کا پتہ چلتا  
 ہے۔ جس کی تمثیل مسکندرہ، ایوان جہانگیری اور مقبرہ اعتماد الدولہ (آگرہ) ہے۔ اس راز  
 کو ایک تاریخ دان باسانی یوں منکشف کر سکتا ہے۔ کہ جہانگیری عہد سے خاندان اعتماد الدولہ  
 کا رشتہ اتحاد سلاطین مغلیہ سے شروع ہوا اور اس کی "نور افشانیوں" نے عہد شاہجہانی  
 میں یہاں تک امتیاز پایا اور ترقی کی کہ ایک ایک قریہ اس سے منور ہو گیا +

اعتماد الدولہ :- خواجہ غیاث وزیر شاہنشاہ جہانگیری کا خطاب ہے۔ یہ تاتاری  
 النسل اور شیعہ المذہب تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ایران سے نہایت عسرت و پریشانی کی حالت میں ہندستان  
 پہنچا۔ چونکہ ہالیوں کے سفر ایران کے زمانہ میں اس کے آباؤ اجداد نے خدمات شائستہ انجام دی تھیں  
 اور خود بھی قابل آدمی تھا۔ لہذا اکبر نے اس کو رفتہ رفتہ دیوان بیوات کے عہدے تک پہنچایا۔ عہد  
 جہانگیری میں یہ خود "اعتماد الدولہ" کے خطاب سے مخاطب ہو کر وزارت عظمیٰ کے عہدے پر پہنچا۔ اور  
 اس کے دونوں بیٹے آصف خان اور اعتقاد خان کے خطاب پا کر امراء شاہی میں داخل ہوئے  
 نور جہاں بیگم جو جہانگیری کی محبوبہ اور اس کے پردے میں فرمانروائے ہندوستان تھی۔ اسی کی بیٹی  
 تھی اور اس کی پوتی بنت آصف خان شاہجہان کی ملکہ تھی۔ جو ممتاز محل کے خطاب سے مخاطب ہوئی "تاج (آگرہ)  
 اسی بیگم کا مقبرہ ہے۔ آصف خان شاہجہان کے زمانہ میں "دیوان کل" تھا +

اعتماد الدولہ آگرہ سے بادشاہ کے ساتھ کشمیر جاتے ہوئے راستہ میں ۱۶۱۷ء میں فوت ہوا۔ اس کی نعش  
 آگرہ لائے۔ اور جہانگیر نے دفن کی گئی۔ نور جہاں پہلے باپ کی قبر پر چاندی کا مقبرہ بنوانے والی تھی۔ مگر  
 امراء کے سمجھانے بجھانے سے یازہری اور ایک عالی شان مقبرہ بنوایا جو "اعتماد الدولہ" کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق  
 جو مشورہ ہے کہ "تاج" کے بچے ہوئے مسالہ سے یہ غلط ہے کیونکہ وہ "تاج" سے پہلے بنا ہے +

اعتماد الدولہ مرزا غیاث انشا پردازی میں یدِ طبوی رکھتا تھا۔ لکھنے پڑھنے میں دقت گزار تھا۔ خوش محاورہ، رنگین  
 صحبت اور سگفتہ روتھا اسکے متعلق جہانگیر کہا کرتا تھا "اسکی صحبت ہزارہ مفرج یا قوتی سے بہتر ہے"۔ اتنا سلیم النفس تھا کہ  
 دشمن سے بھی عدوت نہ کرتا تھا شہزادی ہند ہزارہ سوار کا منصب رکھتا تھا علم و تقاریر سے سرفراز اور حضور میں تقاریر بیان کیے اعزاز  
 محض میں سے معزز تھا

کے معزز خطاب سے مخاطب کی جاتی ہے۔ یورپ کی سطح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ قریب قریب تمام ”ازمٹہ رباعیہ“ کی یادگار ہے۔ اور سوائے اس کے۔ کہ ہسپانیہ (اسپین) کی زمین تو ”مائی و آنتشی صحور“ سے مل کر بنی ہے۔ درنہ قریب قریب تمام یورپ کی بالائی سطوح پر ”آبی صحور“ پائی جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کوئلہ بکثرت ملتا ہے۔ اور چونکہ جواہرات قریب قریب سب ہی ”صحور تیشی“ کے تحت جگہ ہیں۔ اس لئے یہ امر آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ جب اہل مغرب کے یہاں کان جو اہر ہی نہیں تو انہیں اس زمانہ ماضی بعید میں کان کنی، جواہر تراشی، یا جواہرات کے تعبیبہ و پیوند کی سلیم المذاقی میں دستگاہ کس طرح حاصل ہو جاتی؟ یہ اتنا متم بالاشنان مسئلہ ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے مصنفین یورپ اور ان کے عقیدت مندوں کی وہ تمام توجیہات پاور ہوا نظر آتی ہیں، جو انہوں نے خالص ایشیائی مصنوعات ہند کی ساخت میں اہل یورپ کی شرکت ثابت کرنے کے لئے وضع کر رکھی ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو یہ خطور ہو کہ شاہجہان نے کوہ نور کو تراشنے کے لئے تو ہارٹینلو بارگس کو دیا تھا، جو امسٹرڈم کا باشندہ تھا۔ اس لئے یہ جواب قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات کی تشفی کے لئے میں ایک تاریخی حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔

بنی اسرائیل یعنی قوم یہود نے دنیا اور دنیا کی ان تمام قوموں پر جو ان کے قبضہ قدرت میں تھیں۔ اتنا درجہ کے ظلم توڑے اور اس لئے قہر ربانی ”ان پر نازل ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دنیا میں ”من حیث القوم“ یک جا ہو کر نہ رہ سکی۔ بلکہ منتشر ہو گئی۔ اور اس کے افراد جہاں جہاں گئے اپنی صنعت اپنے ساتھ لے گئے، چنانچہ کچھ والدہ (الینڈ) بھی پہنچے۔ قوم وکنڈیز نہایت آزاد خیال تھی۔ اس نے ان کو اپنے یہاں جگہ دی اور انہوں نے اپنی صنعت کو ہمیشہ قائم رکھا۔ یہ وہی یہودی النسل ولندیز ہیں جن کے یہاں سارے

ہنر شناسیوں اور ترکیبوں کے رنگا رنگ جوہر نمایاں ہوئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں خاص طریقے سے ہمیں مختلف نگینوں کے وصل و پیوند کی وہ زر نگار کیفیت نظر آتی ہے۔ جو اس سے قبل قریب قریب معدوم تھی۔ ”تاج“ جس کو بالکل صحیح و بجا طور پر بعض مصنفین یورپ نے ”سنگ مرمر کا خواب نوشیں“ قرار دیا ہے جس کی چکاری کی عجیب و غریب صنعتوں سے مملو ہے یا تخت طاؤس جس جوہر تراشی، نگینہ سازی اور ترصیع کا زندہ معجزہ تھا۔ اس کی مثالیں دنیا میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ اور یہ فی الحقیقت ایرانی استادوں کی استادی کا تصدق اور ہندوستانی کاریگروں کی عالی دماغی کا طفیل ہے۔

تاریخی مذاق رکھنے والے حضرات شاید یہ خیال کریں کہ مغلوں کا دربار جو ایشیائی ماہرین علم و فن کا مرکز تھا، انا پان فرنگ سے بھی خالی نہ تھا۔ پس ایسی صورت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان کے کمالات کا اثر ہندوستانی صنعت پر نہ پڑا ہو۔ ان کے جواب میں سب سے پہلے تو میں فن تعمیر کے ایک یورپین ماہر مسٹر ہیول کا قول نقل کروں گا وہ فرماتے ہیں

”مسلمانوں کے عہد حکومت میں جو عمارتیں بنیں وہ“

”ہندو کاریگروں اور دستکاروں نے بنائی ہیں“

”اور ان میں صنعت یورپ کا اثر نہیں دکھائی دیتا“

اور اس کے بعد ایک اصولی اور سائنٹفک ”جواب دوں گا۔ جو یہ ہے کہ جب ہم طبقات ارض پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ”صخور“ کی دو قسمیں نظر آتی ہیں۔

(۲) صخور آتشیں

(۱) صخور آبی

آبی صخور اکثر اوقات بالائی سطوح کے داب کی وجہ سے مصفاؤ و محلی ہو کر ”آتشیں صخور“ کے مثل منقلب ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح ایک تیسری قسم اور ظہور پذیر ہوتی ہے جو ”جواہر لٹ“

تخت طاؤس نام سے لے کر کام تک "خالص ایٹھائی" فن تعمیر، جو اہر تراشی- زیور سازی اور خطاطی کا مرقع، اسلامی تمدن و تمدن ہند کی ترکیب، جو اہر اور نگینوں کے تعبیر، پیوند اور ترصیح، ہندو مسلم اتحاد، مغل فرمانروایان ہند کی رواداری اور ہندوستانی اقوام کے ساتھ ان کی یگانگت کا آئینہ اور زمانہ متوسط ہند (اسلامی ہندوستان) کے فنون لطیفہ کی ترقی، سلاطین مغلیہ خصوصاً شاہجہان کے عہد کی سلیم المذاتی، دستکاری اور اپنے ہم قوموں، ہم مذہبوں اور قدیمی ہم وطنوں کی صنعت و حرفت کی تربیت کے قدم بقدم ہندوستانی صنعت و دستکاری کی سرپرستی کا جام جہاں تا ہی نہیں۔ بلکہ پائنداری کے دوش بدوش نزاکت، باریکی اور موٹنگانی میں شہرہ آفاق تاج سے بھی کہیں بالا برتر تھا۔ اور جو رتبہ آج تاج کو حاصل ہے کہ دور دست ممالک سے لوگ اس کی زیارت کے لئے طرح طرح کی صعوبات سفر برداشت کر کے آگرہ آتے اور اس کی سیر کو اپنے لئے باعث اعزاز و افتخار جانتے ہیں، کبھی تخت طاؤس کو بھی حاصل تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر ہمارے مقصد کی تکمیل کے لئے وہ سجد موزوں ہے +

اس تخت کے حالات کو کیجا کر دینے سے امور مصرعہ بالا کے علاوہ آئین دربار مغلیہ اور اپنے ملک کے بادہ غفلت سے سرشار اس نوجوان طبقہ کے سامنے ایک مرقع عبرت بھی پیش کر دینا میرا مطمح نظر تھا۔ جو ایک خاص وضع کی تاریخوں کے مطالعہ سے اپنی بصیرت کو کھولے ہر امر میں خود کو محتاج و تلمیذ یورپ سمجھتے ہوئے پائے ہمت کو توڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھا ہے۔ وقائت کی کرسیاں اس کی معراج نظر ہیں اور تعلیم سے اس کی غرض و عانت خود کو دفتری مشین کا ایک چلتا ہوا پرزہ بنانا۔ وہ صنعت و دستکاری کی فارغ البال، مطہن، باعزت اور آزاد زندگی کی مسرتوں کو ملازمت کی عسرت آمیز پابندیوں پر قربان کر دینا عین عقلمندی اور داخل وضع داری جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حالات جو اس کے بزرگوں کے شاندار کارنامہ حیات

یورپ کے جواہرات اور الماس، تراش خراش کی غرض سے پہنچتے تھے۔ انہیں میں سے کچھ لوگ ثنا بھمان کے دربار تک پہنچے تھے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں اقوام یورپ میں ولندیزی بھی بسلسلہ تجارت ہندوستان میں موجود تھے۔ اور آج بھی یہ صنعت ہالینڈ ہی تک محدود ہے۔ اور گو اور اقوام بھی اس میں ساعی ہیں۔ مگر اب تک ان کو وہ درجہ حاصل نہ ہوا۔ اس طرح میرا مذکورہ بالا بیان قطعی صحیح ہے +

ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ دور حکومت مغلیہ کے ہندوستانی فنون لطیفہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے فی الجملہ فن تعمیرات، زیور سازی اور جوہر تراشی کی ترقی، ان میں ”تمدن اسلام“ کے آثار پر تبصرہ اور غلط فہمی پھیلنے والی روایات کی تنقید و تصحیح کر دی جائے۔ تاکہ تباہان تمدن و تہذیب شاہراہ تحقیق و تفتیش میں گمراہ نہ ہوں +

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے میں نے تخت طاؤس اور اس سے ایک خاص تعلق رکھنے والے کوہ نور ہیرے کو انتخاب کیا۔ کیونکہ تاج کے منظر عام پر واقع اور اس تک ہر کہ و مہ کی رسائی ہونے کے باعث اس پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی جا چکی ہے اور بہت سے منصف مزاج یورپین اور ملکی اہل قلم حضرات دووہ کا دووہ اور پانی کا پانی کر کے دکھا چکے ہیں۔ لیکن تخت طاؤس کوہ نور چونکہ عموماً خزانوں کے گوشوں میں مکتوم رہے۔ یاد رہا میں عام نظروں سے مستتر، اس لئے ان کی طرف خاص طور پر کسی نے توجہ نہیں کی اور خصوصاً تخت طاؤس کی جانب جو انقلاب زمانہ اور حادثہ روزگار کا شکار ہو کر تبدیل ہیئت بھی کر چکا۔ اور اس کے رقیب شہرت، لوگوں کو عجیب و غریب مغالطے دے رہے ہیں اور اسی وجہ سے اب تک اس کے حالات پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے اور جو کچھ منتشر حالات میسر آتے ہیں۔ وہ ہماری بیان کردہ یورپین مصنفین کی عادت مخصوص کا منظر اتم ہیں +

۱۹۲۲ء میں میں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو کر گورنمنٹ ہائی اسکول

باندہ میں تعینات ہوا +

باندہ ایک عجب بد مذاق مقام تھا۔ کہ وہاں نہ تو کوئی شخصی کتب خانہ ہے۔ اور نہ پبلک

لائبریری۔ اس لئے قریب قریب دو سال تک میں وہاں سوائے موجودہ یا دو اشتوں پر غور و فکر کرنے کے اور کچھ نہ کر سکا +

مئی ۱۹۲۲ء میں میرا تبادلہ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج۔ جھانسی کو ہوا۔ اور گو یہ مقام

بھی آثار علمیہ کی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ مگر پھر بھی یہاں کی بلدیہ کی

قائم کردہ پبلک لائبریری اور گورنمنٹ کالج کا کتب خانہ اپنے اراکین کی خوش مذاقی

کے باعث ایک نشہ تحقیق کی بہت کچھ پیاس بجھا سکتا ہے۔ اور ریلوے کا عظیم الشان

مقام اتصال (جنکشن) ہونے اور مختلف سمتوں میں متعدد ٹرینوں کے آنے جانے

کی وجہ سے یہاں ایک بہت بڑی سہولت یہ ہے کہ ایک نلٹا شکار بہت سے ان

مقامات تک جہاں متعدد کتب خانے اور عجائب خانے موجود ہیں، بہت نھوڑا

وقت صرف کر کے آمد و رفت جاری رکھ سکتا اور وہاں کے تاریخی آثار و ذخائر سے

استفادہ کر سکتا ہے +

جھانسی پہونچ کر میرا جنون دیرینہ رنگ لایا اور میں نے گوالیار، آگرہ، دہلی،

جے پور، ساونچی، بھوپال، کانپور اور لکھنؤ کی خاک چھاننا اور وہاں کی لائبریریوں

کی کتابیں ٹولنا اور عجائب خانوں میں رکھی ہوئی اشیاء و تصاویر وغیرہ پر غور و فکر کرنا

شروع کر دیا +

قصہ مختصر کہہ لو کہ حالات کو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کر کے میں نے

سرشتیہ تعلیمات ممالک متحدہ کے علمی و ادبی مجلہ "ایجوکیشنل گزٹ" لکھنؤ کے جنوری

فروری نمبر بابہ ۱۹۲۵ء میں شائع کر دیا۔ مگر تخت طاؤس کی داستان تھی کہ پیچیدہ ہی

کا مجموعہ ہیں اس کے لئے درس عبرت ثابت ہوں۔ اور وہ ماٹل بہ صنعت و حرقت ہو کر عالم صنعت میں "بھارت ورث" کا ایک بار پھر پول بالا کر دے۔ کیونکہ دنیا کے بہت سے لوگوں نے "ہمارے بزرگ اور ان کے کارنامے کیا تھے؟ ہم اور ہمارے کرتوت کیا ہیں؟" کا مقابلہ کر کے دنیا میں بڑے بڑے موقر کام کئے۔ اور حیات جاوید کا لطف اٹھایا ہے۔

ہرگز نہ میر و آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثابت است بر جس ریدہ عالم دواما (مادۃ شیریازی)

میں نے کتاب ہذا کی تیاری کے متعلق ضروری یادداشتیں تو راجپور ہی میں قلمبند کرنا شروع کر دی تھیں۔ مگر بہت کچھ سرمایہ "شعبیہ محمدیہ ہائی اسکول" آگرہ کی ملازمت کے دوران (۱۹۱۸ء لغایت ۱۹۲۲ء) میں جمع کیا۔ اور اس معاملہ میں "شعبیہ اسکول" کی مربی "انجن محمدیہ" کے اسلامی عجائب خانہ اور کتب خانہ محمدیہ نے میری زبردست معاونت کی۔ یہ کتب خانہ انجن مذکور کے سکریٹری مولوی سعید احمد مارہروی (صاحب امرائے ہنود) کی خوش مذاقی اور تاریخی دلچسپی کی وجہ سے بیش بہا، نادر اور نایاب تاریخی ذخیرے پر مشتمل ہے۔

جون ۱۹۲۱ء میں جبکہ میں بڑی سرگرمی کے ساتھ تخت طاؤس اور کوہ نور کے حالات جمع کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے "شعبیہ اسکول" کی جانب سے ایک وفد میں شامل ہو کر حیدرآباد (دکن) کا سفر کرنا پڑا۔ اس سلسلہ سفر میں میں نے حیدرآباد، گولکنڈہ، جالندہ، اورنگ آباد، قلد آباد، دولت آباد (دیوگری)، ایلورا اور بمبئی وغیرہ کی سیاحت کے علاوہ ان مقامات پر جہاں جہاں آثار قدیمہ، عجائب خانے اور کتب خانے تھے۔ ان کی بھی سیر کی۔ یہ سفر میرے پیش نظر مضمون کی تکمیل کے لئے آئیہ رحمت تھا۔ جس کے دوران میری معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔

ان پر ایک نظر میں رائے قائم کر لینا اور قیام رائے کے وجوہات کو تلاش کر لینا یا واقعات کے علل و اسباب معلوم کر لینا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس لئے میں نے بیشمار جدید و قدیم تاریخی کتابیں، تذکرے، رسائل، اخبارات اور یادداشتوں کو لفظ لفظ کر کے پڑھا ہے۔ ہر واقعہ کو مختلف مورخین قدیم و جدید کے یہاں دیکھ کر اور مختلف ذمہ داروں کے متعلق ایک معیار مقرر کر کے قائلین کے بیانات کو پرکھا ہے۔ اور پھر ذاتی قیاس و اجتہاد کے مطابق جس کو شواہد تاریخی سے سرحد یقین تک پہنچا دیا ہے حوالہ قلم کیا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں جا بجا مشرقی و مغربی مورخین کے تاریخی اشتباہات و اغلاط کی تصحیح اور مغربی مورخین کے سرتاپا غلط بیانات کی تحقیق و تنقید بھی کی ہے اور بہر امر کی چھان بین کرنے میں حتیٰ الوسع کمی و کوتاہی کو دخل نہیں دیا ہے۔ تب کہیں اس جامعیت کے ساتھ اس نخت کے حالات پیش کرنے میں (بجیال خود) کامیاب ہوا ہوں۔

یوں لائے، واں سے ہم صد دل صد پارہ ڈھونڈ کر

دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا، اٹھا لیا (دلا علم)

گو دوران تنقید میں نے خود کو غیر جانب دار رکھا ہے۔ مگر نہیں عرض کر سکتا کہ

اس امر میں کہاں تک کامیاب ہوا؟

تنقید اور جمع واقعات کے ذیل میں میں نے عموماً امراء و باریوں اور اس زمانہ کے مورخین کے بیانات کو مغربی مورخین اور سیاہوں کے بیانات پر ترجیح دی ہے اور جس امر میں وہ خاموش ہیں اور اس کا کسی مذہبی و سیاسی مسئلہ سے تعلق بھی نہیں ہے، قوم پرستی و جنبہ داری کا شک بھی نہیں ہوتا ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ اس کو مغربی مورخین کے یہاں سے لے لیا اور موثق و معتبر تصور کر لیا ہے اور چونکہ اس تاریخ کو مغل سیاسیات و ہندوستانی مذہبیات سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ اس لئے

ہوتی چلی جاتی تھی۔ بالاخر پرنسپل صاحب کالج کی فرمائش پر آل انڈیا اور نیشنل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں سنانے کے لئے جو نومبر ۱۹۲۸ء میں بمقام لاہور منعقد ہونے والا تھا۔ میں نے اس کے حالات کو ایک بسیط مضمون کی شکل میں جولائی ۱۹۲۸ء میں مرتب کر ہی دیا۔ جس کو کانفرنس میں پڑھنے کے لئے ازراہ فدروائی و حوصلہ افزائی عالی جناب ڈاکٹر صاحب بہادر سرٹنہ تعلیمات یو۔ پی نے مجھے رخصت مخصوص عطا فرمائی مگر ”تذبیہ کند بندہ و تقدیر زند خندہ“ نوار نچ اجلاس سے چند ہی روز پیشتر وقت میں علیل ہو گیا۔ اور شرکت نہ کر سکا اور اب باضافہ حواشی مجموعی طور پر کم و بیش سات سال تک تاریخوں کی ورق گردانی اور عجائب خانوں کی خاک چھاننے کے بعد بدالنت خود آج اس تخت کے مکمل حالات کتابی شکل میں اردو دان پبلک کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ کتاب گویا باب در باب نہیں اور اس کے مضامین مختلف عنوانات کے تحت

میں ہیں۔ مگر پھر بھی وہ سات بسیط حصص میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

(۱) مختصر سوانح شاہجہان، اس کا مذاق، تخت طاؤس بنوانے میں اس کا نقطہ نظر۔

(۲) ساخت اور مہتمم ساخت ”تخت طاؤس“

(۳) بیہیت، بیان اجزاء و تنقید تصاویر ”تخت طاؤس“

(۴) تخمینہ مصارف

(۵) یہ تخت کب کب کہاں کہاں اور کس کس کے قبضہ میں رہا؟

(۶) موجودہ حالت ”تخت طاؤس“

(۷) ”تخت طاؤس“ کے رقیب شہرت

مجھے اس تخت کے حالات قلمبند کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو کچھ

میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ چونکہ ہماری قدیم تاریخیں عموماً واقعات کی فہرستیں ہیں اور ان میں بے شمار تاریخی اشیاء و اشخاص کے حالات اس طرح پھیلے پڑے ہیں کہ

ارسال کئے۔ مولوی احسان اللہ خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی اور بابو جودھیا پٹنہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ مولوی ریاض علی صاحب فاضل اور مولوی فتحاحسن صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ بی (اسٹنٹ ماسٹران گورنمنٹ انسٹرکٹنگ جھانسی) کا جنہوں نے کتابیں دیکھ کر بہت سا مواد بہم پہنچایا۔ اور مرزا علی احمد صاحب و مولوی ابوالبقا صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی (اسٹنٹ ماسٹران گورنمنٹ کالج جھانسی) کا جنہوں نے ترتیب مضامین کے متعلق مجھے بہت موزوں مشورے عنایت فرمائے۔ یہ صاحبان میرے دلی شکر یہ کے مستحق ہیں۔ بڑی ہی ناشکری ہوگی۔ اگر اس سلسلہ میں میں اپنے عزیز ترین دوست بابو سعید زبیر صاحب شریہ اکبر آبادی (کلرک ریلوے سٹور جھانسی) بابو رفیق احمد صاحب چیف کلرک اور منشی حسین الدین کلرک محکمہ ریلوے جھانسی کا شکر یہ ادا نہ کروں کیونکہ وہ فریضے بعض اہم کتابیں بہم پہنچائی تھیں + اس شکر گزاری کے دوش بدوش مجھے اس شکوہ نگاری پر افسوس ہے۔ کہ بعض حضرات سے میں نے استفسارات کئے۔ اور انہوں نے میرے سوالات پر روشنی ڈالنا تو درکنار رسید خط سے بھی شاد نہ کیا۔ خیر

سفینہ جبکہ کنارہ پر آ لگا غالب

خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کئے (غالب)

دیکھے ہمارا ملک کب تک ان مذہب ممالک کا ہم پایہ بنتا ہے۔ جن کے کسی اہل علم و فن سے اگر کوئی سوال کر دیا جائے۔ تو وہ اس کے مافیہ و ما علیہ پر اتنی روشنی ڈال دیتے ہیں۔ کہ سائل کو پھر ضرورت سوال رہنا تو ایک طرف اس کی معلومات میں بیش قرار اضافہ اور ہو جاتا ہے +

اس کے بعد میں طریقہ پارینہ کے خلاف کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے یہ عرض کروں گا۔ کہ وہ اس میں جو سقم اور خرابیاں پائیں ان کی کھلی ہوئی تنقید

قریب قریب ایسا ہوا ہی نہیں۔ الا بعض بعض ان مقامات پر جہاں مغربی مصنفین نے  
 تعصب قومی سے ایشیائیوں کی صنعت پر پانی پھیرا ہے۔ ایسے مواقع پر بھی ان کے  
 بیانات کی تردید حتی الامکان انہیں کی فلموں یا واقعات تاریخی کی بنا پر کی گئی ہے +  
 پائیں صفحہ حوالہ جات دے دئے گئے ہیں۔ اور شروع میں ان تمام کتابوں کے نام  
 مع اسمائے مصنفین و توضیح زبان لکھ دئے گئے ہیں۔ جن سے یہ کتاب ماخوذ ہے +  
 متن کی طرح اس کتاب کے حواشی بھی میرے حقیقی نقطہ نظر تصحیح و تنقید روایات  
 مصنفین یورپ کے مظهر ہیں، جن کی کثرت اور متن سے زیادتی بعض نازک مزاج  
 حضرات کو غالباً گراں گزرے گی۔ مگر میں نے فہرست مضامین کے بعد فہرست حواشی  
 حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے گویا کتاب ہذا سے جداگانہ ایک چھوٹی سی  
 کتاب المعارف (بک آف نالج) اس کتاب میں اور شامل کر دی ہے۔ جو قسم  
 در قسم فوائد تاریخی پر مشتمل ہے۔ اور ایک ایسی زبان کے لئے جو "انسائیکلو پیڈیا" سے  
 عاری ہو۔ سو مند ثابت ہوگی۔ شاید میری یہ سہی ناچیز اس شکایت کو رفع کر سکے +  
 اب مجھے ان احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جنہوں نے اس  
 کتاب کی تالیف و تدوین میں میری امداد فرمائی۔ خصوصاً مولوی سید منظور علی صاحب  
 ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی (ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول گونڈا) مولوی سعید احمد صاحب  
 مارہروی (سکرٹری انجمن محمدیہ آگرہ) مولوی میر محمدی حسین صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی  
 (ہیڈ ماسٹر اور) مولوی بشارت حسین خان صاحب آفریدی و مولوی عبدالرشید خان صاحب  
 بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (اسسٹنٹ ماسٹر ان شعیب ہائی اسکول آگرہ) سید ماجد علی صاحب  
 دریاری سی۔ ٹی (اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول علیگڑھ) شیخ اطہر حسین  
 صاحب قریشی، مشیر احمد صاحب علوی ڈائٹارالٹی صاحب، کلیم الدین احمد صاحب علوی  
 (معلمین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کا جنہوں نے ضروری مضامین کی نقلیں اور تراجم

# فہرست حوالہ جات "تاریخ تخت طاؤس"

کثیفیت	اسمائے مصنفین و مولفین	زبان	(الف) شمار اسمائے کتب
	شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی	اردو	۱ آجیات
	سر سید احمد خان کے بی۔ ایس۔ آئی ایل۔ ایل۔ ڈی	"	۲ آثار الضاویہ
	واحد یار خان اکبر آبادی۔ بی۔ اے مدیر روزنامہ "نئی روشنی"۔ الہ آباد	"	۳ ارض تاج
	منشی سعید احمد مارہروی۔ نیچر شعبہ ہنی اسکول آگرہ	"	۴ امرائے ہنود
	شائع کردہ بائیس سوسائٹی اور ریجسٹرڈ بک سوسائٹی	"	۵ اناجیل
	مرتبہ محمد رحمت اللہ زہد کا پتور	"	۶ بڑی جنتری بابۃ ۱۸۹۴ء
یہ تاریخ تیرہ جلدوں میں ہے اور ہر ایک کا نام علیحدہ علیحدہ ہے	شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء لہد دہلوی	"	۷ تاریخ ہند

کریں تاکہ میں اپنی کوتاہیوں سے مطلع ہو جاؤں۔ اور تاثرین دوسرے ایڈیشن کے انتظار  
کی تکلیف اٹھائے بغیر استفادہ کر سکیں +

محمد عبداللطیف خان کشتہ قادری فیضی منٹ  
(آنرزاں پرشین، پی۔ ایل۔ ای (ایڈوانسڈ ان آرڈر))

گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی (یو۔ پی۔ ۲)  
۱۰۔ مارچ ۱۹۲۹ء

تبر شمار	اسماء کتب	زبان	اسماء مصنفین و مؤلفین	کیفیت
۱۷	دربار اکبری	اردو	مولانا آزاد دہلوی	
۱۸	سوانح اورنگزیب	"	مترجمہ لطیف احمد بی۔ اے	اصل کتاب "لین پول" کی تصنیف ہے۔
۱۹	سیر المصنفین	"	ایل۔ ایل۔ بی۔ محمد کئی تنہا بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔	
۲۰	شعر العجم	"	علامہ شبلی نعمانی	
۲۱	شعر الہند	"	مولانا عبدالسلام ندوی	
۲۲	عالمگیر اورنگزیب	"	علامہ شبلی نعمانی	
۲۳	پرایک نظر	"	مولانا آزاد دہلوی	
۲۴	قصص ہند	"	نظامی بدایونی	
۲۵	قاموس المشاہیر	"	محمد عنایت الدینی۔ اے	
۲۶	مختصر تاریخ ہند	"	خلیفہ محمد حسین صاحب	سفر نامہ بر بنیر کار اردو ترجمہ
۲۷	وقائع سیاحت بر بنیر	"		

## رسائل اور اخبارات اردو

۲۵	"ایچ کیشنل گزٹ" لکھنؤ۔	بابت جنوری۔ فروری ۱۹۲۵ء		
۲۶	"پیمانہ"	آگرہ	ستمبر ۱۹۲۵ء	
۲۷	"حسن"	حیدرآباد	نومبر ۱۸۹۱ء (ازمنون حقیقتہ اللاس) مولانا تنہائی	
۲۸	"صح صاوق"	جھانسی	نومبر۔ دسمبر ۱۹۲۶ء	
۲۹	"فانوس"	جھانسی	جنوری ۱۹۲۶ء	

نمبر شمار اسمائے کتب	زبان	اسمائے مصنفین و مولفین	کیفیت
۸	تاریخ ہند	ڈاکٹر ایشری پرشاد ایم۔ اے	کتاب ہدایں اس کتاب کی جلد ششم کا نامہ جمانگیری اور جلد ہفتم "ظفر نامہ" شاہجہان سے زیادہ کام لیا گیا ہے +
۹	" "	رکن شعبہ تاریخ الہ آباد یونیورسٹی ای ماسٹرن بی۔ اے سابق انسپکٹر مدارس	
الف	تاریخ آگرہ	منشی سیتل چند	
۱۰	تاریخ اسلام	مولوی احسان الدین عباسی	
۱۱	جمانگیر اور اسکی توڑک	علامہ شبلی نعمانی	
۱۲	جان آرا	مولوی محبوب الرحمن کلیم بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی	
۱۳	حیات صباح	منشی سعید احمد مارہروی	
۱۴	حیات نورجہاں	"	
۱۵	خیابان فارس جلد (۱)	مترجمہ ظفر علی خان بی۔ اے مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور	لارڈ کرزن کی کتاب پر شیاہدی پرشین کوشچین کا نامکمل ترجمہ ہے +

نمبر شمار	اسما کے مکتب	زبان	اسما کے مصنفین و مؤلفین	کیفیت
۴۲ الف	سیر المناخرین	فارسی	علامہ طیا طبائی	اس کو حاشی میں کہیں کہیں "سیر" لکھا گیا ہے
۴۳ ب	شاہجہاں نامہ	"	عنایت خان	
۴۴	طبقات اکبری	"	نظام الدین بخشی	
۴۵	عالمگیر نامہ	"	مرزا محمد کاظم	
۴۶	کلمات طیبات	"	مجموعہ خطوط اور رنگ زیب	
۴۷	منتخب التواریح	"	ملا عبد القادر بدایونی	
۴۸ الف	آثار الامراء	"	میر عبدالرزاق شاہنواز خان خانی	حاشی میں کہیں کہیں اس کو "دماثر" لکھا گیا ہے
ب ۴۸	منتخب اللیاب	"	محمد ہاشم المعروف بہ خافی خان	
<b>لغات اردو، عربی اور فارسی جن سے کتاب ہدایں اردو لکھی</b>				
۴۹	برہان قاطع			
۵۰	غیاث اللغات		ملا غیاث رامپوری	
۵۱	نقائس اللغات			
۵۲	المنجد	عربی	باب یسوعی - بیروت	
۵۳	بہار عجم	فارسی	ٹیک چند بہار	

لاہور عید نمبر بابت ۱۹۲۲ء	"نیرنگ خیال"	۳۰
حیدرآباد .. ستمبر ۱۸۹۰ء (از مضمون "ناور شاہ"	"حسن"	۳۱
اور اس کی تعجب انگیز کامیابی سید آغا حیدر		
(ب) اخبارات :-		
بدایون = ۱۹ - مارچ ۱۹۲۶ء	"العدل"	۳۲
آگرہ ۴ - نومبر ۱۹۲۸ء	"آگرہ اخبار"	۳۳
جھانسی ۲۳ - اکتوبر ۱۹۲۴ء	"ترجمان"	۳۴
لکھنؤ ۱۲ - ستمبر ۱۹۲۵ء	"ہمدم"	۳۵

کیفیت	اسمائے مصنفین و مولفین	زبان	اسمائے کتب	(ب)
	علامہ ابوالفضل	فارسی	آئین اکبری	۳۶
	معتد خان، ملا عبد الحمید لاہوری	"	اقبال نامہ بادشاہنامہ	۳۷
	جہانگیر - شائع کردہ سر سید مروج	"	توزک جہانگیری	۳۸
	ملک الشعرا سرخوش	"	تذکرہ سرخوش	۳۹
	میر عسکری الخطاب بہ عاقل خان	"	تاریخ عالمگیری المعروف	۴۰
			تاریخ عاقل خان	
	ابوالقاسم فرشتہ	"	تاریخ فرشتہ	۴۱
	جہانگیر	"	جہانگیر نامہ	۴۲
	علامہ آزاد بلگرامی	"	خزانہ عامرہ	۴۳
	میرزا نصر اللہ فدائی الخطاب بہ دولت باجگاہ	"	داستان ترکستان ہند	۴۴

نمبر شمار	اسما کے کتب	زبان	اسما کے مصنفین و مولفین	کیفیت
۶۸	ہسٹری آف انڈیا	انگریزی	مسٹر ونسٹ اسمتھ	
۶۹	"	"	سکرنل و ڈ	
۷۰	"	"	ٹامس رو	
۷۱	ہسٹری آف جہانگیر	"	بالوبینی پرشاد ایم۔ اے	
۷۲	ہسٹری آف انڈیا	"	مسٹر الفسٹن	
<b>انگریزی اور سنسکرت لغات</b>				
۷۳	اورنٹیل بیا گرافیکل ڈکشنری	انگریزی	ٹی۔ ڈبلیو۔ بیل	
۷۴	انسائیکلو پیڈک ڈکشنری	انگریزی		مطبوعہ کیسل کپنی
۷۵	ٹوائٹی ایتھ سینچری ویسٹر ڈکشنری	"		
۷۶	ڈکشنری فریز اینڈ فیبل	"		
۷۷	رائل ڈکشنری	"		
۷۸	سنسکرت انگلش اسٹینڈرڈ ڈکشنری	انگریزی اور سنسکرت		

نمبر شمار	اسماء کتب	زبان	اسماء مصنفین و مولفین	کیفیت
۵۴	ادونگ زیب	انگریزی	ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار	
۵۵	ہسٹری آف انڈیا	"	سٹریٹج - ایم۔ ایلپیٹ اور پروفیسر جان ڈاؤسن	یہ کتاب ایلپیٹ ڈاؤسن بھی کہلاتی ہے۔
۵۶	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا	"		
۵۷	بک آف نانچ	"		
۵۸	پرتیشیا اینڈ دی پرنسین کوئین	"	لارڈ کرزن	
۵۹	چیمبرس انسائیکلو پیڈیا	"		
۶۰	سفر نامہ ڈاکٹر برنیر	"	مترجمہ مسٹر ارونگ برک	
۶۱	" "	"	مترجمہ مسٹر کانٹیل	
۶۲	گریٹ مغل	"	ڈاکٹر سرکار	
۶۳	لیٹر مغل	"	مسٹر ولیم ارون	
۶۴	لون انگریزیشن آف اینٹی کویٹیشن کارونیشن در بار ۱۹۱۱ء	"		
۶۵	ڈیول انڈیا	"	مسٹر لین پول	
۶۶	" "	"	ڈاکٹر ایبوری پرنٹاد	
۶۷	منوچی اسٹوریا ڈوموگور	"	منوچی	

# تخت طاؤس

## ہندوستان کی دلکشی

سرزمین ہند اپنی سرسبزی، اشادابی، ازرخیزی اور گوناگوں دلفریبیوں کی وجہ سے ہمیشہ دیگر اقوام عالم کی جاذب نظر اور اس کی تسخیران کا نصب العین رہی ہے۔ اور یہ اس کی دلفریبی ہی تھی کہ اسے اکثر ایشیا اور یورپ کے بادشاہوں کا جولا نگاہ بنائے رہی اور جو یہاں آیا یہیں کا ہو رہا۔ لیکن چونکہ قدرت نے طیارے اور مذاق جداگانہ بنائے ہیں۔ اس لئے ان آئے دن آنے والے فتح مندوں اور اولوالعزم بادشاہوں کی الگ الگ یادگار ایک جداگانہ حیثیت سے ہندوستان میں جلوہ لگن ہے۔ جس سے سارا ہندوستان ملبو ہے \*

## سلاطین مغلیہ

چونکہ ہم شانان مغلیہ کی ایک مٹی ہوئی یاد کو تازہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے اور دوسرے فاتحین و سلاطین سے قطع نظر کر کے ہمارا بیان صرف اسی خاندان کے بعض فرمانرواؤں کی بابت ہوگا۔ جن کی سطوت کا دور دورہ ہمارے موجودہ حکمران فاتحین سے پہلے صد ہا برس تک ہندوستان میں رہ چکا ہے۔ گو زمانہ نے اپنی عادت

کیفیت	اسماء مصنفین و مؤلفین	زبان	اسماء کتب	نمبر شمار
<b>انگریزی اخبارات و رسائل</b>				
		انگریزی	دی اسٹریٹ ویکی آف انڈیا ۱۵- ستمبر ۱۹۲۹ء	۷۹
		"	انڈین نیشنل ہیئرلڈ	۸۰
		"	فیلڈ	۸۱

عالم کچھ سے کچھ ہو گیا۔ مگر ان کی تہذیب و تمدن کا اثر آج تک سارے ہندوستان پر چھایا ہوا ہے۔ ان میں سے چند اولوالعزم بادشاہوں کی تاریخ کالب لباب چند فقروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ بابر نے تو سلطنت ہند کی داغ بیل ڈالی، ہمایوں نے بنیاد رکھ دی اور ساز و سامان جمع کیا۔ اکبر نے اس پر عظیم الشان قصر حکومت تعمیر کیا، جہانگیر نے اس کی زیب و زینت میں عمر گزاری، شاہجہان نے اطمینان سے بیٹھ کر چین کئے، لطف اٹھائے، شہرت عام اور بقاے دوام کے پھریرے اڑائے، اور اورنگ زیب عالمگیر نے ہر کئی کو پورا کر دیا +

فی الحال ہم ان میں سے صرف شاہجہان کے متعلق جو دو دمان تیموریہ کا پانچواں فرمانروائے ہند تھا مختصراً کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں +

## شاہجہان

شاہجہان جس کا نام انتظام و انصرام، حکمرانی و فرمانروائی، رعایا پروری و عدل گستری، تربیت علم و فن، بے تعصبی و صلح جوئی اور جاہ و مرتبت غرض ہر حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ شہری حروف میں لکھا جاتا ہے۔ وہ ایک اقبال مند، انیس مزاج، جدت پسند، جدت طراز اور طبیعت دار بادشاہ تھا۔ وہ تزک و احتشام کے ساتھ زندگی بسر کرنے، عمارتیں بنوانے اور باغات لگانے کا بچہ شائق تھا۔ تاج محل (اگرہ) جو اس کی چہیتی بیگم نواب ممتاز محل اور خود ہی ابدی خواب گاہ اور عجائبات عالم میں شمار ہونے والی دنیا کی عظیم المثل عمارت ہے، اسی کا بنوایا ہوا پہلا محل، جامع مسجد (دہلی) اور موتی مسجد (اگرہ) جو دنیا کی حیرت انگیز عمارتیں ہیں اسی کی تعمیر کردہ ہیں۔ حیات بخش، فیض بخش اور شالامار نامی ہندوستان کے مشہور و معروف پرفضا باغ اسی کی طبع رنگین کے ترتیب دادہ ہیں۔ لیکن آئی جانی دنیا میں یہ

کے موافق آج ان کا وجود اس صفحہ ملک سے جس پر وہ صدیوں فرما تروانی کرتے رہے  
تھے مٹا دیا۔ تاہم ان کے کارنامے ایسے نہ تھے جو ان کی عارضی ہستی کی طرح ناپید  
ہو جاتے ہ

سعدیابردتکو نام نمیرد ہرگز  
مردہ آنت کہ نامش بہ نکوئی نیرند

اپنی قدردانی، صنعت نوازی اور نکتہ سنجی کے باعث ان کی سرپرستی نے علوم  
و فنون اور صنعتوں کے دریا بہا دئے۔ ان کے عہد کی تاریخیں، تذکرے، تصانیف،  
ایجادات، اختراعات، عمارتیں اور دیگر متنوع الاقسام آثار قدیمہ آج تک جبکہ انہیں  
خواب عدم میں سوئے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں بزبان بنیربانی ان کی تربیت علم و  
فن اور ان کی شوکت پارینہ کی داستان سرائی گزر رہی ہے اور آنے والی نسلوں کے  
سامنے ان کی تہذیب کا مرقع پیش کر کے انہیں محو حیرت بنا دینے کے لئے کافی  
ہیں ہ

از نقش و نگار درود پوارش کستہ

آثار پیدا است صنادید مجسم را

مگر ان محامد و محاسن سے متصف اس خاندان کے تمام ہی بادشاہ نہیں گزرے  
قابلیت، استعداد اور اہلیت وہ گراقدر عظمیٰ ہیں جنہیں قدرت جس دماغ میں چاہتی  
ہے اسی میں ودیعت کرتی ہے ہ

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سلاطین مغلیہ کے عروج و اقبالیں کی مدت ڈیڑھ سو سال سے کچھ  
اوپر ہوتی ہے۔ جس کے بعد زمانہ نے اپنی عادت کے مطابق کروٹ بدلی اور

دروازے سے آگے چل کر باغ، اسکی روئیں، روشوں کے درمیان بے حوض اور وسط باغ میں سنگ مرمر کا ایک مربع حوض بنا ہوا ہے۔ طولانی حوضوں میں فوارے اور فواروں کے بالمقابل سرو کے درخت لگے ہیں۔ باغ غرباً مشرقاً ۱۸۶ فٹ اور شمال جنوب میں ۱۰۰ فٹ ہے۔ جو اب مغربی طور پر راستہ ہے نسبت قدیم کے باعث آج تک اگر وہ کے بازاروں میں بیوہ جات روضے کی باغ کی طرف منسوب کر کے فروخت کئے جاتے ہیں۔ اور لوگ بشوق خریدتے ہیں۔

خاتمہ باغ پر چار فٹ اونچا چوترہ ہے جس کے اوپر مقبرہ ہے۔ چاروں گوشوں پر چار مینار ہیں۔ ان میناروں کے متعلق کسی چیز نے کہا ہے چار بلند قامت اور حسین خواص ہیں جو ممتاز محل کی خدمت کے لئے لکھڑی ہیں۔ مولوی غلام امام شیعہ بھی وضہ تاج گنج کی تعریف کرتے ہوئے کیا خوب شاعرانہ فقرہ ان میناروں کے متعلق تحریر کیا ہے: "مینار آسمان کی طرف تعجب کا ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ یہ خم دیکھئے اور اس عمارت کی ہمسری کا دعویٰ اور دم دیکھئے: گو میناروں پر جن میں مار پیچ کا زینہ بنا ہے چڑھنے سے سانس ضرور کھچول جاتی ہے۔ لیکن شہر کا نظارہ پیش نظر ہو جانا ہے۔ یہ چوترا ۲۱۳ فٹ مربع ہے میناروں کی بلندی سطح باغ سے ۱۶۲ فٹ ہے۔ اور خاص روضہ کی عمارت ۱۸۶ فٹ مربع بنی ہوئی ہے۔ روضہ کے چاروں طرف ۶۶ فٹ اونچی محرابیں ہیں۔ ان کی چوٹیوں سے محرابیں ۲۶ فٹ رہ جاتی ہیں۔ وسطی گنبد کا قطر ۵ فٹ ہے۔ اور اس کی چوٹی سطح زمین سے ۲۱۳ فٹ۔ گویا گنبد کے مقابلہ میں میناروں کی بلندی تقریباً ۲ ہے۔ گنبد پر جو کس ہے ۲۰ فٹ لمبا ہے۔ دونوں بازوئے سرے سے محراب کی چوٹی تک کلام مجید کا سورہ بوجوب قلم سے لکھا ہے۔ اس کی تحریر طلسمی تحریر سے کم نہیں کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے ویسا ہی دور سے دکھلانی دیتا ہے۔ گنبد کے اندر وسط میں ممتاز محل اور اس کے پہلو میں مغرب کی جانب شاہجہان کی قبر ہے۔ سلیم کی قبر پر ۱۶۲۰ اور بادشاہ کی قبر پر ۱۶۲۰ لکھا ہوا ہے۔ جو علی الترتیب ۱۶۲۱ اور ۱۶۲۲ عیسوی کے مطابق ہے۔ (اگر اس روضہ میں کوئی شفق و عیب ہے تو صرف یہ کہ ہر ہر جگہ تو جواب کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن تعمیر مقبریں یہ امر مد نظر نہ رہا۔ سلیم کی قبر ٹھیک وسط میں بنی تھی۔ شاہجہان کے بعد میں دفن ہونے نے یہ بات پیدا کر دی) اور صرف تعویذ ہیں اصلی قبریں نہ خانے میں ان کے نیچے ہیں تعویذوں کے گرد جو پتھر کی جالیاں لگی ہیں باوجود استادان فن تعمیر کے جمع اور مسالے کی فراوانی کے دس برس میں تیار ہوئی تھیں اور بجائے ان کے شروع میں طلائی مرصع بجا اور جالیاں لگی گئی تھیں چسپ جالیاں بلیکس تو طلائی جالیاں عیدہ کر دی گئیں ممتاز محل کی قبر پر ایک موتیوں کی پادر جس کی قیمت لاکھوں روپیہ تھی پڑی رہتی تھی کہتے ہیں اسکو امیر الامراء حسین علی خان (المتوفی ۱۶۲۱ھ) نے ۱۶۲۰ء میں ٹوٹ کر لے گیا۔

اختیار فرشتہ" اگر وہ اپنی اشاعت سورہ ۶۱۔ فروری ۱۹۲۶ء میں رقم طراز ہے۔ لارڈ ریڈنگ اور لیڈی ریڈنگ نے حال ہی میں ہزار ٹنس مہاراجہ مبرودہ کے جوہر خانے کو دیکھا۔ تختہ نادرا و بیش قیمت جوہر کی ایک چادر دس فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی دیکھی جو مسر اسر موتیوں سے بنائی گئی ہے۔ سونے پاندی کی لٹریں میں موتی گندے ہوئے ہیں۔ اس کی قیمت ۲۰ لاکھ (تیس لاکھ) روپیہ ہے۔ ہندوستان کے کسی بادشاہ نے رسالتاب صلہ اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر چڑھانے کے لئے بنوائی تھی۔ تاریخ دان حفصہ سے التماس ہے کہ وہ اس کا پتہ چلا میں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مرہٹوں نے انگریزی فتنے کے دوران میں اس پر قبضہ کیا ہے۔ اور آخر کار یہ کامیکار کے پاس پہنچ گئی ہیں مرنے

ناپائدار عمارتیں اور انکی دلفریبیاں چلتی پھرتی چھاؤں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں اکبر نے جس کی بنیاد رکھی اور شاہجہاں نے جس کی بنیاد پر ایک استوار عمارت قائم کی وہ ہندو مسلم اتحاد ہے۔ جس کے آثار ہندوستان کے ہر گوشہ میں اردو کی پاک و پاکیزہ صورت میں جلوہ افروز ہیں۔ یہ وہ خدمت ہے جس سے بڑی خدمت دنیا کے کسی تاجدار نے کسی ملک کی نہ کی ہوگی۔

۴۔ اور اللہ مرقد ہم ۴

نوٹ۔ ۱۔ تاج محل۔ تاناریوں میں دستور تھا کہ ہر آدمی حتیٰ الوسع اپنی زندگی میں اپنے مقبرے کیواسطے کوئی باغ پسند کر لیا کرتا تھا۔ زندگی بھر تو اس میں رہتا تھا اور مرنے پر اسی میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ شرط یہ ہوتی تھی کہ باغ جائز طور پر حاصل کیا گیا ہو چنانچہ ممتاز محل کے مقبرے کیواسطے جو باغ تجویر شاہ جوادہ بقول مولانا آزاد۔ راجہ مان سنگھ اور بقول صاحب امین تاج (واحد یار خان بی۔ اے) راجہ جے سنگھ کی ملکیت تھا یہ عورت وہ باغ راجگان ہے پور کا تھا۔ اس باغ کے معاوضہ میں شاہجہاں نے اپنی ذاتی جائداد میں سے زمین دی اور اپنی محبوبہ کی وصیت کے مطابق یہ حدیم الممال روضہ بنوانا شروع کیا ۴

ہندو لاشوں میں سے استواہیسی (باغیچہ ایشیائی ٹرکی) کا پیش کردہ نقشہ منظور ہوا۔ بغداد۔ دہلی اور لٹان سے ہمارے سرکردہ ایشیائی ترکستان سے گنبد ساز فنون و بغداد سے کچھ کارا شیراز سے طغرانیوں، جے پور سے سنگ مرمر فتح پور سیکری سے سرخ پتھر پنجاب سے کھٹوا چین سے بلور اور پتو نیا انبت سے فیروزہ انکھ سے نیلم، عرب سے مورنگا اور عقیق، اس کے علاوہ اور قسم قسم کے پتھر اور مسالے مارے ہندوستان اور وسط ایشیا کے تمام حصوں سے میا کئے گئے۔ بیس ہزار آدمی تقریباً ۸ برس تک کام کرتے رہے۔ بقول مورخین قدیم پچاس لاکھ میں اور بہ نخصتیں جدید میں کروڑ روپیہ میں بن کر تیار ہوا۔ ایک ضعیف قول ۴ کروڑ روپیہ بھی ہے ۴

یہ دینی عمارتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ناظرین کے سامنے صرف تاج کا اندرونی خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اول ایک عالی شان پھانگ ہے۔ اس کے اندر ایک بڑا چوک۔ جس کے چاروں طرف عمارت ہے۔ یہ صحن عمدہ مغلیہ میں کاروان سرا کا کام دیتا تھا یہیں غربا کے لئے ٹنگر جاری رہتا تھا۔ ہر سال بیگم کی تاریخ وفات پر بڑی خیرات ہوتی تھی۔ کچھ زمانہ ہوا اس چوک کے گردا گرد کی عمارتیں کھنڈرتھیں۔ لیکن لارڈ کرزن انجمنی (الموتی ۱۹۲۵ء) اور محکمہ آثار قدیمہ کی قدروانی دمسالی نے ان کو از سر نو تعمیر کرا دیا ہے ۴

چوک کے وسط میں شمال کی طرف روضے کا خاص دروازہ۔ اور دروازے کے اندر اوپر جانے کا زینہ ہے جو بھول بھلوں میں لیجاتا ہے۔ چکل اس ڈانے میں پائیں جانب کے بلائی حصے میں ایک مختصر عجائب خانہ ہے جس میں روضے کے مختلف زمانوں اور مختلف حالتوں کی تصاویر ان پتھروں کے نمونے جو روضے میں لگے ہوئے ہیں اور قلمی نقشے وغیرہ رکھے ہیں ۴

شاہجہان کا انتقال ہوا تو بعض امرائے عالمگیر سے کہا: مرحوم کی خواہش تھی کہ روضہ ممتاز محل کے بالمقابل دریا کے اس پار دفن ہو۔ عالمگیر نے جواب دیا: میرے ماں باپ چکوا چکوی نہیں ہیں جو ایک اس پار اور دوسرا اس پار رہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا: "قبر ممتاز محل کے پاس قبر بنائی جائے"۔

مسجد کے جنوب میں چند ترے سے اتر کر وہ جگہ ہے جہاں ممتاز محل کی نقش انٹائٹا سپر دزمین ہوئی تھی۔ بارغ کے مغربی جنوبی گوشے میں ایک مکان ہے۔ جس میں درخت ہیں۔ اسی گوشے میں دالان کے اندر ایک اور مکان ہے۔ جس میں عجیب و غریب درخت دولت برطانیہ نے لگائے ہیں۔ پشت مسجد پر ایک بارغ ہے۔ جس میں اب پود تیار کی جاتی ہے۔ روضہ کی پشت پر چمنائے فائدہ سرنگرا یا کرتی ہے +

یہ جو کہا جاتا ہے کہ آگرہ کی مشہور عمارت اعنواد الدولہ جو نورجہاں کے باپ مرزا غیاث بیگ الخاطب بہ اعنواد الدولہ (المتوفی ۱۶۲۲ء) کا مقبرہ ہے۔ وہ تاج محل کے بچے ہوئے مسائے سے بن کر تیار ہوئی ہے۔ غلط ہے۔ کیونکہ اعنواد الدولہ کی عمارت پہلے بنی ہے۔ اور اسے نورجہاں نے دو برس میں بنوایا ہے۔ اور وہ ۱۶۲۵ء میں بن کر تمام ہوئی ہے۔ یہ ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ شاہجہان نے پینچال کو کہے کہ ایک وزیر کا مقبرہ تو اتنا شاندار ہو لہذا میری محبوبہ بیگم کا مقبرہ بہت ہی عمدہ ہونا چاہیے۔ اس عمارت کو اتنا عجیب و غریب بنوایا ہوگا +

تاج محل کے جائے وقوع کے متعلق ابھی کچھ اور عرض کرنا ہے۔ اس عمارت کے جائے وقوع پر نظر ڈالی جائے تو معدوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے یہ خیال کر کے وہاں بنوائی تھی۔ کہ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے۔ سمن برج، دشمن برج، آگرہ کی عمارت قلعہ میں نورجہاں کے رہنے کے لئے مخصوص تھی۔ بعد میں ممتاز محل بھی اسی میں رہی۔ ممتاز محل کے مرنے کے بعد شاہجہان نے بذات خود وہیں رہنا شروع کر دیا۔ تاکہ اس کی محبوبہ کا مقبرہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ مرض الموت میں مبتلا ہونے پر وہ قطعی وہیں رہا۔ اور تاج کا نظارہ کرتے کرتے جاں بحق تسلیم ہوا۔ گویا تاج محل اس خوبی و مناسبت سے بنایا گیا ہے۔ کہ بمقابلہ اور حصص قلعہ کے وہ سمن برج سے بخوبی نظر آتا ہے۔ اس روضہ کی مرمت اہدام کی تنخواہ اور بیگم کی ختم فاتحہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ روپہ سالانہ آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ سالانہ آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں (جو اس کے گردا گرد بنائی گئی تھیں) اور جن سے مل جیل کر یہ ایک چھوٹا موٹا شہر بن گیا تھا۔ اور جس کا نام ممتاز آباد، ممتاز محل کے نام پر رکھا گیا تھا) بادشاہ نے وقف کر دی تھیں۔ یہ آبادی اب تاج گنج کہلاتی ہے یہاں تھانہ، شفا خانہ، ڈاکخانہ اور پرائمری مدارس سبجانہ دولت برطانیہ موجود ہیں +

یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کے تحت انتظام میں ہے۔ برابر مرمت وغیرہ کا کام جاری رہتا ہے۔ حکومت نے شہر آگرہ و تاج گنج کے درمیان ہولناک اور غیر آباد ٹیلوں کو باج سے ہموار کر کے اسطرح درجہ کا ایک بارغ ترتیب دیا ہے۔ بہشت ارضی کا راستہ حقیقتاً اتنا ہی پربہار ہونا چاہئے تھا۔ اب بھی سالانہ عرس بادشاہ کا ہوا کرتا ہے۔ جس کے مصارف سرکار انگلشیہ سے مرمت ہوتے ہیں۔ اس عمارت پر یہ شعر فی المثل صادق آتا ہے

نہیں البتہ فنِ تاریخ سے ذوق ضرور رکھتا ہوں۔ یہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا مذاق تاریخ بینی صحیح ہے یا غلط بہر حال میں نے بہت سے امر و مسالینِ نمبوری کی ساختہ اشیاء نذرانہ مقامات مقدسہ و عتبات عالیات کے حالات دیکھے ہیں۔ لیکن اس قسم کی کسی چادر کے حالات میری نظر سے نہیں گزرے۔ عجیب نہیں ہے کہ یہ وہی چادر ہو جس کا میرا لامل بگاڑ تھا۔ امیر مذکور کے علاوہ راجگان بے پور، جات اور مرہٹے وغیرہ بھی شورش مچا رہے تھے اسی گڑ بڑ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ راجہ موصوف کے قبضہ میں پہنچ گئی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سید مذکور نے بذاتِ خاص اس چادر کو غارت نہ کیا ہو۔ بلکہ اسی کے سلسلہ دانی بجاوت میں لٹی ہو۔ اور اس کی نسبت سے اسکے نام پر اسکی لوٹ لکھی گئی ہوگی اس لئے کہ سرخہ وہی تھا +

روضہ میں چاندی کے دو دروازے بھی تھے، انہیں ۱۷۴۳ء میں جاٹ لوٹ کر لے گئے اور انہوں نے گلا ڈالا۔ عدادہ ازیں لاکھوں روپیہ کا سامان مثل تالین، اطلالی، قنادیل، دشمدان وغیرہ کے بھی رکھا تھا میں نے ایک کتاب موسومہ "ہفت عجائباتِ عالم" میں دیکھا۔ اس میں لکھا تھا: صنایع نے گنبد کو اس خوبی سے بنایا ہے کہ ہر بارش میں ایک قطرہ آبِ باران کا بیگم کی قبر پر گرتا ہے۔ لیکن کسی مغرب تاریخ سے اس کی شدت نہ ملی۔ جس کی بنا پر میں قدیم زمانہ کے خوش غیب حضرات کا اس کو شگوفہ طبعی سمجھتا ہوں +

دنیا بھر کو آگرہ پر اس عمارت کی وجہ سے رشک آتا ہے۔ سات عجائباتِ عالم میں مشہور ہیں مگر وہ سب اس ایک کے آگے گمرد ہیں۔ یورپ والے اسی فن میں حصہ جاتے ہیں کہ کاش انہیں اس کے معمار ہونے ہی کی عزت میسر آجائے۔ چنانچہ بہت سی روایتیں بھی نظر ملی ہیں۔ بات بتاتے ہیں لیکن بنائے نہیں بنتی۔ غور کیا جائے اور مقبرہ ہالیوں دہلی کو یہ نظر فائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عمارت کا خیال یہیں پیدا ہوا یہیں بڑھا۔ گویا جس خیال کی ابتداء ہالیوں کا مقبرہ تھا۔ اس کی امتداد تاج ہے +

اہل امریکہ اس کی تشکیل کی دھن میں عرصہ سے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں مستقبلِ قریب میں ایک نمائش ہونے والی ہے۔ جس میں ساٹھ (۶۰) لاکھ ڈالر (۲ کروڑ ۴۴ لاکھ روپیہ) کے صرف سے "تاج محل" کا نمونہ بنا کر دکھایا جائیگا۔ اس کا ٹھیکہ انڈین ٹریڈنگ کمپنی "نامی ایک ہندوستانی شرکت کو دیا گیا ہے + تاج محل میں مسجد اور تسبیح خانہ بھی ہے۔ مسجد کے جنوب میں ایک برج ہے جس میں بادلی بنی ہے مسجد کے شمال میں جو برج ہے "بستی برج" کہلاتا ہے۔ مسجد کا جواب بنا نا ضرور تھا۔ البتہ مسجد ہونے میں مستحق تھی۔ لہذا مسجد مثالی عمارت بنا کر تسبیح خانہ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس کے صحن کے چبوترے پر اتر کی جانب روضہ کے کلس کا پورا خاکہ سنگ سیاہ سے بنا ہوا ہے +

روضہ کے شمال میں زیریں چبوترے پر دو زینے بنے ہیں۔ جو نہ خانے میں اتر گئے ہیں۔ ایک سے دوسرے میں آجاسکتے ہیں۔ مگر بہت ہی تنگ و تاریک ہیں +

دریا کے اس پار ایک عمارت کے کچھ مٹے مٹے آثار دکھلائی دیتے ہیں۔ کہتے ہیں شاہجہان نے اپنے لئے اس پار مقبرہ بنوانا شروع کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پل بنا کر دونوں عمارتوں کو ملا دے (میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ اس دوسری عمارت کو سنگ سیاہ کی بنا چاہتا تھا) مگر دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ جب

ممتاز محل کی لاش پہلے باغ آہو خانہ، المعروف بہ باغ زین آباد واقع برہنپور میں دریا سے تاپتی  
کے اس پار امانت سہروردین کی گئی۔ یہ بدل خان نے تاریخ لکھی ہے۔  
جائے ممتاز محل جنت باد

۱۰ ۵ ۲۰

۶۔ عیسے کے بعد ۱۷۔ جمادی الاول ۱۰۰۰ھ کو مرحومہ کی نعش شاہزادہ محمد شجاع، جہاں آرا بیگم،  
ذخیر خاں اور صدر النساء مستقی النسا قائم، اخت طالب آملی، کی معیت میں دار الخلافہ آگرہ کی طرف منتقل  
ہوئی۔ برہنپور سے آگرہ تک بشمار روپے اور مختلف قسم کے کھانے وغیرہ میں تقسیم کئے گئے۔ چونکہ مقبرے  
کی عمارت ابھی زیر تعمیر تھی اور مدفن نامکمل اس لئے مسجد روضہ کے جنوب کی طرف (چبوترے سے اتر کر)  
باغ میں دوبارہ امانت مدفون کی گئی۔ اور ۱۵۔ جمادی الثانی ۱۰۰۰ھ کو اپنی اصلی جگہ پر دفن ہوئی۔  
ممتاز محل کا مقبرہ "تاج محل" یا "تاج" یا "تاج بی بی کار و رضہ" یا "روضہ" کہہ کر کے مشہور ہے۔ دنیا  
کی بیشک، عظیم النظیر اور ایک ایسی عمارت ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور مختلف مذاہب اور  
ممالک کے سیاح اس کے دیدار کو اپنے لئے سزاوارتہ قرار دیتے ہیں۔

ممتاز محل ایک نہایت درجہ حسین، ادب شناس، مراتب پرستاری سے بخوبی واقف اور روشن دماغ  
بیگم تھی۔ اس کی قیاضی و رحمدلی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اس نے صد ہا مفلس و نادار لوگوں  
کی لڑکیوں کی شادیاں اپنے صفے سے کرا دیں۔ بیشمار محتاجوں کو مالدار و صاحب ثروت بنا دیا۔ ہزاروں  
بجزوں کو جو سزائے موت کے سزا دار تھے رٹائی دوائی +

وہ بڑی ذکی، فہیم اور صاحب الرائے عورت تھی۔ یہی وجہ ہے جن کے باعث شاہجہاں کو ایک ملکہ کے  
لئے اس کی جدائی گوارا نہیں ہوتی تھی۔ سفر، حضر، رزم، بزم، غرض ہر جگہ اور ہر حال میں وہ اس  
کی رفیق و ہمدم ہوتی تھی۔ خوفناک حالتوں میں وہ بادشاہ کو بہت عمدہ رائیں دیا کرتی تھی۔  
اس جلیل القدر بادشاہ کے بہت سے مشہور و معروف کارنامے اسی سنجیدہ بیگم کے قیمتی اور قابل قدر  
مشوروں کے مرہون منت ہیں +

یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ اس مشہور عصر و شمارہ آفاق بیگم کی تعلیم و تربیت کی خدمت کن ستودہ صفات  
دلائل ستائش ہستیوں کے حصے میں آئی تھی۔ لیکن اس کی مؤثران طبعی، حاضر جوابی، طالبائے آملی کی بن صد النساء  
ستی النسا قائم کا اس کی بارگاہ میں منصب مصاحبت پر سرفراز ہونا وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے  
پتہ چلتا ہے۔ کہ لائق و لیکتاے روزگار ماں یا پ نے جیتی اور لاڈلی بیٹی کو شہنشاہ ہند کی رفیقہ حیات  
بنانے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ پھر یہ اس گھر کی بیٹی تھی جس گھر کی علمیت، قابلیت اور دانائی ہمیشہ کینز  
بنی رہی۔ اعتماد الدولہ آصف خاں، دیوانجی بیگم، اور نور جہاں بیگم وہ مقتدر ہستیاں تھیں۔ جن کے  
علم و فضل کی تعریف میں ایک عالم رطب اللسان ہے۔ اس گھرانے کی لڑکی جو کچھ بھی نہ ہو تو شہسہ۔  
لیکن افسوس ہے کہ موزعین قدیم کسی شخص کی زندگی پر ہر پہلو سے یکجائی بحث نہیں کرتے اور اکثر عام  
حالات کو نظر انداز کرنے کے عادی ہیں۔ جو موجودہ زمانے کے موزعین کی نظر میں اگلے زمانہ کی تہذیب سے

اگر فردوس پر روئے زمین استنا ہمین است و ہمین است و ہمین است  
(ماخذ از سیر المتأخرین، بادشاہنامہ، نڈل انڈیا لین پول، سفرنامہ ڈاکٹر برنارترجمہ خلیفہ سید محمد حسین  
صح عواشی اور ارض تاج واحد یار خان بی۔ اسے) +

نوٹ ۱۲۔ ممتاز محل۔ ارجمند بانو بیگم نام، نواب ممتاز الزمانی ممتاز محل، خطاب، قدسیہ بیگم اور نواب عالیہ بیگم  
مشہور عین الدولہ آصف خان، خان خانان، مرزا ابوالحسن بن اعتماد الدولہ امرتزاغیاٹ بیگ طہرائی کی بیٹی  
تھی۔ یہ مشہور و معروف بیگم۔ دیوانچی بیگم بنت نواجہ غیاث الدین تزدینی (بن آقا ملا صاحب شاہ ظہار صاحب صفوی)  
کے بطن سے سنہ ۱۶۵۷ء میں پیدا ہوئی۔ سلسلہ نسب کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ نور جہاں  
کی بھتیجی اور اعتماد الدولہ کی پوتی تھی۔ جسی سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط  
سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ ۱۹ سال ۲۱ دن کی عمر میں جبکہ شاہجہان کی  
عمر محاسب شمسی ۲۰ سال ایک مہینہ اور ۸ دن کی تھی۔ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ میں اس کے ساتھ بیاہی  
گئی۔ تمام مراسم اعتماد الدولہ کے گھر میں ادا ہوئے۔ جمائیکر بہ نفس نفیس خود اس پرہم عروسی میں شریک تھا  
۵۔ لاکھ روپیہ کا مهر قرار پایا تھا۔ گو اس سے پہلے شاہجہان کی شادی شاہ اسماعیل صفوی بادشاہ  
فارس کی پوتی کے ساتھ ہو چکی تھی اور اس کے بعد بھی اس نے اپنے اسلاف کی طرح متعدد شادیاں  
کی تھیں۔ لیکن بیگمات میں جو عزت و توقیر ممتاز محل کی تھی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ یہ بیگم چودہ مرتبہ  
حاملہ ہوئی۔ بہت سے لڑکے لڑکیاں ہوئیں۔ جن میں سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں اس بیگم کے مرتے  
دم تک زندہ رہیں۔ آخری مرتبہ ذیقعد ۱۰۳۷ھ میں گوہر آرا بیگم کی ولادت پر بمقام برہانپور وفات پائی۔  
تاریخی روایت ہے کہ جب کچی کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آمد تجربہ کار دانتیاں اور باہر اٹھائے حاذق  
جمع ہوئے۔ دفعۃً پیٹ کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ سب سن کر نہ صرف حیران رہ گئے  
بلکہ سب کے اوسان خطا ہو گئے۔ بیگم نے اپنی بڑی بیٹی (بیگم صاحبہ) کے ذریعہ سے خود بادشاہ کو طلب  
کیا۔ بادشاہ زندگی سے ایوس بیگم کے پاس پہنچا۔ ممتاز محل نے آہٹ پا کر آنکھیں کھولیں اور بادشاہ  
کو بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ شاہجہان سے اپنی پیاری بیگم کا یہ حال دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار  
اسکے آتشک پڑھے بیگم نے یہ دو وصیتیں کیں :-

(۱) یہ کہ اس کی قبر پر ایسی بے نظیر عمارت بنوائی جائے۔ کہ عالم میں یادگار رہے +

(۲) یہ کہ بادشاہ دوسری شادی نہ کرے کیونکہ بچے پریشان ہوں گے +

ان وصیتوں کے بعد جبکہ اس کی نظر اپنے جان نثار رفیق زندگی کے روئے مٹا یاں پر جمی ہوئی تھی اس  
کے مرغ روح نے عالم قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۹۔ سال ۴۔ مہینے کی تھی۔ شاہجہان کو  
ممتاز محل کے انتقال کا سخت ملال ہوا۔ دو برس تک اس نے رنگین کپڑا نہ پہنا۔ عطر و خوشبویات سے محترز  
رہا۔ ترتیب جشن و اعیاد موقوف رہی۔ سماع جو اس کی زندگی کا جزو لاینفک تھا ترک کر دیا۔ چند ہی دنوں  
میں صدمے کی وجہ سے اس کے بال سفید ہو گئے +

میں اپنے اور پہاڑے کا اختیار نہیں کرتے۔ بے تکلفی کے ساتھ اپنے عیوب کا اعتراف اور دوسرے کی خوبیوں کا اقرار کر لیتے ہیں۔ پادشاہ تاج محل ہند مصنفہ مسٹر اسمتہ، تاریخ ہند مصنفہ بالویشی شیلو ایم۔ اے۔ تاج محل ہند مصنفہ اے مارسلن صاحب بی۔ اے تاریخ ہند مصنفہ نسیم الحسن علی مولوی ذکا علیہ مرحوم۔ آثار الاریا۔ سیر المتاخرین۔ بادشاہ نامہ ملا عبد الحمید لاہوری۔ جہاں آرا مصنفہ مولوی محمود الحسن کلیم بی۔ اے ذکیل اورنگ زیب مصنفہ پروفیسر سرکار بالقبابہ ۱۲۱۰۔

**نوٹ نمبر ۱۲۔** قلعہ اعلیٰ (دہلی) شاہ جہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۶۳۸ء میں شاہ جہان آباد (دہلی جدید) کی آبادی کا حکم دیا۔ ۱۲ ذوالحجہ کو یہ قلعہ بننا شروع ہوا۔ استاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے اس کی تعمیر کے لئے مقرر ہوئے۔ پہلے عزت خاں کو اس کا اہتمام ملا۔ پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ مسالہ جمع ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی جو آئی پھر الہ وردی خان کو یہ کام سپرد ہوا۔ اور دو برس ایک مہینہ گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار ۱۲-۱۲ گز اونچی ہو گئی۔ پھر حکومت خاں کے سپرد انتظام کیا گیا۔ بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ یعنی تحت نقشبندی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اس میں پہلا جلوس کیا۔ یہ قلعہ ہشت پہلو بنا ہے۔ اس کا طول ایک ہزار گز، عرض چھ سو گز ہے۔ قلعہ آگرہ سے گویا دو گنا ہے۔ اس کی تفصیل ۲۵ گز اونچی اور بنیاد ۱۱ گز گری ہے۔ دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ اور اوپر سے ۱۱ گز کا ہے۔ اس کی خندق ۲۴ گز چوڑی اور ۱۰ گز گری بنی ہے۔ جس کا محیط تین ہزار چھ سو گز ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ بقول صاحب مرآت آفتاب ایک کروڑ روپیہ لاگت آئی جس میں سے پچاس لاکھ تعمیر قلعہ میں اور پچاس لاکھ اندرونی محلات وغیرہ کی تعمیر میں خرچ ہوا ہے۔ اس قلعہ میں عمارت خاص و عام۔ غسل خانہ۔ محل سڑے اور عالمگیر کی بنائی ہوئی موتی مسجد قابل دیدار ہے نظیر عمارتیں ہیں۔ اگر اس قلعہ کو ہندوستانی عمارت کیجی کاری نسبت کاری اصغر گری دوستکاری کا عجائب خانہ کہا جائے تو بہت ہی سوزوں ہوگا۔ (ماخوذ از سفر نامہ ڈاکٹر برنیئر آثار الفنا دید مسرید۔ نظر نامہ شاہ جہان و قصص ہند آرا داد)

**نوٹ نمبر ۱۳۔** جامع مسجد دہلی، اس کی بنیاد ۱۰۶۰ھ = ۱۶۵۰ء میں رکھی گئی تھی۔ پانچ ہزار مزدور بیلدار اور سنگ تراش روزانہ کام کرتے تھے۔ تب بھی چھ برس میں دس لاکھ روپیہ کے خرچ سے بن کر تیار ہوئی تھی۔ اسکے تین گنبد ہیں۔ نوے گز طول اور تیس گز کے عرض میں۔ اندر کوسات محرابیں۔ باہر صحن کی طرف گیارہ دروازے ہیں جن میں ایک تو بہت بلند ہے۔ اور ۵-۵ اور آدھ دالے ذرا نیچے ہیں۔ بڑے دروازے پر کلمہ یا "ناوی" بلور طفر اور باقی دروازوں پر شاہ جہان کے نام کا کتبہ تاریخ تعمیر اور زر مصارف جس کو زراعت خوشنویس نے خط نسخ میں لکھا تھا۔ سنگ موٹی کی بچی کاری سے بنا ہوا ہے۔ دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جن میں اوپر جانے کے لئے مزیں اور سردوں پر بارہ دری کی برجیاں بہت ہی دلکشانی ہوئی ہیں۔ شمالی مینار بجلی کے صدمے سے گر پڑا تھا اور فرش صحن بھی جو سنگ سرخ کا ہے خراب ہو گیا تھا۔ ۱۲۳۲ھ میں دولت برطانیہ نے دونوں کی تعمیر و مرمت کروائی جو کہ اس مسجد میں کوئی کبر نہ تھا۔ اس سے شہزادہ مرزا سلیم بن نعیم الدین محمد اکبر شاہ باوشاہ نے ۱۲۳۵ھ میں شہے دروازے کے بیچ میں سنگ باسی کا بہت ہی خوشنما کبر بنا دیا ہے مسجد کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے جس میں مرمر کی بچی کاری سے منسلک بنائے گئے ہیں ممبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے۔ شمالی والوں میں کچھ تبرکات تھکے تھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے

آشنائی بہم پہنچانے کے لئے ایک رہبرِ کامل کا کام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس بیگم کی تعلیم، تربیت، علم و فضل کے متعلق قلم اٹھانے سے معذور ہیں۔ اور صاحبِ کتاب "جہان آرا" کی نوشتہ چند دستور اور ایک واقعے کے قلمبند کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں، سنجیدہ اور با مذاق حضرات بہت کچھ کھدیر لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ کتاب مسطورہ کے مصنف نے بھی اسی طرح صد ہا کتابوں کی درق گردانی کر کے ایک ایک جملہ ڈھونڈ کر اس کتاب کو جمع کیا ہے۔ جس طرح آج کوئی اور بیٹھا ہوا کر رہا ہے وہ لکھتے ہیں "ارجمند بانو (ممتاز محل) زیورِ علم و فضل سے آراستہ تھی۔ شعر و سخن میں بھی اس کو دخل تھا۔ ایک مرتبہ شاہجہان جنائے کنارے تفریح طبع کی غرض سے بیٹھا ہوا تھا۔ اور قدرت کے دلکش مناظر کی سیر کر رہا تھا۔ اس موقع پر بیگم بھی وہاں جلوہ گر تھی۔ شاہجہان نے دریا کی موجوں کی طرٹ اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا

"آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگ ما"

ممتاز محل نے بوجہ کما "از ہمیت شاہ جہاں سر می زند برسنگ ما"

عہدِ حاضرہ کے ایک مشہور مورخ کی تصنیف کردہ "تاریخ ہند" میں جو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے مدارس میں بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے۔ میں نے اس بیگم کے متعلق لکھا ہوا دیکھا "وہ بڑی بچی مسلمان تھی" اور غور کرنے پر معلوم ہوا کہ فاضل مورخ نے لفظ "مسلمان" بطور جو ملیج "شمشیر زن" یا "سفاک" کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ جو ایک صریحی فلفلی اور بیجا الزام ہے۔ میرے رائے میں مصنف موصوف کی رائے اس لئے چھٹم پوشی کے قابل ہے کہ انہوں نے اہل مغرب کا تتبع کیا ہے۔ لیکن اس لئے وہ قابل گرفت ہیں۔ کہ انہوں نے باجوہ دیکھ ان کی آنکھیں ہی روشنی سے منور نہیں۔ اہل مغرب کی تقلید کو روش کی ہے ان کا ماخذ غالباً منوچی کی کتاب موسومہ "منوچی اسٹوڈیا ڈوموگور" ہے۔ منوچی کے متعلق اس زمانہ کے مشہور معروف مورخ حالی جناب بالو جاو و ناتھ صاحب سرکار با نقابہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "اورنگ زیب" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ایک معمولی کم علم آدمی تھا۔ بہت ہی ستم رسیدہ تھا۔ اس نے بہت سی باتیں زائدہ ماقبل کی لکھی ہیں۔ اور وہ بھی صرت یا دو اشت سے۔ اس نے بہت سی باتیں خلاف قیاس و برعکس واقعات بھی لکھی ہیں اس واسطے ہم اس کی باتوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ منوچی کی کتاب اس لئے بھی ہر معاملے میں خصوصاً شاہجہان وغیرہ کی ذاتیات کے متعلق ماخذ بنانے کے قابل نہیں۔ کہ اس کے ہم قوم اور ہم مذہب پرنگیزی (پرہیزگاری) شاہجہان کے ہاتھوں اور بقول مسٹر اسمتہ ممتاز محل کے اشارے سے قتل و غارت کئے گئے تھے۔ وہ اگر ممتاز محل اور آل تیمور کو متم نہ کرتا تو اور کون کرتا۔ رہا شاہجہان سو قوم مذکور کی تباہی کے معاملے میں اس کی نظر ہندو مسلم قوم کے مفاد پر تھی، سیاسی نقطہ نظر سے اس کا یہ فعل کسی پہلو سے نکتہ چینی کے قابل نہیں۔ اسی قسم کی غلط روایات دو ہندی بھائیوں (ہندو مسلمانوں) میں باہمی تئافر و تفریق کا باعث ہوئی ہیں۔ اول تو ہمیں سرکار موصوف کا انبار کرنا چاہئے کہ زیادہ تر اسی زمانہ کے مورخوں کی تاریخوں، درباریوں اور حاشیہ نشینوں کی تصانیف سے استخراج و اخذ واقعات کریں ورنہ پھر ان منصف مزاج اور محقق اہل مغرب کی کتابوں کو ذریعہ معلومات بنائیں۔ جو اظہار صداقت

محراب دور و بام ہیں سب نور کا مکن  
 کا نور کا تو وہ ہے کہ الماس کا معدن  
 بلور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے راس  
 ہاتھوں نے منہر مند کے اک سحر کیا ہے  
 یا تار نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے  
 نے شمع، نہ فانوس، نہ بتی، نہ دیا ہے  
 چلے جو بیاں سے تو نظر کہتی ہے فی الغد  
 مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی ربانی  
 کچھ شوکت ماضی کی کہی اس نے کہانی  
 اُن حجروں میں ہے شمع نہ اس حوض میں پانی  
 تسبیح، نہ تسلیل، نہ تکبیر و اداں ہے  
 جگمگٹ تھا کبھی یاں دُڑراء و امراء کا  
 چرچا تھا شنب و روزیہاں ذکر خدا کا  
 اک قافلہ ٹھہرا تھا یہاں عز و عدا کا  
 ہیں اب تو ناری مرے باقی ہی دو تین  
 یاد ہو پ ہے، یا چاندنی، یا سایہ مسکین،

نوٹ نمبر ۶۔ حیات بخش۔ قلعہ دہلی کا مشہور و معروف پرفضا باغ ہے۔ یہ باغ اپنے احیاء و عمارات سمیت ۱۵۵۷ء۔ ۱۸۵۷ء میں بن کر تیار ہوا تھا۔ اس کے حوض کے وسط میں ابوالنظر سراج الدین بہادر شاہ ظفر المتوفی ۱۸۵۷ء نے ۱۸۵۷ء۔ ۱۸۵۷ء میں سنگ سرخ کا محفل بنا کر اس کا تاریخی نام ”ظفر محل“ رکھا تھا۔ جو اب ”جل محل“ کے نام سے مشہور ہے۔ اب یہ باغ مغربی طرز پر آراستہ پیراستہ ہے۔ اس کی سرسبزی و نشادابی کا بہر بادشاہ نے بہت لحاظ رکھا۔ خصوصاً عالمگیر کو اس کی تازگی پر خاص توجہ تھی۔ (ماخوذ از اثار الصادقہ صفحات عالمگیری) ۱۲

نوٹ نمبر ۷۔ شالامار۔ تین باغوں کا نام ہے۔ جن میں سے ایک کشمیر میں دہاں کی مشہور جھیل (ڈول) اور اس کے ادر دالے پہاڑوں کے درمیانی پہاڑوں کے ڈھال پر واقع ہے۔ یہ باغ بہت ہی پرفضا اور عجیب و غریب درختوں سے پر ہے۔ اس باغ کو جہانگیر کے پندرہویں سال جلوس میں شاہجہان نے باپ کی فرمائش سے بنایا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اس نام سے موسوم کیا تھا۔ گوشا جہان نے اپنے جلوس کے ساتویں سال اس کا نام بدل کر ”فرح بخش“ رکھ دیا تھا۔ لیکن اس نام نے رواج نہ پایا۔ صرف کنالوں اور کاغذات میں لکھا جاتا رہا۔ عام لوگ ”شالامار“ ہی کہتے رہے۔ آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ دوسرا لاہور میں۔ یہ شاہجہان کے عہد میں اسی کی فرمائش سے شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور باغ فیض بخش کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اب بھی لاہور میں موجود ہے۔ بہترین باغوں میں شمار ہوتا ہے۔ نام نے اس کے بھی رواج نہ پایا اور شالامار ہی کہلایا

صحن مسجد عرض و طول سے ۱۲۶ گز ہے۔ جس کے وسط میں ۱۵ × ۱۲ گز کا خالص سنگ مرمر کا حوض ہے۔ اور اس میں فوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے گرد والان، حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ چاروں کونوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی و مشرقی والان کے سامنے دائرہ ہندی وقت نماز دیکھے کا بنا ہوا ہے۔ تینوں دروازے ٹٹے مسجد میں برنجی پھانگ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازے پر بادشاہ کے قابل حجرے بنے ہوئے ہیں۔ مینٹین سیریل ہیں۔ جن پر تیسرے پر کو بازار لگتا اور جمع عام ہوتا ہے۔ اس مسجد کا متمم پانچ مہینے تک جعفر خان دو سال تک خلیل اللہ خاں تین سال پانچ مہینے سعد اللہ خاں، اور اس کے انتقال کے بعد روح اللہ داروغہ عمارت رہا اسی کے زمانہ میں بن کر تمام ہوئی تھی۔ کسی نے تاریخ کسی۔ ح

مسجد شاہ جہاں قبیلہ جاہات آمد

اور گو ایک سال کا فرق ہے۔ یعنی مسجد بنی ہے ۱۶۶۱ء میں اور اس تاریخ سے ۱۶۷۰ء تک ہے۔ لیکن جدت ادا کی بنا پر بادشاہ نے بہت پسند کی (ماخوذ از آثار الضاویہ وسیر التاخرین) +

**نوٹ نمبر ۵۔ مونی مسجد (آگرہ)۔** قلعہ آگرہ میں دہلی دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی عمارت یہی ہے۔ یہ مسجد بہت ہی خوبصورت ہے۔ اور ایک مرتفع چوڑے پر بنی ہوئی ہے۔ اس کی مغربی ڈھالی دیواریں ۲۲۴ فٹ لمبی ہیں۔ اور شمالی و جنوبی دیواریں ۱۸۷ فٹ کی ہیں۔ باہر تو سنگ سرخ ہے جو اپنی ساوگی میں بھی لطیف دیتا ہے۔ لیکن اندر قبة قدر ہے۔ ترا سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ اور کاریگری باعتبار تناسب ختم کر دی گئی ہے۔ اس کی اعلیٰ خوبصورتی (Classio Beauty) کی قلم کی مجال نہیں کہ تحریر میں لاسکے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ طائر لٹے سے جنت کا جگر پارہ اس فرش خاکی پر قفل انسانی کو حیرت میں ڈالنے کے لئے اترا آیا ہے۔ صحن مسجد ۱۵۵ فٹ مربع ہے۔ بیچ میں پیارا چوکور حوض ہے۔ اور جنوبی و مشرقی گوشہ میں ایک و صوب گھڑی نہایت نفیس بنی ہوئی ہے۔ صحن کے تین طرف خوشنما والان و لغز ہی پر حکومت کر رہے ہیں۔ جن کی چوڑائی گیارہ فٹ ہے۔ والان مسجد ۱۴۲ فٹ لمبا اور ۵۶ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے اوپر تین سڈول اور پرزاکت گنبد ہیں۔ اور ہر گوشے میں ایک مینار ہے گنبدوں کے واسطے ہیول لکھتا ہے۔ بالکل کلیاں معلوم ہوتی ہیں۔ جو کھٹے کو ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف حجرے ہیں جو غالباً مستورات کے واسطے مخصوص ہونگے۔ کیونکہ ان میں پتھر کی سبک اور نفیس چابیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ مسجد رنگ آمیزی سے بالکل معرا ہے۔ البتہ سفول میں زرد پتھر دکھنوا، دیا گیا ہے۔ مگر ساوگی بھی وہ بلا کی ہے جس کے لئے بے اختیار سنہ سے نکلتا ہے۔ ح

اس ساوگی پر کون نہ مر جائے اے خدا

اس مسجد کو شاہجان نے بنوایا تھا۔ ۱۶۳۸ء میں بننا شروع ہوئی، اور ۱۶۵۷ء میں اختتام کو پہنچی۔ لاگت تین لاکھ (۲۰۰۰۰۰) روپیہ بیان کی جاتی ہے، جو اب تین لاکھ ہی مرتبہ اس مسجد پر سے کچھا ور کرنے کو جی چاہتا ہے۔ (ماخوذ از ارض تاج مصنفہ و امد یار خان بی۔ اے) خالص صاحب مولوی محمد اسمعیل خان مرحوم ہیڈ مولوی نازل اسکول آگرہ نے اس کی ساوگی اور موجودہ وردناک حالت کا فوٹو بعنوان مشن قلعہ آگرہ کے جن پیر و دوپٹہ افرا شعاریں کھینچا ہے۔ درج ذیل ہیں :- ح

وہ مسجد زیباکر ہے اس بزم کی دہن خوبی میں لگانا ہے مگر سادہ ڈپرفن

نوٹ نمبر ۶۔ اردو صاحب شعر ہند کی رائے ہے کہ اردو زبان اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں جنم لے چکی تھی۔ اور قطب شاہی دور میں دکن میں بہت کچھ ترقی پائی تھی۔ زبان کی حیثیت سے اس کو اورنگ زیب کے عہد میں اس کی فتوحات دکن کے زمانہ سے ماننا چاہئے۔ اس کے بعد کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ جن میں پایا جاتا ہے کہ فارسی شعر ہندی کے الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔ اور اسی کو انہوں نے اردو کی ابتدا مانی ہے۔ لیکن صاحب بھیات و صاحب آثار الضاویہ شاہجہاں کے عہد میں اس کا وجود میں آنا بیان کرتے ہیں اور یہی متفقہ جہور ہے +

اخبر العدل پدایوں کی اشاعت ۱۹۔ مارچ ۱۹۰۷ء کے بیان کے مطابق ہندوستان کے ان باشندوں کی تعداد جن کی مادری زبان اردو یا ہندوستانی ہے دس کروڑ کے قریب ہے۔ اگر اس میں وہ لوگ بھی شامل کر لئے جائیں جن کی زبان رپورٹ مردم شماری میں راجستانی یا مارواڑی دکھائی گئی ہے اور ماہرین لسان اقرار کرتے ہیں کہ یہ بھی محض مغربی ہندی یا اردو کی ایک شاخ ہے تو اردو کے کل اہل زبان گیارہ کروڑ ہوتے ہیں۔ اور زبان اردو دنیا کی سب سے بڑی سات زبانوں میں شمار ہو سکتی ہے۔ پورے دلائل کی کثرت اور علاقوں کی وسعت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی زبانیں حسب ذیل ہیں۔

چینی، انگریزی، جرمنی، روسی، عربی، تاتاری اور اردو ۱۲۔

## ولادت

اس خوش نصیب، اقبال مند اور ہر دلخیز بادشاہ کا ہر وجود مان متی جو وہ بانی و دختر راجہ اودے سنگھ، راتھور والی جو دھپور کے برج محل سے ۱۶۰۹ء - ۳۶ جلوس اکبر شاہی میں بمقام لاہور طلوع ہوا +

اس زمانہ کے نجیب نے اسے صاحبقران مانا ہے۔ اور چونکہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ تیمور لنگ بھی صاحبقران تھا۔ اس لئے اس کو "صاحبقران ثانی" کہا جاتا ہے۔ اس کا عالم شاہزادگی کا نام "خورم" تھا اور جہانگیر اس کو پیار میں "بابا" کہا کرتا تھا +

نوٹ نمبر ۱۔ مان متی جو وہ بانی۔ یہ رانی "جگت گسائیں" کے نام سے مشہور ہے راجہ مالدیہ کی پوتی اور راجہ اودے سنگھ راتھور عن راجہ موتہ "زمانہ رائے جو دھپور کی بیٹی تھی۔ ۱۹۔ رجب ۱۶۰۹ء کو شاہزادہ سلیم جہانگیر کے ساتھ بیابھی گئی۔ نہایت حسین، دانشمند، نیک طبیعت، باسلیقہ، خوش بیان، شیریں کلام اور حاضر جواب رانی تھی۔ اس کی حاضر جوابی کے بہت سے لطیفے مشہور ہیں۔ نور جہاں جہانگیر میں

تیسرا دہلی میں جولاہوری دروانے سے یا ہر فضیل شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے بقول صاحب اناراضا دید۔ شاہجہان نے اس کی بنیاد ٹھینا سہ میں جبکہ وہ شہر پناہ بنا کر فارغ ہوا ہے رکھی تھی۔ اب غیر آباد ہے۔ چند درخت آم کے باقی ہیں۔ جن کا آم بہت ہی خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس باغ کا نام اعز آباد رکھا گیا تھا۔ لیکن مشہور نہ ہوا۔ اور شالا ماری کے نام سے معروف ہے۔

لفظ شالا مار کے متعلق خلیفہ سید محمد حسین نے اپنے ترجمہ کردہ وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیئر کے حواشی میں لکھا ہے۔ "ٹیک چند ہمارے اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ "شالا" اور "مار" سے مرکب ہے۔ جو بمعنی "خانہ شہوی" کے ہے۔ اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے۔ اس کی سند میں مرزا عبدالغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے

ز باغ زلفت درخ یار دادہ است فراغم کہ منبل ہمیش کم ز شالا مار نیا شد  
لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے۔ کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہر ہے ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہئے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ پاٹ شالا۔ گٹو شالا وغیرہ۔ اصل یہ ہے کہ یہ صرف اس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرہویں سال جلوس میں شاہجہان نے باپ کی فرمائش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اس کا نام شالا مار پڑ گیا تھا۔ جس کو شاہجہان نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا۔ چنانچہ توک جہانگیری اور شاہجہان نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ ۲۱۰ پر شاہجہان کا ایک فرمان نقل کیا ہے۔ اس کے ایک فقرے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ فقرہ یہ ہے۔ "و باغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالما مابدولت و اقبال در ایام فرخندہ فرجام شاپہر اولی امدات فریودہ بودیم"۔ میری رائے میں خلیفہ محمد حسین صاحب کا قیاس بہت ہی مدلل اور صحت سے بہت زیادہ قریب ہے لیکن ٹیک چند ہمارے تحقیق کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا کیونکہ صاحب اناراضا دید نے جو جہانگیر جیسے محقق بادشاہ کا قول توڑ کر جہانگیری اور مرآت آفتاب نما کے حوالے سے نقل کیا ہے اس سے بھی ہمارے رائے کی تائید ہوتی ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ "شالا مار دو ہندی لفظوں شالا (یعنی کھڑکی) اور مار (یعنی عیش یا خوشی) سے مرکب ہے جس کے معنی "دریچہ فرح" ہیں۔

میں نے خود اس زمانے کی ترتیب یافتہ زبان سنسکرت کی مستند لغت موسوم سنسکرت کوش اسٹڈی و ڈکشنری سے تحقیق کیا ہے اس کے معانی مارنا، مخالفت، محبت خدا، عیش، خواہش نفسانی اور عیسانی وغیرہ کے ہیں اور شالا کے معانی مکان، کوٹھڑی اور شاخ وخت کے اس حیثیت سے بھی ہمارے تحقیق محقق اور اس کی رائے صائب ہے۔ لیکن جہانگیر کی تحقیق مشکوک ہو جاتی ہے کیونکہ نہ لغت مذکور میں شالا کے معنی دریچہ کے سکھے اور نہ مجھے دیگر ذرائع سے تحقیق ہو سکے۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کل بول کر جنم روا لیا گیا ہے تو اس کی رائے بھی صحیح ہوئی جاتی ہے اور غالباً ایسا ہی ہوگا۔

یہ بہت ممکن ہے کہ شالا مار کشمیر کا نام محل وقوع کی حیثیت سے شالا مار رکھتے وقت اس میں یہ معنوی خوبی بھی مد نظر رکھی گئی ہو۔ جس کا اور باغوں کے ناموں میں خصوصیت کے لحاظ رکھا گیا ہو۔

ممتاز محل کی لاش پہلے باغ آہو خانہ المعروف یہ باغ زین آباد واقع برہانپور میں دریا کے تابی  
 کے اس پار امانت اسپر وزمین کی گئی بیے بدل خان نے تاریخ لکھی ہے  
جلے ممتاز محل جنت باد

۱۰ ۵ ۲۰

۶ جیسے کے بعد ۱۷ جمادی الاول ۱۰۲۰ھ کو مرحومہ کی نعش شاہزادہ محمد شجاع، جہاں آرا بیگم  
 وزیر خاں اور صدر النفاستنی النفا قائم، اذت طالب آملی کی معیت میں دارالخلافہ آگرہ کی طرف منتقل  
 ہوئی۔ برہانپور سے آگرہ تک بیشمار روپے اور مختلف قسم کے کھانے وغیرہ میں تقسیم کئے گئے۔ چونکہ مقبرے  
 کی عمارت ابھی زیر تعمیر تھی اور مدفن نامکمل اس لئے مسجد روضہ کے جنوب کی طرف (چونترے سے اتر کر)  
 باغ میں دوبارہ امانت مدفون کی گئی۔ اور ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۲۰ھ کو اپنی اصلی جگہ پر دفن ہوئی۔  
 ممتاز محل کا مقبرہ ”چوتاج محل“ یا ”تاج“ یا ”تاج بی بی کاروضہ“ یا ”روضہ“ کے مشہور ہے۔ دنیا  
 کی بیشمار عظیم النظیر اور ایک ایسی عمارت ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور مختلف مذاہب اور  
 ممالک کے سیاح اس کے دیدار کو اپنے لئے سزاوارش و افتخار سمجھتے ہیں +

ممتاز محل ایک نہایت درجہ حسین، ادب شناس، مراتب پرستاری سے بخوبی واقف، قابل اور روشن دماغ  
 بیگم تھی۔ اس کی فیاضی و رحمدلی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اس نے صد ہا مفلس و نادار لوگوں  
 کی لڑکیوں کی شادیاں اپنے ہفتے سے کرادیں۔ بیشمار محتاجوں کو مالدار و صاحب ثروت بنا دیا۔ ہزاروں  
 مجرموں کو جو سزائے موت کے سزا دار تھے رہائی دلوائی +

وہ بڑی ذکی، فہیم اور صاحب الرائے عورت تھی۔ یہی وجہ ہے جن کے باعث شاہجہاں کو ایک لحظہ کے  
 لئے اس کی جدائی گوارا نہیں ہوتی تھی۔ سفر، حضر، رزم، بزم، غرض ہر جگہ اور ہر حال میں وہ اس  
 کی رفیق و ہمدم ہوتی تھی۔ خوفناک حالتوں میں وہ بادشاہ کو بہت عمدہ رائیں دیا کرتی تھی۔  
 اس جلیل القدر بادشاہ کے بہت سے مشہور و معروف کارنامے اسی سنجیدہ بیگم کے قیمتی اور قابل قدر  
 مشوروں کے مرہون منت ہیں +

یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ اس مشہور عصر و شہرہ آفاق بیگم کی تعلیم و تربیت کی خدمت کن ستودہ صفات  
 دلائل ستائش مستعمل کے حصے میں آئی تھی۔ لیکن اس کی مؤثر و ناطعی، حاضر و جانی، طالب آملی کی بہن صدائنا  
 مستی النفا قائم کا اس کی بارگاہ میں منصب مصاحبت پر سرفراز ہونا وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے  
 پتہ چلتا ہے۔ کہ لائق و یکتاے روزگار ماں باپ نے جیتی اور لاڈلی بیٹی کو شہنشاہ ہند کی رفیقہ حیات  
 بنانے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ پھر یہ اس گھر کی بیٹی تھی جس گھر کی علمیت، قابلیت اور دانائی ہمیشہ کینز  
 بنی رہی۔ اعتماد الدولہ، آصف خاں، دیوانچی بیگم، اور نور جہاں بیگم وہ مقتدر ہستیاں تھیں۔ جن کے  
 علم و فضل کی تعریف میں ایک عالم رطب اللسان ہے۔ اس گھرانے کی لڑکی جو کچھ بھی نہ ہو تو ٹوٹا ہے۔  
 لیکن افسوس ہے کہ مؤرخین قدیم کسی شخص کی زندگی پر ہر ہر پہلو سے یکجائی بحث نہیں کرتے اور اکثر عام  
 حالات کو نظر انداز کرنے کے عادی ہیں۔ جو موجودہ زمانے کے مؤرخین کی نظر میں اگلے زمانہ کی تہذیب سے

اور اس میں اکثر قریباً نوک چھونک رہا کرتی تھی۔

لطیفہ۔ فتح پور سیکری جیسا دلکش مقام تھا اور ہر طرف سکوت طاری، چاندنی رات تھی اور زمین سے آسمان تک عالم نرد، ہر چیز پر بخود ہی چھائی ہوئی تھی مے و مینا کا دلدادہ جاناگیر شغل سے نوشی میں مصروف تھا۔ اس کی محبوبہ نور جہاں اپنے عادت کے موافق سفید لباس زیب تن کئے پہلو میں بیٹھی ہوئی زہد فکرن اور ستوالی اداؤں سے اس کا دل بھرا رہی تھی۔ یکا یک اس منظر پر کیف سے سرشار بادشاہ کو جودھ بانی یاد آئی۔ اور اس کے شریک صحبت ہونے کا حکم ہوا۔ پرستار میں دوڑیں اور یہ ان کے آن میں سرخ لباس میں طبوس بادشاہ کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ بادشاہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نور جہاں کو رشک ہوا۔ بادشاہ سے کہنے لگی۔ دیکھئے! جودھ بانی آخر بے نا ایک زمیندار کی بیٹی اور ہندوستانی گنو ریا ہوئی پوچھے اس وقت سرخ جوڑا پہننے کی کیا تک تھی؟ جہاگیر نے جودھ بانی کی طرف ایک معنی خیز نظر ڈالی کہ کیا جواب ہے؟ جودھ بانی نے عرض کیا "حصو! ان کا سہاگ تو شیر انگن خان کے مرنے سے اجڑ گیا۔ الدرکھے میرا سہاگ بھاگ قائم ہے اور یہ دو ہاٹھ چلے

چار نار تاس کا ہتیا ایک چھوڑ جن دو جا کیا

نور جہاں بید خفیف ہوئی اپنا سامنے لے کر رہ گئی اور اس قدر چھپی کہ اللہ کرے چل دی۔ جہاگیر ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گیا \*

قلعہ آگرہ و فتح پور سیکری میں جودھ بانی کے عالیشان محلات اب تک اس کی یاد دلانے رہتے ہیں۔ اس نے آگرہ میں سہاگ پورہ کے نام سے ایک محلہ آباد کر کے اس میں اپنے عالیشان محلات و باغات تعمیر کرائے تھے۔ اب یہ محلہ ویران ہو چکا ہے۔ صرف اس کے عالیشان مقبرے کے جو اسی محل میں واقع تھا سٹے سے نشانات باقی ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مقام اب تک جودھ بانی کے نام سے مشہور اور موضع بھوئی پورہ پرچہ صد تحصیل آگرہ میں شہر کے متصل واقع ہے۔ اس لائق و فائق رانی نے لے بروز جمعہ ۲۰۔ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کو رحلت کی۔ جہاگیر بہت رنج ہوا۔ دوسرے دن غمزدہ بیٹے و خرم کے مکان پر خود گیا اور اسے تسلی بخشی کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ راخو از امرائے ہندو۔ دربار اکبری، تاریخ ہند مصنف امی مارسلن، ماثر اللعرا بادشاہ نامہ وغیرہ ۱۰۱۲۔ \*

نوٹ نمبر ۲۔ راجہ اووے سنگھ راٹھور۔ موثر راجہ عرف سہہ پیدائش لاسعلیم۔ رائے مال دیو فرما کر وائے جودھ پور کا بڑا بیٹا تھا۔ رائے مال دیو امارت و جمعیت لشکر کی حیثیت سے تمام راجگان ہند میں مہیز و ممتاز راجہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا "چندر سین" اس کا جانشین ہوا جس نے شاہ آکبر شاہی میں آکبر کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن ۱۹۔ ج میں باغی ہو گیا۔ شاہی فوجیں اس کی گوشمالی کے لئے متعین ہوئیں۔ کئی محروں کے بعد ۱۰۔ ج میں پایندہ خان مغل سے شکست فاش کھا کر بھاگا اور روپوش ہو گیا۔ اس کی فراری کے بعد راجہ اووے سنگھ سند نشین حکومت جودھ پور ہوا اور اس قدر آکبر کے اخلاق و محبت کا گرویدہ ہوا کہ خاندانی رسم و رواج کو بالائے طاق رکھ کر اس نے اپنی جیتی بیٹی جودھ بانی و بعد سلطنت شاہزادہ سلیم (جہاگیر) کو بیاہ دی۔ آکبر خود امراء و بیگمات کے ہمراہ راجہ کے مکان پر بیٹھ کے



آشنائی بہم پہنچانے کے لئے ایک رہبر کامل کا کام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس بیگم کی تعلیم، تربیت، علم و فضل کے متعلق قلم اٹھانے سے معذور ہیں۔ اور صاحب کتاب "جہان آرا" کی نوشتہ چند مسطور اور ایک واقعے کے قلمبند کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں، سنجیدہ اور با مذاق حضرات بہت کچھ کھوج لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ کتاب مسطور کے مصنف نے بھی اسی طرح صد کتابوں کی درق گردانی کرنے ایک ایک جملہ ڈھونڈ کر اس کتاب کو جمع کیا ہے۔ جس طرح آج کوئی اور بیٹھا ہوا کر رہا ہے \*  
 وہ لکھتے ہیں "ارجنڈ بانو (ممتاز محل) زبور علم و فضل سے آراستہ تھی۔ شعر و سخن میں بھی اس کو دخل تھا۔ ایک مرتبہ شاہجہان جہانگیر کے کنارے تفریح طبع کی غرض سے بیٹھا ہوا تھا۔ اور قدرت کے دلکش مناظر کی سیر کر رہا تھا۔ اس موقع پر بیگم بھی وہاں جلوہ گر تھی۔ شاہجہان نے دریا کی موجوں کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا

"آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگ ہا"

ممتاز محل نے جبکہ کہا "از بہیت شاہ جہاں سر می زند برنگ ہا"

عہد حاضرہ کے ایک مشہور مورخ کی تصنیف کردہ "تاریخ ہند" میں جو ممالک متحدہ اگرہ و اودھ کے مدارس میں بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے۔ میں نے اس بیگم کے متعلق لکھا ہوا دیکھا "وہ بڑی ہی مسلمان تھی" اور غور کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ فاضل مورخ نے لفظ "مسلمان" بطور سچو بلج "منشیر زن" یا "سفاک" کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ جو ایک صریحی غلطی اور بیجا الزام ہے۔ میرے رائے میں مصنف موصوف کی رائے اس لئے چشم پوشی کے قابل ہے کہ انہوں نے اہل مغرب کا متبع کیا ہے۔ لیکن اس لئے وہ قابل گرفت ہیں۔ کہ انہوں نے باوجود دیکھ ان کی آنکھیں نئی روشنی سے منور تھیں۔ اہل مغرب کی تقلید کو روش کی ہے ان کا ماخذ غالباً منوچی کی کتاب موسومہ "منوچی اسٹوڈیا ڈوموگور" ہے۔ منوچی کے متعلق اس زمانہ کے مشہور معروف مورخ عالی جناب بالاجاد و ناتھ صاحب سرکار بالقابہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "اورنگ زیب" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ایک معمولی کم علم آدمی تھا۔ بہت ہی ستم رسیدہ تھا۔ اس نے بہت سی باتیں زمانہ ماقبل کی لکھی ہیں۔ اور وہ بھی صرت یا دراشت سے۔ اس نے بہت سی باتیں خلاف قیاس و برعکس واقعات بھی لکھی ہیں، اس واسطے ہم اس کی باتوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ منوچی کی کتاب اس لئے بھی ہر معاملے میں خصوصاً شاہجہان وغیرہ کی ذاتیات کے متعلق ماخذ بنانے کے قابل نہیں۔ کہ اس کے ہم قوم اور ہم مذہب پرتگیزی (پرتگالی) شاہجہان کے ہاتھوں اور بقول مسٹر اسمتھ ممتاز محل کے اشارے سے قتل و عارت کئے گئے تھے۔ وہ اگر ممتاز محل اور آل تیمور کو متم نہ کرتا تو اور کون کرتا۔ رہا شاہجہان سو قوم مذکور کی تباہی کے معاملے میں اس کی نظر ہندو مسلم قوم کے مفاد پر تھی، سیاسی نقطہ نظر سے اس کا یہ فعل کسی پہلو سے نکتہ چینی کے قابل نہیں۔ اسی قسم کی غلط روایات دو ہندی بھائیوں (ہندو مسلمانوں) میں باہمی تنافر و تفریق کا باعث ہوئی ہیں۔ اول تو ہمیں سرکار موصوف کا اتباع کرنا چاہئے کہ زیادہ تر اسی زمانہ کے مورخوں کی تاریخوں، درباریوں اور حاشیہ نشینوں کی تصانیف سے استخراج و اخذ واقعات کریں ورنہ پھر ان منصف مزاج اور محقق اہل مغرب کی کتابوں کو ذریعہ معلومات بنا لیں۔ جو اظہار صداقت

موتی سے ہیں والان، تو ہے دودسا آگن  
یا فجر کا مطلع ہے کہ خود درز ہے روشن  
باطل سی ہوئی جاتی ہے یاں توتہ احساس  
سانچے میں عمارت کو مگر ڈھال دیا ہے  
مر مر میں مہ و مہر کا سانور و ضیا ہے  
ہاں چشمہ شخورد شید سے آب اس نے بیلا ہے  
نظارے کی دو جھجھ کو اجازت ابھی کچھ اور  
"اس قلعہ میں ہوں شاہجہاں کی میں نشانی"  
کچھ حالت موجودہ بایں شعر بیانی  
قواروں کے دل میں بھی ہے اک درونمانی  
بس گوشہ تنہائی ہے اور فضل گراں ہے  
جمع تھا کبھی یاں علم و صلحا کا  
ہوتا تھا اد اخطیہ صد احمد و ثنا کا  
جو کچھ تھا گنر جانے میں جھونکا تھا ہوا کا  
یا دھوپ ہے، یا چاندنی، یا سایہ مسکین،

محراب و دروہام میں سب نور کا مسکن  
کا نور کا تودہ ہے کہ الماس کا معدن  
بلور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے راس  
ہاتھوں نے مہر مند کے اک سحر کیا ہے  
یا تار نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے  
نے شمع، نہ فانوس، نہ بتی، نہ دیا ہے  
چلے جو بیاں سے تو نظر کتنی ہے فی الغد  
مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی ربانی  
کچھ شوکت ماضی کی کہی اس نے کسائی  
اُن حجروں میں ہے شمع، نہ اس حوض میں پانی  
نسب، نہ تسلیل، نہ تکبیر و انواں ہے  
جگمگ ٹ تھا کبھی یاں دوزاء و امراء کا  
چرچا تھا شنب و روزیاں ذکر خدا کا  
اک قافلہ ٹھہرا تھا یہاں عز و علا کا  
ہیں اب تو ماری مرے باقی ہی دو تین

**نوٹ نمبر ۶۔ حیات بخش۔** قلعہ دہلی کا مشہور و معروف پُر فضا باغ ہے۔ یہ باغ اپنے احیاء و عمارات  
سمیت ۱۵۵۸ء۔ ۱۶۱۲ء میں بن کر تیار ہوا تھا۔ اس کے حوض کے وسط میں ابو النضر سراج الدین بہادر شاہ ظفر التوتی  
۶۔ نومبر ۱۸۶۲ء نے ۱۲۵۸ء۔ ۱۲۶۲ء میں سنگ سرخ کا محفل بنا کر اس کا تاریخی نام "ظفر محل" رکھا تھا۔  
جواب "جل محل" کے نام سے مشہور ہے۔ اب یہ باغ مغربی طرز پر آراستہ پیرا ستہ ہے۔ اس کی سرسبزی و نشادابی  
کا بہر بادشاہ نے بہت لحاظ رکھا۔ خصوصاً عالمگیر کو اس کی تازگی پر خاص توجہ تھی۔ (ماخوذ از اثر الضا وید منقعات  
عالمگیری) ۱۲ \*

**نوٹ نمبر ۷۔ شالامار۔** تین باغوں کا نام ہے۔ جن میں سے ایک کشمیر میں وہاں کی مشہور جھیل (ڈل) اور  
اس کے ادھر والے پہاڑوں کے درمیانی پہاڑوں کے ڈھال پر واقع ہے۔ یہ باغ بہت ہی پرفضا اور عجیب و غریب  
دشتوں سے پُر ہے۔ اس باغ کو جہانگیر کے پندرہویں سال جلوس میں شاہجہان نے باپ کی فرمائش سے بنایا  
اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اس نام سے موسوم کیا تھا۔ گو شاہجہان نے اپنے جلوس کے ساتویں سال اس  
کا نام بدل کر "فرح بخش" رکھ دیا تھا۔ لیکن اس نام نے رواج نہ پایا۔ صرف کنالوں اور کاغذات میں لکھا  
جاتا رہا۔ عام لوگ "شالامار" ہی کہتے رہے۔ آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ دوسرا لاہور میں۔ یہ شاہجہان کے  
عہد میں اسی کی فرمائش سے شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور باغ فیض بخش کے نام سے موسوم کیا گیا تھا  
اب بھی لاہور میں موجود ہے۔ بہترین باغوں میں شمار ہوتا ہے۔ نام نے اس کے بھی رواج نہ پایا اور شالامار ہی کہلایا

صحن مسجد عرض و طول سے ۱۲۶ گز ہے۔ جس کے وسط میں ۱۵ × ۱۲ گز کا خالص سنگ مرمر کا حوض ہے۔ اور اس میں فوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے گرد دالان، حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ چاروں کونوں پر پابہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی و مشرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندی وقت نماز دیکھنے کا بنا ہوا ہے۔ نینوں دروازہ ٹٹے مسجد میں برنجی پھانگ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازے پر دانش کے قابل حجرے بنے ہوئے ہیں۔ پینتیس ٹیڑھیں ہیں۔ جن پر تیسرے پر کو بازار لگتا اور جمع عام ہوتا ہے۔ اس مسجد کا متمم پانچ مہینے تک جعفر خان دوسال تک خلیل اللہ خان تین سال پانچ مہینے سعد اللہ خان، اور اس کے انتقال کے بعد روح اللہ داروغہ عمارت رہا اسی کے زمانہ میں بن کر تمام ہوئی تھی۔ کسی نے تاریخ کسی - ع

مسجد شاہ جہاں قبلہ حاجات آمد

اور گو ایک سال کا فرق ہے۔ یعنی مسجد بنی ہے ۱۶۶۶ء میں اور اس تاریخ سے ۱۶۷۶ء تک ہے۔ لیکن جدت ادا کی بنا پر بادشاہ نے بہت پسند کی (ماخوذ از آثار الضادید وسیر المتاخرین) +

**نوٹ نمبر ۵۔ مونی مسجد (آگرہ)۔** قلعہ آگرہ میں دہلی دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی عمارت ہی ہے۔ یہ مسجد بہت ہی خوبصورت ہے۔ اور ایک مرتفع چوترے پر بنی ہوئی ہے۔ اس کی مغربی و شمالی دیواریں ۲۴ فٹ لمبی ہیں۔ اور شمالی و جنوبی دیواریں ۱۸ فٹ کی ہیں۔ باہر تو سنگ سرخ ہے جو اپنی ساوگی میں بھی لطف دیتا ہے۔ لیکن اندر قبتہ نور ہے۔ نرسنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ اور کارگیری باعتبار تناسب ختم کر دی گئی ہے۔ اس کی اعلیٰ خوبصورتی (Classic Beauty) کو قلم کی مجال نہیں کہ تحریر میں لاسکے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملا لعل سے جنت کا جگر پارہ اس فرش خاکی پر عقل انسانی کو حیرت میں ڈالنے کے لئے اتر آیا ہے۔ صحن مسجد ۱۵۵ فٹ مربع ہے۔ بیچ میں پیارا چوکور حوض ہے۔ اور جنوبی و مشرقی گوشہ میں ایک و صوب گھڑی نہایت نفیس بنی ہوئی ہے۔ صحن کے تین طرف خوشنما دالان و لفزیبی پر حکومت کر رہے ہیں۔ جن کی چوڑائی گیارہ فٹ ہے۔ دالان مسجد ۱۲۲ فٹ لمبا اور ۵۶ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے اوپر تین سڈول اور پر تراکت گنبد ہیں۔ اور ہر گوشے میں ایک مینار ہے گنبدوں کے واسطے ہیول لکھتا ہے۔ بالکل کدیاں معلوم ہوتی ہیں۔ جو کھلے کو ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف حجرے ہیں جو غالباً مستورات کے واسطے مخصوص ہونگے۔ کیونکہ ان میں پتھر کی سبک اور نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ مسجد رنگ آمیزی سے بالکل معرا ہے۔ البتہ صفوں میں زرد پتھر (کھٹوا) دیا گیا ہے۔ مگر ساوگی بھی وہ بلا کی ہے جس کے لئے بے اختیار منہ سے نکلتا ہے۔ ع

اس ساوگی پر کون نہ مر جائے اے خدا

اس مسجد کو شاہ جہان نے بنوایا تھا۔ ۱۶۳۱ء میں بننا شروع ہوئی، اور ۱۶۵۶ء میں اختتام کو پہنچی۔ لاگت تین لاکھ (۳۰۰۰۰۰) روپیہ بیان کی جاتی ہے، جو اب تین لاکھ ہی مرتبہ اس مسجد پر سے بچھا کر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ (ماخوذ از ارض تاج مصنفہ واحد یار خان بی۔ اے) خان صاحب مولوی محمد اسماعیل خان مرحوم ہیڈ مولوی ناسر اسکول آگرہ نے اس کی ساوگی اور موجودہ درونک حالت کا فوٹو بہ عنوان مشتمن قلعہ آگرہ کے جن پندرہ و پندرہ اشعار میں کھینچا ہے۔ درج ذیل ہیں :-

وہ مسجد زریبا کہ ہے اس بزم کی دہن      خوبی میں لگتا ہے مگر سادہ و پُرہن

نوٹ نمبر ۱۰۔ اردو صاحب شعر الہند کی رائے ہے کہ اردو زبان اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں جنم لے چکی تھی۔ اور قطب شاہی دور میں دکن میں بہت کچھ ترقی پانچکی تھی۔ زبان کی حیثیت سے اس کو اورنگ زیب کے عہد میں اس کی فتوحات دکن کے زمانہ سے ماننا چاہئے۔ اس کے بعد کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں پایا جاتا ہے کہ فارسی شعر ہندی کے الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔ اور اسی کو انہوں نے اردو کی ابتدا مانی ہے۔ لیکن صاحب بحیات و صاحب آثار الضاوید شاہجاں کے عہد میں اس کا وجود میں آنا بیان کرتے ہیں اور یہی تہذیب جمہور ہے +

اخیار العمل" بدایون کی اشاعت ۱۹۔ مارچ ۱۹۱۰ء کے بیان کے مطابق ہندوستان کے ان باشندوں کی تعداد جن کی مادری زبان اردو یا ہندوستانی ہے دس کروڑ کے قریب ہے۔ اگر اس میں وہ لوگ بھی شامل کر لئے جائیں جن کی زبان رپورٹ مردم شماری میں راجستانی یا مارواڑی دکھائی گئی ہے اور ماہرین لسان اقرار کرتے ہیں کہ یہ بھی محض مغربی ہندی یا اردو کی ایک شاخ ہے تو اردو کے کل اہل زبان گیارہ کروڑ ہوتے ہیں۔ اور زبان اردو دنیا کی سب سے بڑی سنات زبانوں میں شمار ہو سکتی ہے۔ پونے والوں کی کثرت اور علاقوں کی وسعت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی زبانیں حسب ذیل ہیں۔

چینی، انگریزی، جرمنی، روسی، عربی، تاتاری اور اردو ۱۷۔ +

## ولادت

اس خوش نصیب، اقبال مند اور ہر دل عزیز بادشاہ کا ہر وجود مان متی جو وہ بانی و ختم راجہ اودے سنگھ راتھور والی جو دھپور کے برج محل سے ۱۵۹۱ء = ۳۶۔ جلوس اکبر شاہی میں بمقام لاہور طلوع ہوا +

اس زمانہ کے منجین نے اسے صاحبقران مانا ہے۔ اور چونکہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ تیمور لنگ بھی صاحبقران تھا۔ اس لئے اس کو "صاحبقران ثانی" کہا جاتا ہے۔ اس کا عالم شاہزادگی کا نام "خورم" تھا اور جہانگیر اس کو بیار میں "بابا" کہا کرتا تھا +

نوٹ نمبر ۱۱۔ مان متی جو وہ بانی۔ یہ رانی "جگت گسائیں" کے نام سے مشہور ہے راجہ مالویہ کی پوتی اور راجہ عن راجہ موتہ "فرمانروائے جودھپور کی بیٹی تھی۔ ۱۹۔ رجب ۹۹۳ھ کو شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے ساتھ بیار ہی گئی۔ نہایت حسین، دلنشین، نیک طبیعت، باسلیقہ، خوش بیان شیریں کلام اور حاضر جواب رانی تھی۔ اس کی حاضر جوابی کے بہت سے لطیفے مشہور ہیں۔ نور جہاں بیگم میں

تیسرا دہلی میں جولاءِ ہوری دروازے سے باہر فضیل شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے بقول صاحب انارالضادید۔ شاہجہان نے اس کی بنیاد تختینا سہ میں جبکہ وہ شہر پناہ بنا کر فارغ ہوا ہے رکھی تھی۔ اب غیر آباد ہے۔ چند درخت اہم کے باقی ہیں۔ جن کا آم بہت ہی خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس باغ کا نام اعزاز آباد رکھا گیا تھا۔ لیکن مشہور نہ ہوا۔ اور شالا ماہی کے نام سے معروف ہے۔

لفظ شالا مار کے متعلق خلیفہ سید محمد حسین نے اپنے ترجمہ کردہ وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر کے حواشی میں لکھا ہے۔ ٹیک چند بہار نے اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ "شالا" اور "مار" سے مرکب ہے۔ جو معنی "خانہ شہوی" کے ہے۔ اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے۔ اس کی سند میں مرزا عبدالغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے

ز باغ زلفت و رخ یار دادہ است فراغم کہ سنبل ہمیش کم ز شالا مار نیا شد  
لیکن ان معنوں کی فطرتی خود ظاہر ہے۔ کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہر یہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہئے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ پاٹ شالا۔ گوشالا وغیرہ۔ اصل یہ ہے کہ یہ صرف اس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرہویں سال جلوس میں شاہجہان نے باپ کی فرمائش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اس کا نام شالا مار پڑ گیا تھا۔ جس کو شاہجہان نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا۔ چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہان نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ ۲۱۰ پر شاہجہان کا ایک فرمان نقل کیا ہے۔ اس کے ایک فقرے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ فقرہ یہ ہے۔ "دباغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالما مابدولت و اقبال در ایام فرخندہ فرجام شہزادگی امدات فرسودہ بودیم" میری رائے میں خلیفہ محمد حسین صاحب کا قیاس بہت ہی مدلل اور صحت سے بہت زیادہ قریب ہے لیکن ٹیک چند بہار کی تحقیق کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا کیونکہ صاحب انارالضادید نے جو جہانگیر جیسے محقق بادشاہ کا قول تزک جہانگیری اور مرآت آفتاب نما کے حوالے سے نقل کیا ہے اس سے بھی بہار کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے "شالا مار و ہندی لفظوں شالا (یعنی کھڑکی) اور مار (یعنی عیش یا خوشی) سے مرکب ہے جس کے معنی "دریچہ فرح" ہیں۔

میں نے خود اس زمانے کی ترتیب یافتہ زبان سنسکرت کی مستند لغت موسومہ سنسکرت انگلش اسٹنڈرڈ ڈکشنری سے تحقیق کیا ہے اور کے معانی مارنا، مخالفت، محبت خدا، عیش، خواہش نفسانی اور فطرتی وغیرہ کے ہیں، اور شالا کے معانی مکان، کونٹری اور شاخ و دخت کے اس حیثیت سے بھی بہار کی تحقیق محقق اور اس کی رائے صائب ہے۔ لیکن جہانگیر کی تحقیق مشکوک ہو جاتی ہے کیونکہ نہ لغت مذکور میں شالا کے معنی دریچہ کے ملے اور نہ مجھے دیگر ذرائع سے تحقیق ہو سکے۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کل بول کر جنم و اولیا گیا ہے تو اس کی رائے بھی صحیح ہوئی جاتی ہے اور غالباً ایسا ہی ہوگا۔

یہ بہت ممکن ہے کہ شالا مار کشمیر کا نام محل وقوع کی حیثیت سے شالا مار رکھنے وقت اس میں یہ معنوی خوبی بھی مد نظر رکھی گئی ہو جس کا اور باغوں کے ناموں میں خصوصیت کے لحاظ رکھا گیا ہو

ادھر نورجہان نے بھائی (آصف خاں) کو بلا کر اپنے داماد کو بادشاہ بنانے کا مشورہ کیا۔ آصف نے اسے پالے بٹے دئے اور اس کو بیچ اس کی دوسری بہن اور اس کے شوہر کے کہ اس کا ہم خیال تھا نظر بند کر کے داور بخش بن خسرو کو عارضی بادشاہ بنا کر مقصود خاں کے ساتھ جہانگیر کی نقش کو لاہور روانہ کر کے، شاہجہان کو خبر مرگ جہانگیر دے کر اور اسے دکن سے ہندوستان کی طرف منوجہ ہونے کا اشارہ کر کے خود داور بخش کی رکاب میں لاہور کی طرف کوچ کیا۔ چونکہ وہ بدل شاہجہان کی سلطنت کا خواہاں اور صاحب اثر تھا قریب قریب تمام سردار اس کے جانب دار تھے +

لاہور سے تین کوس کے فاصلہ پہ داور بخش اور شہریار کے لشکروں میں لڑائی ہوئی شہریار شکست کھا کر قلعہ لاہور میں آیا۔ رات کے وقت ارادت خان بن مرزا عزیز کو کلتاش خان اعظم نے قلعہ میں پہنچ کر اسے رام کر لیا۔ صبح کو امر داور بخش کو لے کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ اور اسے تخت پر بٹھالا بغیدی فیروز خان خواجہ سرانے شہریار کو پکڑ کر الہ وردی خان کے سپرد کر دیا۔ اور وہ دست بستہ شہریار کو داور بخش کے سامنے لایا۔ کورٹش کرائی۔ دو تین دن کے بعد شہریار کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ اور وہ اندھا کر دیا گیا۔ شہریار نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی

ز نرگس گلاب ارچہ نتواں کشید کشیدند از نرگس من گلاب  
اگر از تو پیر سنہ تاریخ من بگو کہ شد دیدہ آفتاب

یہی تاریخ تاریخ دقات ہوئی۔ کیونکہ ۲۵۔ جمادی الاول ۱۰۰۰ھ کو شاہجہان کے اشارے سے آصف خان نے عارضی بادشاہ داور بخش، اس کے بھائی گشتاسب (ابنای خسرو و ظور شاہ) ہوشنگ، اور مرزا بایسنقر (ابنای دانیال) کے ساتھ ہی ساتھ شہریار کو بھی عین جوانی میں مٹا دیا۔ الخاطب یہ خدمت پرست خان کے ہاتھوں لاہور میں قتل کروا دیا۔ نقشوں تک کا پتہ نہ چلا۔ جس سر کو غرور آج ہے یاں ناجوسی کا کل اس پر ہیں نشوے پھر زور گری کا

شاہجہان کے لئے بساط سلطنت خالی ہو گئی۔ اور اس نے زمام حکومت ہاتھ میں لے کر حکمرانی کرنا شروع کر دی +

شہریار اچھا خاصہ تعلیم یافتہ، باور اور سخی طبیعت شہزادہ تھا۔ وہ بیحد حسین تھا لیکن جتنا ہی حسین تھا اتنا ہی بیوقوف بھی تھا۔ اس نے باپ کی تقلید کی۔ یعنی خود کو بی بی کے ہاتھ میں دیدیا لیکن بھانہ سکا۔ اس کے ناعاقبت اندیش ہونے میں کلام نہیں۔ (ماخوذ از سیر المآثرین، بادشاہ ہشامہ، مآثر الامراء، ظفر نامہ شاہجہان، آثار نامہ جہانگیر، نقص ہند، آزاد، سیر المآثرین، تزک جہانگیری، قاموس المشاہیر، ہسٹری آف جہانگیر، مینی پر شاہ ہسٹری آف انڈیا، سمتھ، اور اوزبیل ساگر، ریکل ڈکشنری) +

نوٹ نمبر ۲۔ نورجہاں۔ عمر النساء نامہ، نور محل اور نورجہاں خطاب، اعما والدولہ نواب مرزا فیاض بیگ طہرائی کی بیٹی۔ آصف خان خاندان کی بہن اور جہانگیر کی شہزادہ آفاق ملکہ تھی۔ امجد الدولہ کا خاندان دولت مغلیہ میں دی منزلت رکھتا تھا جو دولت بنو عباسیہ بغداد میں برکی خاندان۔ مگر خاندان برکی سیاسیات

اور اس میں اکثر قریباً نوک جھونک را کر تھی۔

لطیفہ۔ فتح پور سیکری جیسا دلکش مقام تھا اور بہ طرف سکوت طاری، چاندنی رات تھی اور زمین سے آسمان تک عالم نور، ہر چیز پر پنچو دی چھائی ہوئی تھی۔ مے و مینا کا دلدادہ جمانگیر شغل سے نوشی میں مصروف تھا۔ اس کی محبوبہ نور جہاں اپنے عادت کے موافق سفید لباس زیب تن کے پہلو میں بیٹھی ہوئی زہد فکرن اور تنوائی اداؤں سے اس کا دل بھرا رہی تھی۔ یکا یک اس منظر پر کیف سے سرشار بادشاہ کو جودھ بائی یاد آئی۔ اور اس کے متریک صحبت ہونے کا حکم ہوا۔ پرستاریں دوڑیں اور یہ آن کے آن میں سرخ لباس میں طبوس بادشاہ کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ بادشاہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نور جہاں کو رشک ہوا۔ بادشاہ سے کہنے لگی: "دیکھئے! جودھ بائی آخر بے نا ایک زمیندار کی بیٹی اور ہندوستانی گنوریا؟ کوئی پوچھے اس وقت سرخ جوڑا پہننے کی کیا تاک تھی؟ جہانگیر نے جودھ بائی کی طرف ایک مستی خیز نظر ڈالی کہ کیا جواب ہے؟ جودھ بائی نے عرض کیا "حضور! ان کا سماگ تو شیرا مگن خان کے مرنے سے اجڑ گیا۔ الدرکھے میرا سماگ فاقم ہے اور یہ دو ہاڑ چلے جا رہا ہے۔

چار نار تاس کا ہتیا ایک چھوڑ جن دو جا کیا

نور جہاں بید خضیف ہوئی اپنا سامنے لے کر رہ گئی اور اس قدر چھپی کہ الٹھ کر چل دی۔ جہانگیر ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گیا۔

قلعہ آگرہ و فتح پور سیکری میں جودھ بائی کے عالیشان محلات اب تک اس کی یاد دلانے رہتے ہیں۔ اس نے آگرہ میں سماگ پورہ کے نام سے ایک محلہ آباد کر کے اس میں اپنے عالیشان محلات و باغات تعمیر کرائے تھے۔ اب یہ محلہ ویران ہو چکا ہے۔ مرن اس کے عالیشان مقبرے کے جو اسی محلہ میں واقع تھا مٹے مٹے سے نشانات باقی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام اب تک جودھ بائی کے نام سے مشہور اور موضع بھوگی پورہ پگڑہ صد تحصیل آگرہ میں شہر کے متصل واقع ہے۔ اس لائق و فائق رانی نے ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹

نوٹ نمبر ۳۔ آصف خان۔ مرزا ابوالحسن نام، افتخار الدولہ مرزا غیاث کا بیٹا نورجہاں کا بھائی تھا۔ جہانگیر نے نورجہاں کے عقد کے بعد اعتقاد خان پھر سہ ماہ میں آصف خان خطاب دیا۔ آصف جاہ و آصف جاہی بھی کہلاتا تھا۔ شاہ جہان نے یہیں الدولہ خان خانان خطاب دیا۔ ۱۰۲۰ھ میں جہانگیر نے وزیر مقرر کیا۔ اس کی لڑکی ارجمند بانو بیگم جو عوام میں ممتاز محل تاج بی بی توابع عالیہ اور قدسیہ بیگم مشہور ہے، شاہ جہان کی بی بی تھی۔ ۱۶۰۱۔ شعبان ۱۰۱۰ھ۔ ۱۰۔ نومبر ۱۶۶۱ء یہ عمر سنہ سال یا بہتر سال انتقال کیا۔ شہر لاہور کے بالکل مقابل دریائے راوی کے کنارے مدفون ہوا۔ شہرستانہ خان، مرزا سیح، مرزا حسین اور نوشہ نواز خاں چار یادگاریں چھوڑیں۔ جو باپ کی طرح صاحب عزت و وقار ہوئیں۔ علم سے بہرہ کامل رکھتا تھا۔ محفولات میں بدطولی حاصل کیا تھا یہی وجہ ہے کہ فرامین شاہی میں اسے ان القاب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ غنیمتہ افروز نطرت انزاقی و دانش آموز طبیعت، مشائشاں، خوشنویس، درست محاورہ، سیاق و سباق، معاملہ فہم، ملائم، متوجع اور مردم شناس امیر تھا (ابن قاسم) \*

نوٹ نمبر ۴۔ شیر افکن خان۔ علی قلی نام قوم استیچلو سے تھا۔ یہ شخص پہلے شاہ اسماعیل ثانی بن شاہ طہا سپ شاہ ایران کے نعمت خانہ کا واروغہ تھا۔ شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد انقلاب سلطنت سے اکبر کے عہد میں براہ قند حارمہندوستان پہنچا۔ امیر الامرا خان خانان عبد الرحیم خان اس زمانہ میں مہم ٹھٹھ میں مصروف تھا۔ علی قلی نے بمقام ملتان اس کے حضور میں شرف یاریابی پایا۔ چونکہ جوان، خوش رو اور صاحب ہنر سپاہی تھا۔ اس لئے خان خانان نے بلا اجازت سلک ملاوان شاہی میں شامل کر لیا۔ اس مہم میں علی قلی سے کاروائی نمایاں طور پر آئے۔ بعد فتح ٹھٹھ خان خانان نے اسے دربار شاہی میں پیش کر کے اکبر سے اس کو اس کے لائق منصب دلوا دیا۔ اسی زمانہ میں مہر النساء بنت مرزا غیاث بیگ برآمد میں نورجہاں ہو کر دنیا میں چمکی، پر شہاب پھٹ پڑا۔ اس کے سادہ و پرفرن حسن اور اس کی بھولی بھالی اداؤں نے ولیعہد سلطنت شاہزادہ سلیم (المعروف بہ شہنشاہ جہانگیر) کے مرغ دل کو شکار کر لیا و ضعدار اور نیک نیت اکبر نے مہر النساء کے عقد کو سلیم کے ساتھ اپنی شان شاہانہ کی خلاف سمجھ کر اور یہ جان کر کہ امراء کی ہویہ پٹیاں نظریہ سے بچانے کے لئے بیگمات شاہی کے مساوی ہیں۔ اسے علی قلی سے منسوب کر دیا۔ شہزادہ سلیم نے مرزا غیاث پر دباؤ ڈالا۔ اس نے یہ غدر کر کے پچھا چھڑا لیا۔ کہ مجھ میں فرمان شاہی سے سرتابی کی مجال نہیں۔ چند روز بعد اکبر نے علی قلی و مہر النساء کا عقد کر کے علی قلی کو ہردوان میں جاگیر دے کر اور اس کو دجا کہ کا حاکم بنا کر رخصت کر دیا \*

یہاں حضرت عشق رنگ لائے سلیم نے باپ سے بغاوت کی اور ابوالفضل کو عقد کرنے کے مشورے میں بھی شریک تھا قتل کروایا۔ آخر پورنہا اور مرگ اولاد کے صدے اٹھایا ہوا اکبر دنیا سے کوچ کر گیا۔ اور بیٹے کی جاگیر کے لئے میدان خالی کر گیا \*

کی چھیدگیوں میں پڑ کر چن چن کر قتل کیا گیا۔ اور اس خاندان نے ازبندارنا انتہا نیا بت عز و وفار کی زندگی بسر کی۔ اور اس کے غلام تک خانی و خانی کے خطاب پا کر بڑے بڑے امراء پر سبقت لے گئے۔ اس خاندان کی دو بیگمات (ارجمند بانو بیگم المعروف بہ ممتاز محل اور مرالسا النماطیہ بہ نور جہاں) دولتِ مغلیہ کے دو جلیل القدر فرمانرواؤں یعنی شاہجہان اور جہانگیر کے جہادِ عقد میں رہ کر ان بادشاہوں کے پردے میں خود حکومت کر گئیں۔ اور بڑی شان کے ساتھ کر گئیں۔ نور جہاں ۱۶۱۷ء میں جبکہ اس کا باپ انتہائی افلاس و پریشانی میں ایران سے ہندوستان کا سفر تلاشِ معاش میں گمراہ تھا۔ جنگل میں پیدا ہوئی۔ اس کے باپ نے اپنے جوہر ذاتی کی بدولت دربار اکبری میں رفتہ رفتہ بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ اس کا ویدر شباب تھا کہ جہانگیر مرثا۔ اکبر نے مصلحتاً اس کا عقد شیر افکن خان کے ساتھ (جس کے حالات اجہی خواہشی کے ذیل میں درج ہیں) کر دیا۔ مگر جہانگیر نے تخت نشین ہو کر اس کے خاندان کے مارے جلنے پر اپنے عقد میں لے لیا۔ اور بادشاہ پر یہ اس قدر حاوی ہوئی کہ درحقیقت وہی حکمران ہندوستانی۔ سکول پر اس کا نام ٹھپہ ہوتا تھا۔ صرف خطبہ میں اس کا نام نہیں لیا گیا۔ ورنہ اس کا نام تمام کاروبار سلطنت میں شریک تھا +

وہ سید حسین، عقلمند، بسا اور حاضر جواب تھی۔ مخفی تخلص کرتی اور شعر کہتی تھی۔ ایجادِ دلِ طبیعت رکھتی اور مختلف چیزوں کی موجد تھی۔ مثلاً چھروانی، بیگماتی پانچا، پٹاچی کی گوٹ وغیرہ وغیرہ زیورات میں اس نے بہت سی دلچسپ ایجاد و اختراع کئے تھے۔ یورپ سے جو زیورات آتے ہیں ان میں بیشتر اسی کے ترمیم یا ایجاد کردہ ہیں۔ عطرِ مہلاب کی ایجاد مورفین کی غلطی سے اس کے نام سے مشہور ہے وراصل یہ اس کی ماں "دیوانچی بیگم" کی ایجاد ہے +

چونکہ اس کی بیٹی جو شیر افکن خان کے صلب سے تھی۔ جہانگیر کے بیٹے شہر یار کو بیابھی تھی اس لئے اس کی بہت طرفداری کرتی اور اپنے بھائی کے داماد شاہجہان کو بوجہ شریکِ سہیم سلطنت ہونے کے اکثر تنگ رکھتی تھی۔ چنانچہ دھولپور کو کشا جہان کی جاگیر میں تھا شہر یار کے نام پر منتقل کر دیا تھا اسی بنا پر شاہجہان جہانگیر سے باغی ہوا۔ آخر میں جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہان کو ہی کامیابی ہوئی۔ اور وہ تاجدارِ ہند بنا۔ اور نور جہان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ یعنی ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ اس کی پنشن مقرر کر دی۔ اور اس کے آخری دم تک اس کے ساتھ عزت و حرمت کا برتاؤ کرتا رہا +

نور جہاں جہانگیر کی وفات کے بعد بارہ برس تک شاہجہان کی پنشن خوار رہ کر ۱۶۵۷ء میں رگھو اے عالم باقی ہوئی۔ اس مدت میں وہ جہانگیر کا سوگ مناتی رہی۔ اور اس کی یاد میں کبھی رنگین کپڑا اپنے جسم سے مس نہ کیا۔ لاہور میں اپنے رفیقِ حیات جہانگیر کے پہلو میں مدفون ہوئی۔ (قصص ہند آزاں، دربار اکبری، قاموس المشاہیر، اور نیشیل سیل، ظفر نامہ) - ۱۲ +

روشنی ڈالی گئی ہے \*

رکار نامہ جہانگیری - سہٹری آف جہانگیر مصنفہ بی بی پرشاد ایم اے - قاموس المشاہیر - حیات نورجہاں مصنفہ محمد الدین فوق - دربار اکبری آزاد مرحوم - تاریخ ہند امی مارٹن ٹیمس ہندوستان

## جہانگیر کی وفات اور اس کے سپاہیوں کی کشمکش

ان تعلقات نے ۱۶۰۷ء میں جہانگیر کی رحلت کے بعد ایک خوفناک صورت اختیار کی آصف خان و نورجہاں (بھائی بہن) میں ایک عجیب کشمکش رونما ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے گھر میں حصول سلطنت کے لئے علیحدہ علیحدہ رہنمائیاں شروع کر دیں۔ امرا و اعیان دولت بھی علی قدر تعلق و اغراض ان دو میں سے کسی نہ کسی کے شریک ہو گئے اور انجام یہ ہوا کہ چند امراء کی مدد سے بھائی نے بہن کو نظر بند شہر یار کو متید اور خسرو (بن جہانگیر کے بیٹے) اور بخش کو مصلحتاً تخت نشین کر کے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اور زبانی جہانگیر کے انتقال کی خبر دکن میں شاہزادہ خورم کے پاس بنا رکھی و اس کی معرفت بھیجی \*

یہ بر قدم دھبہ رقتا پیک نیک شگون منزل چکر پٹی سے جو وسط کشمیر میں ہے روانہ ہو کر رواں دواں پراں شب و روز مسافت طے کرتا ہوا بیس روز کے عرصہ میں ۱۹ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ کو جنیور (جو سرحد نظام کی انتہا پر ہے) چاہنچا۔ اور آصف خان کی ہدایت کے موافق مصائب خان سے جو وہاں موجود تھا، عرض حال کیا۔ مصائب خان نے فوراً شکوے معلوم کیے خبر بھیجی شاہزادہ محل سے برآمد ہوا۔ بنا رکھی داس نے آصف خان کی مہر پیش کی اور اس حادثہ کا دکاہ کی اطلاع دی \*

نوجوان شاہزادے پر اس دلخراش اور جگر دوز خبر سے کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ باپ کا سایہ سر پر نہیں۔ نظم سلطنت میں اختلال پیدا ہو گیا۔ باغی، غادر، خائن خود غرض اہل خاندان و اراکین سلطنت جن کی قوت و اقتدار نے قمر مانی کا درجہ حاصل کر لیا ہے اپنی شہانہ حرقتوں سے سلطنت کو ذاتی ترقیوں اور ہوس پرستیوں کی آماجگاہ بنانے کے لئے تیار ہیں خود

سلطان سلیم نے جہانگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اور کچھ ایسی الجھنوں میں پڑا کہ ہر النساء کا عشق افسانہ خواب بن گیا۔ اسی زمانہ میں علی قلی نے تلوار سے شیر کا شکار کیا اور حضور شاہی سے اس کو شیر افگن خان کا معزز خطاب ملا +

کچھ دنوں بعد وہ بادشاہ سے مشکوک ہو کر اور خدمات شاہی سے سنعفی ہو کر اپنی جاگیر پر چلا گیا +

سلطنت میں بادشاہ نے اپنے رضاعی بھائی شیخ جیون مخاطب نواب قطب الدین کو کہ دوختر زاوہ حضرت شیخ سلیم حشمتی کو نکال کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیجا۔ وہ ایک دن بروہان گیا شیر افگن خان نے اس کی آمد کی خبر پا کر اس کا استقبال کیا۔ شیخ موصوف نے دوران ملاقات کہا: اگر تم ہر النساء کو طلاق دے کر اس کا عقد بادشاہ سے کر دو تو مناسب ہے۔ شیر افگن خان نے شیخ پر اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اور شیخ کے ساتھیوں نے اسے گھیر لیا۔ شیر افگن خان نے مروانہ دار مغالہ کیا۔ کچھ کو مارا کچھ کو زخمی کیا۔ لیکن خود بھی زخمی ہو گیا۔ اور چاہا کہ بھاگ کر حرم سرا میں پہنچے اور یا یہ فساد و عناد ہر النساء کو قتل کر کے اطہیان سے جان وے۔ ہر النساء اپنی خلقی دانائی سے معاملہ کی تہ کو پہنچ گئی۔ دروازے بند کر دئے۔ یہاں تک کہ شیخ کے آدمیوں نے شیر افگن خان کو گھیر کر مار ڈالا۔ تمام مال و اسباب حسب دستور سلطنت ضبط کر کے ہر النساء اور اس کی لڑکی کے پایہ تخت کو روانہ کر دیا گیا۔ دل بہلنسا۔ خدیجہ الزمانی رقیہ سلطانیہ بیگم یا بقول بعض سلیمہ سلطان بیگم (مادران جہانگیر) کی نگرانی میں ویدی گئی +

عرصے تک وہ بادشاہ کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند نہ ہوئی۔ لیکن آخر کار تاج و تخت کو ٹھکرا نا مناسب نہ جان کر اس نے شہنشاہ میں جہانگیر سے عقد کر لیا۔ اور پہلے "نور محل" پھر "نور جہاں" خطاب پا کر دولت تیموریہ میں اپنے خاندان کی وہ وقعت کرا دی۔ جو بنی عباسیہ کے عہد میں ہر ایک کو بھی میسر نہ آئی +

شیر افگن خان ایک حسین، وضعدار، باغیرت، داب محفل کا ماہر، علم مجلسی میں کامل، بہادر اور ذہیر دل نوجوان تھا۔ اسے فن نجوم میں مہارت تاملہ حاصل تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ چھت پر کھڑا ستاروں کی سیر کر رہا تھا۔ نور جہاں پاس کھڑی تھی اس نے کہا: ذرا میرے متعلق تو دیکھو، تھوڑی دیر غور کرنے اور زاپٹے پر نظر ڈالنے کے بعد شیر افگن خان نے کہا: "بیگم! میں چتر شاہی کو تمہارے سر پر نشانہ سمونے ہوئے دیکھتا ہوں، نور جہاں نے باتوں ہی باتوں میں ٹال دیا۔ لیکن اس واقعے کے بعد وہ اکثر فکر مند رہتا تھا اور نور جہاں بھی گھبرا کر کہتی تھی +

ہمت سے موزین نے جہانگیر کو اس معاملہ میں بھی بدنام اور شیر افگن خان کے قتل کو اسی کے اشارے پر معمول کیا ہے۔ اس مختصر میں اتنی گنجائش کہاں کہ نقد تبصرہ واقعات کیا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسا نہ تھا۔ جو بایں تفصیل کو کارنامہ جہانگیری یعنی جلد ہشتم تاریخ ہند مسالہ العلماء مولوی ذکاؤ الد صاحب مرحوم کا تتمہ دیکھنا چاہئے۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ اس امر پر کافی

صحیح النسب سادات رضویہ سے تھا۔ پہلے مرزا محمد حکیم (برادر اکبر) کا ملازم تھا۔ بعد اس نے اکبر کی ملازمت کر لی تھی۔ زمانہ بیگ بچپن میں احدیان جہانگیر کے سلسلہ میں منسلک ہوا اور بہت جلد حسن خدمات کے باعث بخشی شاگردِ پیشہ کے عہدے پر پہنچ گیا۔ عالم شہزادگی و بغاوت میں جہانگیر نے کسی کار نمایاں پر اسے صابت خاں خطاب دیا اور بادشاہ ہونے پر اس کی بڑی قدر افزائی کی۔ ۱۶۳۵ء میں اس نے نور جہاں کے انزاور اس کے بادشاہ کے مزاج میں حد سے زیادہ ذلیل ہو جانے کی وجہ سے تنگ آکر جہانگیر کو نظر بند کر لیا۔ نور جہاں اپنے شوہر کی خاطر لڑی۔ اور کچھ ہی دن بعد جہانگیر آزاد ہو گیا۔ نور جہاں اور فنا جہاں کے مابین جب کدورت پیدا ہوئی تو یہ شاہ جہان کی گوشمالی پر دربار شاہی سے متعین ہوا۔ آخر کار جہانگیر کی جہانگیری کو ختم اور نور جہاں کی شمع اقبال کو بے نور ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کی دورانِ پیشی نے اسے شاہ جہان کا خیر خواہ بنا دیا۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ خواجہ اجمیری و خواجہ غریب نواز کے مزار پر انوارِ شاہ جہان کی وقاری کا عہد کیا۔ سلسلہ شاہ جہانی میں خطاب خاں خاں، سپہ سالاری، منصب ہفت ہزاری، ہفت ہزار سوار اور صوبہ اجمیری کی صوبہ داری پائی۔ ۱۶۴۵ء میں دہلی کا صوبہ و اضطرر کیا گیا۔ برطانویوں نے اسے تنگ کر کے مرض جھکندر میں مبتلا ہوا، بد پرہیزی و بال جان ہوئی۔ اور ۱۶۴۵ء میں وفات پائی۔ تاریخ ہوئی عز زینہ آرام گرفت حسب وصیت اس کی لاش کو اس کی معتقد اور کاشعار راجپوت فوج نے دہلی پہنچایا۔ جہاں شاہ مردان کے قریب دفن کی گئی +

صابت خاں جو قش (نجوم) کا ماہر تھا۔ ایرانیوں کی صحبت بہت پسند کرتا تھا۔ ابتداءً اس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ لیکن آخر میں مذہب امامیہ کا پیرو ہو گیا تھا۔ صوم و صلوة کا پابند نہ تھا جس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا کچھ بھی ہو جانا بے رخی نہ کرتا۔ اور اس کی ذلت گوارا نہ کرتا تھا۔ اس درجہ کریم الطبع اور سادہ مزاج تھا کہ باوجود ایک کروڑ روپیہ سالانہ کے سب روپیہ صرف کر ڈالتا اور ساری پوشاک جو خود زیب تن کرتا پانچ روپیہ سے زیادہ کی نہ ہوتی تھی۔ اپنے کاروبار سے بچکر رہتا۔ لیکن معاملات سرکاری میں سخت اور جزیرس تھا۔ شاعر تھا۔ لیکن اظہارِ شاعری کو میسر نہ دیکر وہ جانتا تھا۔ اسی کا شعر ہے

ننگ دلم بود کہ پشت آرزو کند دوزخ نصیب من بود آرزو عباد

غرض یہ کہ بہت اچھا، ہر دلعزیز اور جامع کلمات سروار تھا۔ بے عیب و نقص حرفِ خدا کی ذات ہے۔ یہ کیونکر خالی رہتا کہ انسان تھا۔ ظلم اور درندگی کے دھبوں سے اس کا دامن آلودہ

پانچ بیٹوں میں سے دو مرزاان اللہ المتخلص بہ امافی اور لہر اسپ صابت خاں، باپ کے قدم بہ قدم چل کر نام کی زندگی کا باعث ہوئے۔ باقی تین نے کوئی خاص ترقی نہ کی اور گن نام شہر خاموشاں میں جا بسے +

اپنے کو روکتا ہے۔ نوپاپ دادا کی بنی بنائی سلطنت مٹی جاتی ہے۔ آگے قدم بڑھاتا ہے تو خانہ جنگی کا وہ سیلاب عظیم پیش نگاہ ہے۔ جس سے سلطنت ایک حباب نظر آتی ہے غرضیکہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ خود و رطلہ حیرت و استعجاب میں غرق ہے۔ کہ دور اندیشی، صبر اور استقلال کے فرشتوں نے فوراً آگے بڑھ کر کان میں کہا۔ ”یہ موقع رنج و غم کا نہیں۔ اگر آپ اس صدمے سے اپنا برا حال کریں گے تو رعایا جو ودیعت ایزدی ہے۔ پریشان، تباہ اور برباد ہو جائیگی۔ قدرت کو ابھی آپ سے بہت سے کام لینا ہیں۔ ضبط کیجئے اور جلد از جلد دار الخلافہ میں پہنچ کر زمام سلطنت دست حق پرست میں سنبھالئے خدا نخواستہ نوع و گھر بٹوا اور دراندازوں کو موقع ہاتھ آگیا تو کچھ بنائے نہ بن پڑیگی۔ یہاں اور وہاں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی۔ آل تیمور کا نام و نشان مٹ جائیگا۔“

**نوٹ نمبر ۱۔** داور بخش۔ داور بخش سلطان نام۔ مرزا بلاتی عرف خسرو کا بیٹا، جہانگیر کا پوتا، خان اعظم کو کلتاش خان مرزا عزیز کا نواسہ تھا۔ نورجہاں نے اسے شہریار کے پاس نظر بند کر دیا تھا جہانگیر کی رحلت کے بعد آصف خان نے جو مستقل طور پر شاہجہان کی تخت نشینی کا حامی تھا۔ اس کے ماموں ارادت خان کی مدد سے عارضی طور پر تخت نشین کر دیا تھا۔ شہریار بھی دعویدار سلطنت تھا اس لئے اس کے اور داور بخش کے مابین جنگ ہوئی۔ شہریار شکست کھا کر گرفتار ہو گیا ۲۵ جلدی اللہ ۱۶۱۶ء کو شاہجہان کے اشارے سے آصف خان نے داور بخش، اس کے بھائی گشتا سپہران دانیال (طہورت)، ہوشنگ اور بایسنقر اور شہریار کو قتل کر دیا (تظفر نامہ شاہجہان آفرامہ)۔

تاموس المشاہیر) +

**نوٹ نمبر ۲۔** ہنارسی واس۔ مشرف فیما بینہ شاہی، نیز دوی و سبکروی میں کیتاے عصر تھا (دیکھو یاد و شاہنامہ۔ آثار و نظریات) لیکن مولانا آزاد مرحوم نے قصص ہند میں اس کا نام تمنا پاری اور اس کو ایک ہرکارہ لکھا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ ایک اشرفی کوس تو اس کو اسی وقت دیا گیا تھا۔ اور انعام و اکرام کا وعدہ الگ تھا۔ اس نادک موقع پر اس کے بھیجے جانے سے اس کا معتبر ہونا ظاہر ہے اور نیز دوی کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ دو عینے کی منزلیں بین دن میں اس لئے کر ڈالی تھیں۔ کمان ہے کہ یہ پہلے ایک ہرکارہ ہی ہو۔ مگر اس خدمت اہم کی انجام دہی کے صلہ میں بھد شاہجہان مشرف فیما بینہ بنا یا گیا ہو۔ + ۱۲

**نوٹ نمبر ۳۔** تظفر نامہ شاہجہان۔ سیر المتاخرین۔ + ۱۲

**نوٹ نمبر ۴۔** حمایت خاں۔ زمانہ بیگ نام، اس کا باپ غیور بیگ جو باغیہ کابل اور

ہندو جہاں زردے عدد ہر دو چل کیست شہرا خطاب شاہجہانی مبرہن است  
یعنی ہندو جہاں دونوں لفظوں کے عدد ایک (۵۹) ہیں، اس لئے شاہ ہند کو  
شاہجہان کہہ سکتے ہیں \*

نوٹ نمبر ۱۔ آگرہ :- بقول واحد یار خاں بی اے (صاحب "ارض تاج") اس شہر  
کی وجہ تسمیہ بھی مورخین کے اختلافات کی ایک عجیب و غریب جولا نگاہ ہے \*  
کوئی کہتا ہے "آگرہ" ظن نکساری کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ وہاں نکساری ہوتی تھی  
اس لئے یہ نام پیدا ہوا \*  
بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ "اکلا" یا "آگرہ" یعنی قدیم سے منسوب ہے \*  
بعض کا بیان ہے کہ آگرہ کے معنی گھر ہیں۔ بعض آگر وال بنیوں کے اس شہر کو  
بسانے کے باعث اس کا نام آگرہ بتلاتے ہیں۔ مگر تیقن کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا  
کہ صحیح کیا ہے \*  
اکبر اور جہانگیر کے عہد حکومت تک یہ شہر اسی نام سے موسوم رہا۔ مگر شاہجہان  
نے حسب روایت صاحب بادشاہنامہ اس لفظ کو بے معنی سمجھا کر اکبر آباد نام رکھا جو  
کافذات شاہی میں تو مدتوں زندہ رہا۔ لیکن عوام کی زبانوں پر نہ چڑھ سکا۔ جب بھی  
آگرہ تھا اور اب بھی آگرہ ہے۔

نوٹ نمبر ۲۔ ظفر نامہ۔ کارنامہ جہانگیری۔ سیر ۱۳ \*

نوٹ نمبر ۳۔ ظفر نامہ و قاموس المشاہیر۔ ۱۲ \*

نوٹ نمبر ۴۔ لین پول۔ ظفر نامہ۔ ۱۲ \*

نوٹ نمبر ۵۔ شعر العجم حصہ سویم مصنفہ مولانا شبلی مرحوم۔ نیز دیکھو "حیات صالح" مصنفہ  
منشی سعید احمد ماہروی (صاحب امرائے ہنود) جہاں یہ لطیفہ علامی نواب سعد الدخان چنبوٹی  
وزیر شاہجہان (المتوفی ۱۰۶۶ھ) کی طرف قبل عطائے منصب وزارت کے واقعات میں منسوب  
ہے۔ میں مولانا شبلی مرحوم کی تحقیق سے متفق ہوں۔ کیونکہ مولانا نے جہاں یہ لطیفہ درج کیا ہے وہیں  
ذیلی حاشی میں اس کا ماخذ کلمات الشعراء سے سرخوش کو ظاہر کرتے ہوئے مخیر فرمایا ہے لیکن سرخوش  
نے دوسرا مصرع جس طرح نقل کیا ہے دیوان میں نہیں۔ اس لئے میں نے دیوان کے مطابق نقل  
کیا ہے۔ جس سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ یہ شعر طالب کلیم ہی کا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو  
اس کے دیوان میں کیونکر داخل ہو جاتا۔ دیوان طالب کلیم اور تذکرہ سرخوش کے مابین صرف دوسرا  
مصرع مختلف فیہ ہے۔ پہلے میں اختلاف نہیں، اور اصل توجیہ لقب ہندو جہاں  
کا ہم عدد ہونا، پہلے ہی مصرعے میں ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس پورے شعر کو اب طالب کلیم

ہماہت خان نے آگرہ میں جہان کے کنارے پچاس بیگہ زمین پر ایک عمارت اپنے رہنے کے لئے بنائی تھی جس کے کھنڈر ابھی تک باقی ہیں۔ (ماخوذ از قاموس المشاہیر اور ٹیل میاگر فیکل ڈکشنری آثار اللہ) بادشاہانہ تاریخ ہند مصنفہ و سنٹ اسمتھ سوانج جہانگیر مصنفہ بینی پرشاد ایم اے قصص ہند آزاد اور حیات نوری (۱۲ - ۱۳)

## ہواپرستان سلطنت کا قتل اور شاہجہاں کی تاجپوشی

مستقل خراج، عالی حوصلہ اور جوان ہمت شاہزادے نے ان حقیقی اور سچے غیبی نصیحت کرنے والوں کے پسند و نصائح کے سامنے سر تسلیم و رضا خم کر دیا اور ظل البد کے سایہ عاطفت کے اٹھ جلتے اور واقعات و حالات کے پیچ در پیچ ہو جانے کی وجہ سے ٹوٹتے ہوئے دل کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالتے ہوئے ۲۳۔ ربیع الاول ۱۶۲۷ء کو نجومیوں کی مہورت کے موافق گجرات کی راہ سے آگرہ کا رخ کیا۔ تریپدا کو عبور کر کے اپنا ایک ہراول آصف خاں کے پاس بھیجا۔ رموز و اشارات نے پردے پردے میں کام کیا۔ اور تھاندان اکبری کے ہواپرستان سلطنت سیاسیات کا شکار ہو کر مصالح ملکی کے دیوتا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب خورم کے لئے میدان صاف تھا۔ اس لئے کہ آصف خاں جیسے زبردست شاطر نے بساط حکمرانی پہلے ہی سے خالی کر رکھی تھی۔ لہذا آگرہ پہنچ کر بروز دو شنبہ ۲۴۔ جمادی الاول ۱۶۲۷ء کو چھتیس سال کی عمر میں شہاب الدین محمد شاہجہاں کے لقب سے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

لطیفہ :- شاہجہاں کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی دن بعد سلطان روم نے اُسے ایک خط میں لکھا :- آپ صرف ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔ پھر آپ نے لقب شاہجہاں کیوں اختیار کیا؟ شاہجہاں کو بھی خیال پیدا ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے اور یکلین الدولہ (اصغر خان) سے کہا: کوئی اور لقب اختیار کرنا چاہئے۔ ملک الشعراء، ابوطالب، کلیم، ہمدانی کو جو خبر ہوئی تو اس نے اسی وقت قصیدہ لکھ کر حضور میں پیش کیا۔ جس میں لقب کی یہ توجیہ کی

بلکہ رعایا کی بہبود اور مملکت کی فلاح کا ایک درد اس کے دل میں تھا جس کی جانب وہ توجہ رہا اور اس کے صلہ میں منعم حقیقی نے اس کو فراوانی آمدنی اور توسیع وسائل آمدنی سے مالا مال کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس سطوت و جبروت، شان و شکوہ، جاہ و جلال اور بدبہ وقربانی کے ساتھ اس نے سلطنت کی اس کی مثال دنیا کے بادشاہوں میں کم ملتی ہے۔ جس کی ایک کیفیت علامہ آزاد، دہلوی نے جلوس تخت طاؤس کے سلسلہ میں یوں ظاہر کی ہے۔

”جب جاہ و حشم کے ہجوم کے لئے آگرہ اور لاہور کے قلعوں میں گنجائش نہ رہی تو دلی میں ایک نیا قلعہ بنوانا شروع کیا کہ قلعہ آگرہ سے دو چاند اور لاہور سے چند در چند زیادہ ہو۔ چنانچہ کروڑ روپیہ کی لاگت سے دس برس میں بنکر تیار ہوا۔ میر عمارت نے عرضی لکھی۔ خود بدولت ہو ادار آبی پر سوار ہو کر لب دریا کے دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے۔ قلعہ کو ملاحظہ کیا سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے گل رنگ، اس پر سنگ مرمر کے حاشیہ کا نرالا ڈھنگ، برجیاں، فصیلیں اور مرغولیں خوشنما، عمارتیں اور باغ اور باغوں کی نہریں ایسی دلکش کہ اگر بے مبالغہ بھی ایک ایک کی تفصیل لکھی جائے تو ایک دفتر آراستہ ہو جائے۔ کل قلعے کا نقشہ دیکھو تو کاغذ پر ایک ہشت پھلو پھول نظر آتا ہے۔ غرض کہ جشن کا سامان شروع ہوا۔ دیوان عام کے سامنے وہ نشانیہ کہ جس کا نام دل بادل تھا اور دیوان خاص کے میدان میں سامنٹل خیمہ استادہ ہوا۔ جس کا کلس خیمہ فلک کے پار دکھانا تھا۔ یہ بھی سات برس کے عرصے میں تیار ہوئے تھے۔ اور ہزاروں گز پشمین کشمیر کے اور محض زربان گجرات کے ان پر خرچ ہوئے تھے۔ دونوں ہونے کے ستونوں اور چاندی کے استادوں پر کھڑے تھے۔ ان کے آگے خوشنما نشانیہ نے پطلسی

کی حاضر جوابی کا ثمرہ نہ سمجھیں یا اس واقعہ کو اس کی طرف منسوب نہ کریں = ۲ =  
 نوٹ نمبر ۲ - ابو طالب کلیم - ہمدان کا رہنے والا تھا۔ جہاں تکیر کے عہد حکومت میں  
 ہندوستان آیا، اور شاہ نواز خاں صفوی (عالمگیر کے خسر یعنی فتحزادی زیب النساء اور شہزادہ  
 محمد اعظم کے نانا) کے دربار میں رسائی پیدا کی۔ ۱۷۲۵ء میں وطن کو واپس کیا۔ دو برس بعد پھر  
 آیا، اور میر جملہ شہرستانی کا دامن پکڑا۔ لیکن دربار تک رسائی میسر نہ آئی۔ اس کے رسائی دربار  
 میں ناکام رہنے کے دو وجوہ تھے۔ ایک تو یہ کہ ملک الشعراء دربار جہاں تکیری طالب آئی کے  
 سامنے اس کی شاعری فروغ نہیں پاتی تھی۔ دوسرے وجوہاں اس کی شاعری کی معتقد نہ تھی  
 بلکہ اسے اس پر اعتراض اور کیا کرتی تھی +  
 لطیفہ - ایک دفعہ کلیم نے ایک شعر کہا اور خوب دیکھ بھال لیا کہ کہیں حرف رکھنے کی  
 جگہ نہیں ہے

ز شرم آب شدم کاب رائے کتے نیست بجز تم کہ مرا روزگار چوں بشکست  
 اور جہاں کی خدمت میں بھیجا۔ وہ فوراً بول اٹھی "بج بست و پس بشکست" یہ اپنا سانس لیکر رہ گیا  
 ۱۷۲۵ء میں پھر وطن واپس گیا، اور تیسری مرتبہ شاہجہان کے عہد حکومت میں ہندوستان  
 پہنچا۔ رفتہ رفتہ اس کے دربار میں رسائی ہو گئی اور اس کو ملک الشعراء کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۷۳۰ء  
 میں وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوا +

بعض لوگوں نے اسے اور سعید اے گیلانی مخاطب بے بدل خان کو ایک سمجھا ہے۔  
 ہم نے بے بدل خان کے حالات میں حاشیہ ۷۷ حواشی ص ۷۷ پر رفع اشتباہ کیا ہے +  
 طالب کلیم کے کلام میں حسن تعلیل عطا پیمانہ پر موجود ہے۔ مثالیہ مضمون کی بنیاد جسے صاحب  
 (المتوفی ۱۷۳۰ء) نے حد کمال پر پہنچایا اسی کی ڈالی ہوئی ہے۔ صاحب دیوان بے کلام کا  
 اندازہ ان دو شعروں سے کرو +

روض جہاں قابل دیدن دوبارہ نیست روپس نہ کرو ہر کہ ازیں خاکدال گذشت  
 کے بہر تاجرے چاک جبکہ خواہم نمود من کہ ز خمش رانہاں از زخم سوزن داشتتم  
 (ماخوذ از شعر العجم، قاموس المشاہیر)

## شاہجہان کا طور و طریقہ

ابتدائی زمانہ میں بمقابلہ اور مغل سلاطین کے شاہجہاں کو خاندانی مخالفین کے صاف  
 کرنے کے علاوہ بیرونی دشمنوں کے الجھاؤ میں کسی خاص انتظام و انصرام کے ساتھ زیادہ  
 عرصے تک پڑے رہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اور وہ توسیع سلطنت کا حریص بھی نہ تھا۔

ہوا مگر اقبال کا رعب و داب دیکھ کر قدرت خدا یاد آتی تھی۔ چنانچہ کٹرے  
 کے باہر اول مین و ایسار شہزادے والا تبار، بعد ان کے راجہ ہمارا راجہ ملک  
 ملک کے حاکم، امیر و وزیر اپنے اپنے عہدے لئے کھڑے مگر تمام فرمانبرداروں  
 کی آنکھیں زمین پر اور گوش دل فرمانروا کے حکم پر لگے تھے۔ ہر ایک درمیں دو  
 دو خاص بردار تحمل کی غلاف دار بند و قین کندھوں پر بادے کی جھنڈیاں  
 ہاتھوں میں لئے بہت بنے ہوئے قائم تھے۔ یاہر کے دالان میں اور عہد پیدار  
 منصب دار حکم کے منتظر حاضر تھے۔ اس کے آگے کے دروں میں تین تین  
 حبشی جیسے کالے کالے پہاڑ آنکھیں لال لال زربفت کی دریاں پہننے  
 ہتھیاروں میں اوچی بنے اگر زباے فولادی کندھوں پر، یادے کی بیرقیں  
 ہاتھوں میں۔ تیسرے درجے میں اہلکار اور ہر کارخانے کے کاردار ہتھیار  
 قلمدان بٹل میں، بستے آگے رکھے موجود تھے۔ اور دروں میں سپاہی ننگی تلواریں  
 علم کئے، قد آدم چاندی کے کٹرے سے لگے خاموش کھڑے تھے۔ یاہر تیس  
 تیس گز کا فاصلہ دے کر پھر چاندی کا کٹرہ اکھڑا کیا تھا۔ اور اس کے برابر سپاہی  
 جن میں دائیں پر ترک، بائیں پر افغانی، سامنے راجپوت اپنی اپنی دریاں پہننے  
 روپلی بیرقیں ہاتھوں میں لئے جمے تھے۔ یہاں سے دروازے تک سواروں  
 کے پرے دو دستہ، پابستہ آراستہ تھے۔ جو درباری لوگ آتے، پرے پرے پر  
 اپنے اپنے نام و نشان بتاتے اور آگے چلے جاتے۔ مگر دیدے کا یہ عالم تھا کہ  
 ہوش و حواس کے قدم ٹھرانے تھے۔ دربار میں پہنچ کر تین تسلیم گاہوں پر تسلیم بجا  
 لاتے تھے۔ جب لقیب آواز دیتا تھا "آداب بجا لاؤ! جہاں پناہ بادشاہ سلامت  
 عالم پناہ بادشاہ سلامت!" تو دل سینوں میں دہل جاتے تھے۔ کٹرے کے پاس  
 کورنش کا آداب ادا کرتے تھے۔ غرض اول شاہزادوں کی نذر میں گذرنی شروع ہوئی

وزیر بانی، سنہری روپلی جوتوں پر تانے گئے۔ ایوان عالی جس طرح طلائی چھت کی مینا کاری سے گوناگوں تھا۔ ویسے ہی ایرانی قالینوں اور بنارس کی کھابوں سے بوقلموں تھا۔ صدر سے لے کر پانڈاز کے ایک ایک مکان تک دو دیوار کو محفل نربان، باد لہ کجواب پر وہ ہٹے فرنگی، دیبائے رومی، اطلس چینی سے نگارخانہ چسپ کر دیا۔ صدر میں تخت طاؤس سجایا۔

تخت طاؤس نمونہ عجائبات دنیا کا تھا۔ کروڑ روپیہ کہنے کو دو لفظ اور ایک بات ہے۔ مگر خیال کرنا چاہئے کہ آج اس قدر سونے اور جواہرات کے لئے کس قدر دریا اور پہاڑ اٹٹے پڑتے ہیں۔

بارہ مرصع سنوئوں پر مغزق محرابیں اور جڑاؤ مینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے پلے تک خالص کندن اور آبدار جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا اور تین میٹری اوپر بلند چوہترے پر یہ عالم تھا گویا ایک ستارے کا نگینہ ہے۔ کہ انگوٹھی پر دھرا ہے۔ اس کی روکار کی محراب پر ایک درخت طلائی بھاری دھرا تھا۔ جسے سبزہ و الماس سے سرسبز اور لعل و یاقوت سے گل رنگ کیا تھا اور دھرا اس کے دو مور رنگارنگ کے جواہرات سے مرصع چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لئے اس طرح کھڑے تھے گویا اب ناچنے لگتے ہیں۔ چاروں طرف چار چتر زرنگار جن میں موتیوں کی جھال بھلملاتی تھی۔ آگے ایک شامیانہ کہ جواہرات اور موتیوں کی آبداری سے دریائے نور کی طرح لہراتا تھا۔ اور ایک لاکھ روپیہ کی لاگت میں تیار ہوا تھا۔ سونے روپے کی چوبوں پر استادہ تھا۔ گرد اس کے کرسیاں اور چکیاں اپنے اپنے مرتبے سے سجی ہوئی تھیں۔ تخت کے گرد پاس ادب کے لئے کئی کئی گز تک ماشیہ چھوڑ کر چاندی کا کٹہرا ایسا خوشنما لگا تھا کہ جس کی مینا کاریاں مرغ نظر کو شکار کرتی تھیں۔ مرغز و بار راستہ

میں عالمگیر کے سفر کشمیر کے دوران خیمہ ہے معروف بہ خاص و عام کی کیفیت لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے "اس میں ۳-۴ بیچ موٹے روٹی کے گدیوں کا فرش ہوتا ہے اور ان پر سگفت قالین اور زربفت کی مربع سندیں آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لئے بچھی ہوتی ہیں + اس رسم دیرینہ کی یادگار باوجود تغیر تمدن و ترقی تہذیب کے دیسی ریاستوں میں کمیں کہیں اب بھی باقی ہے۔ اور وہاں بڑے بڑے حکام اور خود والی ریاست عموماً یا خاص خاص موقعوں پر اب تک مسند تکئے ہی پر اجلاس کرتے ہیں +

درحقیقت سلاطین مغلیہ کے دربار کا آئین یہ تھا کہ بادشاہ کے سوا دربار میں کوئی بیٹھ نہ سکتا تھا۔ امراء و وزراء، اہل خاندان اور شاہزادے یہ سب کے سب دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ برنیر نے اپنا چشم دید آئین دربار جو لکھا ہے یہ ہے: "اس دیوار کے وسط میں جو محلہ اسے اس (یعنی عمارت خاص و عام) کو جدا کرتی ہے۔ قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر روز بادشاہ دوپہر کے قریب آن کر تخت پر بیٹھتا ہے۔ اور دائیں بائیں شاہزادے کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے اور بڑے بڑے سیکھے جھلے یا داٹے خدمات کیلئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ جس میں تمام امراء اور راجہ وغیرہ کے سفیر آنکھیں نیچی کئے ہوئے اور ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار یعنی چھوٹے امراء کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلیٰ اور ادنیٰ مفلس وغنی سے بھرا رہتا ہے" صاحب آثار الصنادید نے دیوان عام کے حالات میں لکھا ہے: "یہ والان امراء اور وزراء اور وکلاء کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا ہے" اور عالمگیر نامہ و آثار عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امراء کو اعزازاً ایک ایک مرصع چھڑی (عصا) اس عرض سے عطا ہوتی تھی کہ وہ اس کے سہارے سے دربار میں کھڑے رہا کریں +

جیسا کہ پرانے زمانہ کی تصویروں اور درباری مرفعوں میں بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں آئین مذکور کی دلیل ہیں +

شاہان مغلیہ کے درباروں یا ان کی مخصوص صحبتوں میں اگر کسی کو بیٹھنے کی اجازت مل جاتی تھی تو یہ حد درجہ کی شاہی عنایت اور بے انتہا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ صاحب دربار اکبری اکبر کے حالات و آئین کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: "بندگان خاص کو جس خلوت میں بارہتے تھے۔ بیٹھنے کی اجازت پانے تو سجدہ نیاز کرتے تھے" جہاں گہرے (جیسا کہ ہم متن میں کہیں لکھ چکے ہیں) جب فتح دکن کے صلہ میں شاہزادہ خورم کو "شاہجہان" کا خطاب اور تخت کے قریب مسند پر بیٹھنے کا اعزاز مرحمت کیا تھا۔ اس موقع پر وہ جہاں گہر نامہ میں خود اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے: "عنایتے است نمایاں و لطفے است بے پایاں کہ نسبت باں فرزند سعادت محمد

ہر ایک کو خلعت اور ترقی منصب کے احکام سنائے گئے۔ علامہ سعد اللہ خان  
 وزیر اعظم کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب عنایت ہوا۔  
 عبرت۔ دربار میں یہ شان پروردگار آشکار تھی کہ دفعتاً بادشاہ آبدیدہ ہوئے  
 اور دونوں ہاتھ فاتحہ کو اٹھائے، ساتھ ہی سب اہل دربار نے ہاتھ اٹھائے  
 مگر پاس ادب سے کوئی شخص جرأت سوال نہ کر سکا۔ بعد فاتحہ کے خود بادشاہ  
 نے کہا: "اے بندگان با اخلاص! جو خیال اس وقت میرے دل میں گزرا،  
 اس کا اظہار تم پر بھی واجب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک آبنوس  
 اور ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھ کر دعویٰ خدائی کا کیا۔ گواہ اور آگاہ ہو!!! کہ جس  
 تخت و تکر سے اس نے وہ دعویٰ کیا تھا۔ میں اس سے لاکھ مرتبہ مجز و نیاز  
 کے ساتھ عبودیت الہی کا اقرار کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اٹھا اور دو گنا نہ شکر رائے  
 کا بجا لاکر دیر تک پیشانی کو زمین تیار پر ملتا رہا۔ وقت کی تاثیر سے دربار  
 میں سنائے کا عالم ہو گیا۔ سب کے دل آپ ہو گئے اور سینوں کے دلولوں  
 نے دم گرم سے اس ایوان میں ایک گونج پیدا کی۔ بادشاہ سجدے سے اٹھ  
 کر دوبارہ مست پر بیٹھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر خدا پرست تھا۔

نوٹ نمبر ۱۔ منقول از "قصص ہند" ۲۴۲ اور مرحوم۔ ۱۲۔

نوٹ نمبر ۲ لغایت ۴۴ کے لئے دیکھو حواشی ص ۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶

ان لوازم آرائش میں قسم بڑھ جائے دولت آئین است بر کرسی ہے زرین و سیمین چیدہ شدہ \*  
 متبعین تہذیب حاضرہ کرسیوں پر چیزوں کے چنے اور سجانے جانے کا مضحکہ اڑانے  
 کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن ہمیں اسلاف کے مراسم کو ہمیں نگاہ ادب آمیز سے  
 دیکھنا چاہئے۔ جس طرح ہر ملکہ و ہر رسمے مشہور ہے۔ اسی طرح ہر عہدے و ہر رسمے مسلم  
 زمانہ و تہذیب زمانہ ہر روز تغیر میں ہے۔ کیا عجب کہ ہمارے مستقبل میں ہماری طور و طریق  
 قابل مضحکہ سمجھے جائیں \*

اس زمانہ میں خود کرسیاں عجائبات میں شمار ہوتی تھیں۔ اور حق یہ ہے کہ خوب خوب بنتی  
 تھیں۔ بس اگر ان سے یہ کام لیا جاتا تھا تو کیا برائی تھی۔ اور جگہوں کا تو حال مجھے معلوم  
 نہیں۔ البتہ آگرہ میں میں نے عشرہ ادے محرم الحرام میں دیکھا ہے۔ کہ ورزشی اور کرتبی  
 اکھاڑوں کے مرکزوں میں خنجر، بچھو، تلوار، سیف اور کرتب اور ورزش کے دوسرے  
 سامان و آلات کرسیوں اور چکیوں ہی پر چنے رہتے ہیں۔ جو گو یا کہ سلاطین مغلیہ کے  
 آئین دیرینہ کی یادگار ہے \*

یہاں یہ لکھتا خالی از و چھپی نہ ہو گا کہ ہمارے یہاں کے نہ صرف منجمین و مصنفین بلکہ متین  
 لغات کو بھی "صندلی" اور کرسی کے مفہوم میں بہت کچھ اشتباہ ہوا ہے چنانچہ صاحبان لغات پر ان  
 و منتخب دونوں کو ہم معنی بمعنی "تخت کوچک (چوکی)" لکھتے ہیں صاحب منتخب و صاحب  
 برہان نے "صندلی" بالاسین لکھا ہے اور محمد عبدالواحد صاحب مرحوم مہتمم مطبع مصطفائی  
 دہشتی "کلمات طیبات عالمگیری المعروف بہ رقعات عالمگیری" نے حواشی کتاب اسطرالصد  
 میں "صندلی" کی اصل بلا تذکرہ توجیہ "سنگدلی" تخریر کی ہے۔ مگر چونکہ صاحبان بڑوں و لغاتس  
 کے بیان کے موافق "صندل" "چندل" کا معرب ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہم  
 بالاصد لکھنے والوں کا اتباع کریں۔ رہے معنی میری رائے میں "صندلی" سے حسب  
 بیان صاحب برہان اور جامع رائل ڈکشنری اسٹول اور چھوٹی ٹیسی چوکی جس پر لالٹین  
 لیمپ یا جونہ اور کھڑاوں وغیرہ رکھتے ہیں سمجھنا چاہئے۔ اور اسٹول کے خیال کے ساتھ  
 ہی ساتھ اگر ہم چھوٹی سی تپائی اور آرائشی میز بھی اس کا مفہوم سمجھیں تو کوئی مضائقہ نہیں  
 کرسی کا مفہوم میری نظر میں ماضی و حال میں یکساں ہے۔ اس تصریح کے بعد اب کوئی وقت  
 نہیں رہتی۔ اور قرین قیاس یہ امر طے ہوتا ہے کہ صندلیاں مشک و اگر وغیرہ جلائے گلخان  
 قیمتی ظروف اور عجائبات عالم دنیا اور روزگار ایشیا کے سجانے کے کام میں آتی چوکی اور کرسیاں  
 بوجہ تکیہ دار ہونے کے اسلحہ وغیرہ آراستہ کرنے کے کام میں مگر اشتباہ معنوی نے ایک  
 خاص مغالطہ میں ڈال دیا۔ یہ بیان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ "صندلی" زمانہ پیشینہ  
 صندل کی لکڑی سے بنائی جاتی ہوگی۔ اسی بنا پر اس نام سے موسوم ہوئی۔ کہ عیاں را

ظہور یافت چہ از زمان حضرت صاحبقران تا حال، بیچ پادشاہے ازیں سلسلہ عالیہ این گوئہ عنایت سرشار یہ فرزند شائستہ خود نمودہ۔ یا حسب روایت صاحب سیر المتاخرین ”جب شاہجہان نے ۱۶۲۷ء میں جشن وزن قمری کے موقع پر شاہزادہ دارا شکوہ کو بادشاہ بلند اقبال کا خطاب، خلعت خاصہ اور طلائی کرسی پر جو تخت شاہی مرصع کے برابر لگائی گئی تھی، بیٹھنے کا اعزاز بخشا ہے۔ تو تمام امرائے دربار کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگ شاہزادے کے محل میں جا کر اس کو اس عزت افزائی کی مبارکباد دیں“ اور صاحب جہاں آرا (بولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم بی اے دکن) کی تحقیق کے موافق شاہزادی جہاں آرا بیگم المعروف بہ بیگم صاحب کے جشن حصول صحت کے موقع پر جبکہ شاہجہان سید خوش تھا اس نے ان تمام شاہزادوں کو جو تخت شاہی کے گرداگرد کھڑے تھے جوش مسرت میں بیٹھنے کا حکم دے دیا۔ عرض یہ کہ خاص ہی خاص موقعوں پر مغلوں کے دربار میں مغزین کو یہ موقع ہلا ہے۔ کہ وہ دربار شاہی میں مسند یا کرسی پر بیٹھ سکیں۔ عموماً شاہزادے اپنے ذاتی دربار تک مسند ہی پر کرتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ محمد حسین صاحب نے وقایع سیاحت برنیہ مترجمہ خود کے حواشی میں اس موقع پر کہ جب عالمگیر اورنگ زیب اپنے باپ شاہجہاں سے قطعی بدگمان ہو کر قلعہ کو ملازمین شاہجہانی سے خالی کر چکا ہے۔ اور عمدہ و فخر شاہی اس کے حضور میں پہنچ چکا ہے لیکن ابھی تک وہ اپنے بھائی سلطان مراد بخش کو بظاہر بادشاہ بنائے ہوئے خود اس کی جانب سے کام کر رہے اس صورت میں جو اس نے پہلا دربار آگرہ میں کیا ہے اس کے متعلق بچوالہ عاقل خاں، عالمگیر نامہ عمل صالح اور سیر المتاخرین تحریر کیا ہے۔

اب اس نے ایک تہایت شاندار دربار عامہ (مگر شاہزادوں کے دستور کے موافق بہ نشست مسند منعقد کر کے سب امرائے منصب داروں کی ندریں (شاہانہ طور پر لہیں) اب کہنے والا کہے گا کہ جب کرسیوں پر بیٹھنے کا دستور نہ تھا۔ تو دربار شاہی میں کرسیاں جا بجا لگائی کیوں جاتی تھیں؟ اصل یہ ہے کہ ان چوکیوں، صندلیوں اور کرسیوں پر تو خاصہ (جو اہر طراز اسلحہ شاہی) نوادرو نفاش عالم، بیش قیمت لقرنی و طلائی ظروف اور اگر دان وغیرہ چنے جاتے تھے۔ چنانچہ صاحب جہاں آرا نے جشن حصول صحت مسطور الصدر کے سلسلہ میں آراستگی و پیراستگی دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”زرین کرسیوں پر جا بجا مشک و از فرجالتا تھا“ اور صاحب سیر المتاخرین نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے جلوس ثانی کی آرائش و زیبائش دربار کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی تحریر کیا ہے ”عقب تخت صندلی ہٹے طلا نادنہ و قور خاصہ را کہ مشتمل است بر شمیر ہاے مرصع ساز با پیر لہائے جواہر طراز و سپر او بر چھا ہاے مرصع کار جواہر نگار کہ تر صیغ آل انواع جواہر قیمینہ گراں بہا بکار رفتہ بر روئے صندلی ہاگزاشتند . . . . . در ایوانا دادانے طلا و ظروف نقرہ کہ

(۱۰) فرعون ہو فرا جو زدیکیا کا اتحادی تھا۔ (کتاب یرمی باب ۴۴ - آیت ۳۰) کسا جاتا ہے کہ اس کا نام (Africa) تھا اور اس کو ۵۷۵ قبل مسیح میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا (کتاب سلاطین) منقول از ڈاکٹرنری فریڈ اینڈ فیبل، یہاں متن میں اول الذکر فرعون مراد ہے۔ جس نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ + vi

## شاہجہان کے عہد میں دولتِ مغلیہ کا وقار

### بادشاہ کی سلیم الطبعی

جس وقت شاہجہان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی ہے دولت چغتائیہ کے مہر اقبال کا عروج قریب قریب نصف النہار پہنچ گیا تھا، رعیب و دیدہ اور جاہاقتدار کی یہ کیفیت تھی کہ ایک خفیف سی چشم نمائی کے بعد دور دست ریاستوں کا سر نیا زخم کر دینا ایک معمولی سی بات ہو گئی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ کانیں اور برآوردگی جو اہرات کی جو سہولتیں اور آسانیاں شاہجہان کو نصیب ہوئیں اور بادشاہوں کو میسر نہ آئیں۔ گو ایشیا و یورپ کے سفراء اور سیاحوں سے اس کا دربار کچھ کچھ بھرا رہتا تھا اور بڑے بڑے راجپوت سورا، کسی کی اطاعت نہ کرنے والے بہادر ترک و افغان تاج گورگانیہ کے آگے سر اطاعت و انقیاد خم کئے بیک اشارہ چشم دکھتی ہوئی آگ اور بہتے ہوئے ذخار دریاؤں میں پھاند پڑنے، رستم و اسفندیار صفت مستیوں سے ہم نبرد ہو جانے اور بہت شکن و شو ارگزار قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لئے ہر وقت آمادہ و مستعد نظر آتے تھے۔ مگر شاہجہانی سلیم الطبعی تھی کہ بجائے خونریزی اور توسیع سلطنت کے اس نے اندرونی انتظامات اور ملکی ترقی کو مد نظر رکھنا بہتر خیال کیا۔

بیشمار دولت اور لالہ انتہا جواہرات سے ایک تو پہلے ہی سے خزانہ پُر تھے۔ اس پر پڑھ یہ کہ اس فیروز تخت بادشاہ کے تحت سلطنت پر قدم رکھتے ہی کوہ و دریا نے حاصلِ کان و

نوٹ نمبر ۶۔ یہ فصل بھی خالی از تند برد در عایا نوازی نہ تھا۔ گویا جتلا نامقصود تھا۔ کہ اگر ترک دست راست اور افغانی دست چپ سلطنت میں نوراچھت قلب دولت - ۷۱ +  
 نوٹ نمبر ۷۔ علامہ سعد المدقان۔ چنیوٹ علاقہ جھنگ (پنجاب) کے رہنے والے اور ایک غریب گناہم کے بیٹے تھے۔ لاہور میں تحصیل علم کی اور فقط علم کی برکت نے اس مرتبہ تک پہنچا یا کہ شہنشاہ ہند کے وزیر اعظم ہو گئے۔ شہنشاہ میں ملازم ہو کر ۵۵ سالہ میں دیوان خالصہ اور ۵۷ سالہ میں وزیر اعظم ہوئے۔ ان کی بنائی ہوئی مسجد چنیوٹ میں اب تک موجود ہے۔ جس کے دو مینار سنگ کوزاں کے ہیں جو ہلانے سے حرکت کرتے ہیں۔ ۱۲ +

نوٹ نمبر ۸۔ فرعون۔ عرب ہے۔ مصری زبان کے لفظ "فر" (pra یا phra) سے اس کو فرانسیسی میں "pharaoh"۔ یونانی میں "pharao"۔ عبرانی میں "paraoth" اور انگریزی میں "pharaoh" کہتے ہیں۔ مصری زبان کے لفظ "فر" کے معنی "آفتاب" کے ہیں۔ یہ مصر قدیم کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ (۱) انسائیکلو پیڈک ڈکشنری جلد سوم و پنجم مطبوعہ کیسل کمپنی +  
 عربوں کا منقولہ ہے کہ مصر کے اٹھارہویں حکمران خاندان کے بادشاہوں نے نسب سے پہلے اس لقب کو اختیار کیا +

تمام انجیل میں دس فراعنہ کا ذکر ہے۔

(۱) وہ فرعون جو بحر فلزم میں غرق ہو گیا تھا۔

اور غالباً یہ وہی ہے جو موسیٰ کے عہد میں تھا۔ اور جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اس کا نام مینوفتس (Menophthes) بن رمیزس دوم (Ramses II) بتایا جاتا ہے +

(۲) وہ فرعون جو حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تھا رکناب پیدائش باب ۱۲۔ آیتہ ۱۲۵ +

(۳) فرعون نیک کردار جس نے حضرت یوسفؑ کی اعانت کی تھی رکناب پیدائش باب ۱۲ +

(۴) وہ فرعون جس نے خلد کو بچایا تھا رکناب سلاطین ۱۔ باب ۱۱۔ آیتہ ۱۹ +

(۵) وہ فرعون جس کی لڑکی کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی شادی ہوئی تھی رکناب سلاطین

۱۔ ۲۔ ۱۔ باب ۹۔ آیتہ ۱۶ +

(۶) فرعون شیشک جس نے ری ہولوم (Rehoboom) کے ساتھ جنگ کی تھی

رکناب سلاطین ۱۔ باب ۱۴۔ آیتہ ۲۵ +

(۷) فرعون جس نے بیزکیا کے ساتھ سنقرپ کے مقابلہ میں عہد نامہ کیا تھا +

(۸) فرعون نیکو جس نے بوشع کے ساتھ جنگ کی تھی (۲)۔ کتاب سلاطین باب ۲۳

آیت ۱۹ وغیرہ +

## دولت اور اس کا مصروف

تخت طاؤس کی ساخت کے متعلق ہم کو شاہجہان کا مطمح نظر اور اس کی مصالح مملکت سمجھنے کے لئے امور ذیل کو پیش نگاہ رکھنا چاہئے یعنی یہ کہ دولت کا مصروف، اس کے اقسام اور ان کے طریق حصول جو امور کہ ہمارے سلسلہ بیان میں آتے ہیں انہیں ہم سپرد قلم اور بقیہ مسائل کو نظر انداز کر دیں گے۔

دولت کیا ہے؟ اس کا جواب ایک فقرے میں نہیں دیا جاسکتا۔ اشخاص، حالات، ازمہ، ماحول یا ان سبہوں کی مجموعی کیفیت سے جو نتائج مترتب ہوتے ہیں اور مختلف اجناس کی قدر و قیمت کا اندازہ جس طرح کیا جاتا ہے اسی کا نام ”دولت“ ہے۔

دنیا کی حالت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم کو کہیں معاون نظر آتے ہیں اور ان کا نام ”دولت“ قرار پاتا ہے۔ کہیں لغت کے چشمے اپنے فوائد انسان کے پیش نگاہ کر کے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں۔ کہیں لکڑیوں کے جنگل معیار دولت قرار پاتے ہیں کسی مقام پر آبی رو کے اختیگاک سے جو انقلاب ہستی ہوتا ہے اور اس سے جو برقی قوت انسان کے قبضہ قدرت میں آتی ہے اور اس طرح بطین ارض سے اس کے کمزور خزانوں کا نکالنا اس کے لئے سہل ہو جاتا ہے دولت کہلاتی ہے۔ کہیں حبشی اللون حطب متحجر اپنی گونا گوں قوتوں کی وجہ سے ساری دنیا کے ذخائر کو اپنے مقام پر جذب کر کے سرمایہ دولت بنتا ہے۔ اسی طرح لاشیم اور اشجار گونا گوں دائرہ و پوتلوں کے متعلق جتنی چیزیں ہیں اپنی اپنی جگہ سب دولت کے لقب سے لقب ہوتی ہیں۔ بعض صورتوں میں ان سب سے علیحدہ محض انسانی صنعت و دستکاری ذریعہ کسب مال و حصول معیشت یعنی ”دولت“ کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔

ان مدارج کے طے ہونے کے بعد یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہایت آسانی سے آجاتا ہے کہ ایک ہی چیز جو ایک وقت میں ایک مقام پر ایک شخص کے لئے مخصوص ماحول میں خواہ وہ کتنی

دیکر کہ قدم بہت نزد پر اور لاکر نچھاور کرنا شروع کر دیا تھا۔ بنا برین نفاست پسند شاہجہان نے جو کہ اکبری جلال اور جہانگیری شوکت و اجلال کے شاندار مناظر کی سیر میں اپنی عمر کی چھتیس منزلیں طے کر چکا تھا۔ علم و فن کی سرپرستی، دربار اور ساز و سامان و دربار کی آراستگی و پیرائگی کہ یہ بھی صنعت و حرفت کی تربیت تھی انمذکورہ کیلئے اس کے پہلے وہ اورنگ سلطنت (تخت طاؤس) کے بنوانے پر آمادہ ہوا۔ کہ بادشاہ کی ابتدائی اور انتہائی شان تاج و تخت پر ہی منحصر ہے۔ ادھر کروڑوں روپے کے جواہرات جو خزانوں اور جواہر خانوں میں قدیم راجاؤں اور پٹھانوں کی لوٹ مار، شاہان ممالک خارجہ کے تحف و ہدایا، امر و نشانہ لگان کے نذرانوں کے سلسلہ میں جمع ہو گئے تھے اور بیکار پڑے تھے۔ ان سے زیب و زینت کے سوا دوسرا کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ اور مذاق زمانہ کے مطابق اگر صحیح مصرف ہو سکتا تھا تو صرف یہ کہ یہ ایک ایسی شکل میں منتقل کئے جائیں کہ خاص و عوام کو ان کی سیر کا موقع ملجائے سلطنت کے وقار اور ساتھ ہی ملکی دستکاری و کاریگری میں نمایاں ترقی ہو جائے۔

نوٹ نمبر ۱۔ رستم۔ فارس کے مشہور پہلوان کا نام ہے۔ یہ نام فارسی ادب میں بکثرت آیا ہے۔ شاہنامہ فردوسی اس کے کارناموں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں اس کو رستم داستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کو رستم زابل بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ زابلستان کا حاکم بھی تھا اس کے باپ کا نام زال کہا جاتا ہے اور دادا کا نام فریمان تھا۔ بہمن کے مقابلے میں جو خاندان کیانی کا ساتواں بادشاہ تھا مارا گیا۔

رستم کے متعلق ایشیائی قدیم شاعرانہ طرز یعنی مبالغہ گوئی سے بہت کام لیا گیا ہے۔ خود اس کا ممدوح فردوسی کہتا ہے

منش کردہ ام رستم پہلوان و گرنہ یلے بود در سیستان

(ماخوذ از قاموس المشاہیر اور ٹیبل بیباگریفیکل ڈکشنری، شعر العجم)۔ ۱۲ \*

نوٹ نمبر ۲۔ اسفندیار۔ بن گشتا سپ شاہ فارس کا سپہ سالار تھا جس کو رستم نے قتل کیا تھا۔ اس کا تذکرہ شاہنامہ فردوسی میں ہے (قاموس المشاہیر) \*

سفارتخانہ نمایان شان سلطنت نہیں۔ اس سطوت و اقتدار قائم کرنے کے ساتھ ہی دول کو ہمیشہ شہرت دوام حاصل کرنے کا خیال بھی رہا ہے چنانچہ انگلستان میں بگ بین (Big Ben) نامی گھڑی اور ممالک متحدہ امریکہ کی اکثر عمارتیں اسی خیال کا ایک مجسم نمونہ ہیں۔ اس لئے کسی باغیخانہ و قلعہ کو یہ خیال پیدا ہو کہ خزانہ عامرہ میں بیش بہا جواہرات کے بیچارے پڑے ہوئے خزانہ کو پیکر رعب سلطانی کی شکل میں منتقل کیا جائے، ایک امر عجیب نہیں۔ تخت طاؤس اسی خیال کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

نوٹ نمبر ۱۔ لارڈ کرزن (دیکھو صفحہ ۷۰ کا حاشیہ ۱)

## تخت طاؤس کی فرمائش

شاہجہان نے ۱۶۳۸ء سے ۱۶۵۸ء تک جلوس میں اس عجوبہ روزگار اور نادور زمانہ تخت کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے باستثنائے جواہر خاصہ (قیمتی دو کروڑ روپیہ) کہ محلِ معلیٰ میں محفوظ تھے، تمام ان جواہرات کے پیش کرنے کا فرمان صادر کیا جو بیرونی خزانچوں کی تحویل میں رہنے تھے۔  
نوٹ نمبر ۱۔ ماثر الامراء، حواشی سفر نامہ۔ برنیہ نوشتہ خلیفہ محمد حسین صاحب بجالاعلیٰ محمد لہوی

## ایک تاریخی مغالطہ کا ازالہ

لفظ "بیرونی خزانچی" میں نے لکھا ہے۔ جو بظاہر صاحب "تذکرہ شاہجہان" کے بیان کے خلاف ہے۔ موصوف نخریر فرماتے ہیں:-

بادشاہ نے حکم دیا جو جواہر خاصہ کے سوا جو جواہر خانہ محلِ معلیٰ میں از قسم لعل، یاقوت، الماس، مروارید زبرجد قیمتی دو کروڑ روپے کے ہیں اور جو اہر کہ خان بہان کی تحویل سے باہر ہیں۔ ہمارے سامنے لائے جائیں،

اس عبارت سے ایک تاریخی مغالطہ ہوتا ہے کہ خان زمان کسی داروغہ جواہر خانہ یا خزانچی

ہی قلیل المفرد و دنی المقدرت کیوں نہ ہو مگر ممکن ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی قدر و قیمت کی شے قرار پا جائے مثلاً ایک تشنہ کام جاں بلب کے لئے ایک قطرہ آب۔ اسی طرح سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی گراں بہا چیزیں یکساں طریقے سے ہر شخص کے لئے قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔ ایک لعل شب تاب ایک دالی ملک کے جواہر طرف کلمہ کے ساتھ اوج قسمت لعل و گمر کا معیار قرار پاسکتا ہے مگر گڈری کا لعل ہو کر بے قدر رہ جاتا ہے۔ اسی سے ہم دنیا کی تمام چیزوں کی حالت کا اندازہ لگا سکتے اور سمجھ سکتے ہیں کہ ہر چیز کی قدر و قیمت اور اس قدر و قیمت کی نوعیت ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اور اسی حیثیت کے ساتھ اس کے صحیح مصرف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگر جواہرات کی مکلف ٹھیلیاں تو نشہ خانہ کے کسی گوشہ میں صندوقوں میں پوشیدہ رہیں اور موقع بہ موقع نظارگیاں عالم کو محو دید کر کے سلطانی ہیبت و جبروت کا ایک ناپائیدار اثر پیدا کریں تو ان کا یہ مصرف ہرگز اس قدر صحیح نہیں ہو سکتا ہے جس قدر کہ یہ طریقہ استعمال کہ ان کو حسن و خوبی سے مرتب کر کے ہیبت و دیدہ بہ سلطانی، شان و شکوہ و اربائی عظمت و جلالت جمانداری کی جیتی جاگتی تصویر قرار دیکر ان سے روزانہ ایک مستقل و پائیدار اثر سلطانی نیپ و دیدہ بہ کا پیدا کیا جائے۔

## سلاطین عالم کا مذاق

سلاطین عالم رعایا و پرایا پرا پنا رعب قائم کرنے کے لئے ہمیشہ سے مختلف طریقے کام میں لاتے رہے ہیں۔ وقتاً فوقتاً فوجوں کے متحرک ہونے، عجیب و غریب اعمازوں کے قیام اور دربار کے مختلف طریقوں سے آراستگی و پیراستگی وغیرہ کا مقصد سطوت سلطانی کے ساتھ جبروت و قہر مانی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ حتیٰ کہ سفر اے دول جو مالک خارجہ میں جاتے ہیں تو اپنے سفارتخانوں تک کو اتر حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً لارڈ کرزن انجمنی نے اپنے زمانہ سفارت ایران میں دولت برطانیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ برطانی

ان میں سے اکثر شعبے "کارخانہ" کے نام سے موسوم تھے۔ اور مجموعی طور پر یہ تمام شعبہ جات "کارخانات" کہلاتے تھے چنانچہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بیٹے محمد اعظم المحاطب بہ عالیجاہ کو ایک خط میں لکھا ہے۔

ماکہ پان تہی خورشیم این کارخانہ ہم رنگے دیگر گرفت و آبدارخانہ ہم باب و تاب نیست۔ ہوشیاری و جزرسی دار و عما آنت کہ ہمہ وقت ہمہ جا کارخانہ عمدہ خود بہ تزک آراستہ دارند تا وقت کار مجرای آہنا ظاہر شود و تقاسم مزاج و پاکیزگی آہنا بر ما ہوید اگر دو دہم مردم بینندگان شان دولت خدا داد و معلوم کنند و شکوہ او معائنہ نمودہ ناوان میناں پست گردند + مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے بھی دربار اکبری میں سفر میں بارگاہ کا کیا نقشہ تھا " کے عنوان سے نثر پر کیا ہے۔

"..... پھر ذرا بڑھ کر توشہ خانہ، آبدارخانہ، خوشبو خانہ وغیرہ تمام کارخانے

ہر گوشہ پر جوک

یہاں "خازنات بیرون" سے "زرگ خانہ" کے منتظمین، کارکن اور تولید امراد ہیں جن کا بیرون محل ہونا لازم جیسا کہ صاحب مائرا لاء کے بیان سے واضح ہوتا ہے موصوف نثر پر فرماتے ہیں۔

"سوائے جو اہر خاصہ کہ اندرون محل می باشد و دکر و ڈروپہ قیمت آنت

از جو اہر کیہ در کارخانہ (مراد کارخانہ زرگری - کشتہ قادری) بود و قریب سہ کرو

روپیہ ازیں جملہ بہ ہائے مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ انتخاب نمودہ ...."

نوٹ نمبر ۱۔ صاحب ظفر نامہ شاہجہاں مراد از شمش العلماء، خان بہادر

مولوی ذکاء الدخاں بن حافظ ثنا المدیہ یکم اپریل ۱۸۳۷ء کو دہلی کوچہ بلاتی بیگم میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بارہ برس کی عمر میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔

بعد ذرا تعلیم اسی کالج کے مدرس ریاضیات مقرر ہوئے، بعد آگرہ کالج میں ادب

کا نام یا خطاب ہے۔ اور اس کی تحویل میں رہنے والے جواہرات کو بھی بادشاہ نے پیشی سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ میری ذاتی تحقیقات کے مطابق سلاطین تیموریہ ہند کے عہد میں جتنے امراء یا ملازمین شاہی اس نام کے گزرے ہیں۔ یا جو اس خطاب سے مخاطب ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی خزانہ داری کی خدمت یا داروغہ جواہر خانہ کے عہدے پر کبھی مامور نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ کسی انتظام کے سلسلہ میں بھی کسی ایک سے عارضی طور پر یہ خدمت کبھی نہیں لی گئی۔ خود شاہجہاں کے زمانہ فرمانروائی میں میرخلیل برادر جعفر خان داماد نواب آصف خان وزیر اعظم اور امان اللہ خان امانی بن مہابت خاں یہ دو امراء اس خطاب سے مخاطب ہوئے۔ مگر ان کے حالات و سوانح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی اس قسم کی خدمات انجام نہیں دیں۔ اس کے علاوہ ملا، عبدالحمید، لاہوری، مورخ شاہجہانی "بادشاہنامہ" میں لکھتے ہیں حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ درجواہر خانہ مشکوے مینو مثال می باشد

..... کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنست ہر چہ در تحویل خازنان بیرونست

از نظر اطہر بگیزرانند +

جس سے میرے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ظفر نامہ میں بجائے "خان زمان" کے "خان زمان" استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل مصنف علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہوگا۔

"..... اور جواہر کہ خازنان کی تحویل میں یاہر ہیں....."

لیکن کاتب صاحب کی عنایت اور مصحح کی مہاراجہ نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلاطین چغتائیہ کے عہد میں خود ان کے اور ان کے امراء کے یہاں بھی ہر کام اور ہر ضرورت کے لئے ایک جداگانہ منظم شعبہ قائم تھا۔ مثلاً توشتہ خانہ ابدانہ باور چینیانہ اور زرگر خانہ وغیرہ اور ہر شعبہ ایک خوش سلیقہ داروغہ (مہتمم) کے زیر اہتمام رہتا تھا

یہ تصانیف بہتر ہیں۔ قطعی صحیح ہے کہ انہوں نے جس کی طرف قاری پرکھ باندھی نہی تاریخوں میں اصلی رنگ ظاہر کرتے ہوئے طبع سازی سے کام لیا۔ جو ایک مورخ کی شان کی اختلاف ہے (ماخوذ از سیر المصنفین تنہائی۔ اے اور گلہ دستہ ادب مولفہ منور ہلال زلثی ایم اے)

نوٹ نمبر ۲۔ قاموس المشاہیر۔ ۱۲۔ \*

نوٹ نمبر ۳۔ ملا عبد الحمید لاہوری۔ شاہجہان کا مورخ خاص تھا۔ اس نے بہت سالہ حالات شاہجہان قلیدہ کئے ہیں جو "بادشاہنامہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ تاریخ شاہجہان کے عہد سلطنت کی بیس سال کی معتبر تاریخ ہے۔ اور چھپ چکی ہے۔ ملاے موصوف نے شاہجہان شاہجہانی میں انتقال کیا۔ ذاکحیات وقایع سیاحت برہنہ ۱۲۰۔

نوٹ نمبر ۴۔ محمد اعظم شاہ نام، عالیجاہ خطاب، اورنگ زیب کا تیسرا بیٹا تھا۔ جو ۲۵۔ شعیان ۱۱۔ جولائی ۱۶۵۲ء کو درس بانو بیگم مخاطب بہ شاہ بانو بیگم بنت شاہنواز کے بطن سے پیدا ہوا۔ اورنگ زیب کی وفات کے وقت چونکہ اس کا بڑا بیٹا محمد معظم شاہ مخاطب بہ بہادر شاہ گجرات میں تھا۔ لہذا یہ ۱۰۔ ذالحجہ ۱۱۱۱ھ میں بادشاہ بنایا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد دونوں بھائیوں میں کشمکش پیدا ہو گئی۔ اور نوبت تاہ جدال و قتال پہنچی۔ اور یہ بروز یکشنبہ ۱۸۔ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ = ۸۔ جون ۱۶۵۷ء کو اورنگ زیب کی وفات کے ۱۳۔ ماہ ۱۸۔ دن بعد بمقام عاجشو (ماہین آگرہ اور دھولپور) نہایت بہادری کے ساتھ اپنے بھائی کے خلاف لڑ کر اپنے دو بیٹوں بیدار بخت و والتیار سمیت برہنہ میدان مار گیا۔ اور مقبرہ ہمایون دہلی میں دفن ہوا۔ عالی تبار اور بیدار دل دو بیٹے اپنی یادگار چھوڑ گیا۔ اورنگ زیب اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور اکثر اپنے پاس ہی رکھتا تھا۔ یہ شاہزادہ حافظ قرآن۔ علوم ادبیہ سے بہرہ یاب۔ ترکی و فارسی زبان کا ماہر اور انعام انشا پر دازی پر حاوی اور بید بہادر تھا۔ اورنگ زیب نے جو تقسیم نامہ صلکت بیٹوں کے نام لکھا تھا اس پر اس کے بیٹے رضامند نہ ہوئے اور آپس میں ٹکرائے۔ نتیجہ عالیجاہ کی موت اور بہادر شاہ کی بادشاہت ہوا۔ (تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ اور نیل سیل اور قاموس المشاہیر)۔ ۱۲۔ \*

نوٹ نمبر ۵۔ کلمات طیبات المعروف بہ رقعات عالمگیری = ۱۲۔ \*

نوٹ نمبر ۶۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی۔ بن مولوی محمد باقر تہوں نے اردو اخبار کے نام سے پہلا اخبار ۱۸۵۶ء میں دہلی سے نکالا۔ شرفائے دہلی سے تھے۔ آزاد باختلاف مورخین ۱۸۳۱ء یا ۱۸۳۲ء یا ۱۸۳۳ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حضرت ذوق دہلوی کے سایہ عاطفت میں پاکر دہلی کالج میں داخل ہوئے اور علوم مروجہ میں اچھی استعداد پیدا کی۔ ذوق کی بدولت اکثر نامی گرامی شاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیش سے استفادہ کیا۔ ہنگامہ خود ۱۸۵۶ء میں

اردو کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی آسامی پر مقرر ہو کر اضلاع بلتستان اور مرد آباد میں رہے۔ ۱۸۶۶ء میں دہلی نارمل اسکول کی صدر مدرسہ اختیاریہ میں آؤٹریل کالج لاہور میں لیکچراری کی خدمت پیش کی گئی۔ لیکن اس ملازمت پر جانے سے پہلے آپ میور کالج الہ آباد کے پروفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ اور ایم۔ اے تک عربی فارسی پڑھاتے رہے اسی کالج سے پٹن لے کر خانہ نشین ہو گئے۔ اور ۲۴ سال تک تصنیف و تالیف میں اپنا وقت صرف کیا۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی جامع فہرست ایک اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ جو یہ ہے

مضمون	کتاب مطبوعہ	غیر مطبوعہ	کل
ریاضیات	۸۱	۶	۸۷
تاریخ و جغرافیہ	۱۷	۱	۱۸
ادب	۱۶	۰	۱۶
اخلاق	۶	۰	۶
طبیعیات و ہیئت	۷	۲	۹
سیاست و مدن	۲	۵	۷

میزان ۱۲۹ ۱۲ ۱۲۳

یہ ۲۳ کتابیں ۱۸۵۴ء سے ۱۹۱۱ء تک کی کمائی ہیں۔ امام غزالی کا روزانہ اوسط تصانیف ۴ صفحہ ہوتا ہے۔ اور یہی اوسط قریب قریب مولانا ذکاء اللہ صاحب کا ہے۔ آپ نے ۷ نومبر ۱۹۱۱ء کو بمقام دہلی انتقال کیا۔ مختلف اصناف میں آپ کے زور قلم نے ایک حد تک اردو کی ضرب المثل مفلسی کو دور کیا۔ آپ اراکینِ شمسہ اردو (نذیر احمد ذکاء اللہ۔ سر سید۔ شبلی و حالی) میں سے ہیں۔ آپ نے یوں تو تاریخ، فلسفہ، سائنس، کیمیا، طرز معاشرت، علم المعنیات اور سیاسیات وغیرہ جملہ مضامین پر خامہ فرسائی فرمائی لیکن فلسفہ ریاضی اور تاریخ سے آپ کو ایک خاص دلچسپی تھی۔ ترجمہ کاری کے آپ استاد تھے اور انگریزی میں جس کو از خود توفیق پڑھا تھا اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ بہت سی انگریزی کتابوں کا آپ نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ ان کے طرز بیان میں یہ خوبی ہے کہ ترجمہ اور مضمون مانوڈ مانوڈ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ ان کا ذاتی خیال نظر آتا ہے۔

آپ کی تاریخ ہندوستان کے اٹھارہ حصے تیرہ جلدوں میں مجلد اور سات ہزار ایک سو اتر صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہر جلد ایک جداگانہ نام سے موسوم ہے۔ شاہجہان کے واقعات جس جلد میں مرقوم ہیں "ظفر نامہ شاہجہان" کے نام سے معروف ہے۔

آپ کی تاریخوں کے متعلق پینڈت برج نرائن چکست کا قول ہے انکی تاریخوں میں اس نقادانہ بیانت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ جو کہ فن تاریخ کی شان میں داخل ہے۔ مگر نہ ہونے سے

یوں تو مولانا کی تصنیفات و تالیفات بیشمار ہیں۔ مگر آبجیات، نیرنگ خیال، سخن دان فارس اور دربار اکبری خاص طور پر قابل ذکر ہیں +

نیرنگ خیال، جمال اخلاقی و تمدنی اصلاح کا دستور العمل اور پسند و نصح کا ایک دفتر ہے وہاں رنگین بیانی کا دلچسپ مرقع، استعارے و تمثیل کے پردے میں وہ وہ جوہر نمایاں کئے ہیں کہ باید و شاید اور پھر اپنی روش خاص کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آمد کا دربار ہے کہ جو میں مار رہا ہے۔ یہ کتاب انگریزی روش الیگوریکل (نثر تمثیلی) کا اردو میں شاہکار اور اپنی نظر کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے +

سخن دان فارس :- علم فلسفہ السان کی اردو میں پہلی کتاب، مولانا کے طرز بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس میں فارسی و سنسکرت کے رشتے دکھوئے ہیں +  
مولانا نے اردو میں تذکرہ نویسی اور خصوصاً تاریخ نگاری کی ایک نئی وضع قائم کی یعنی تاریخ نویسی کی روش قدیم کو ترک کر کے کہ وہ صرف واقعات کی فہرستیں ہوتی تھیں وہاں کا رنگ بھی دکھلایا ہے اور اردو کے لئے تاریخ نگاری کا ایک مکمل نمونہ چھوڑ گئے لیکن ان کی تاریخی کتاب میں دنیا بھر کی خوبیوں کے ساتھ ایک خاص عیب بھی لئے ہوئے ہیں وہ یہ کہ ان کا قلم جنبہ داری کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ دہلوی ہونے کے باعث انہوں نے ”آبجیات“ میں کہ باعث احیاء قدما و قدامت اور اپنی طرز کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لکھنؤ کے بعض باکمال اور لازمی طور پر قابل ذکر شعراء کو نظر انداز کر دیا ہے وہ جا بجا اپنی آراء اور اپنے جذبات کو نمایاں کرتے ہیں بھی درج نہیں کرتے جس کا مظہر ان کی بہترین تصنیف دربار اکبری ہے اور یہ امور اصول فن تاریخ نویسی کے خلاف ہیں۔ لیکن مولانا مرحوم انسان تھے۔ فرشتہ نہ تھے کہ معصوم ہوتے۔ مورخین اکثر اس ام میں پھنس ہی جاتے ہیں۔ گو دربار اکبری پیرانہ سالی اور ایسی حالت میں لکھی گئی ہے کہ وہ بعض امراض میں مبتلا تھے اور ان کی دماغی حالت خراب ہو چکی تھی۔ تاہم کتاب دلاویز اور ”آزادیت“ کا نمونہ اعلیٰ ہے۔ ان کے طرز تاریخ نویسی کو لارڈ میکالے کی روش تاریخ نگاری سے مانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جس قدر اس کی انگریزی پر لطف ہوتی ہے اسی قدر ان کی اردو اور حبسی اس کی تاریخ انگلستان ساقط الاعتبار ہے ایک حد تک ویسی ہی ان کی دربار اکبری +

وہ مذہب ابامیہ کے پیرو تھے۔ مگر بہت سے مواقع پر اسم باسمی ان کا یہ احسان بھی ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ انہوں نے ہمیں زندہ فارسی سکھائی اور روزمرہ ایران کی تعلیم دی۔ فارسی کا ایک سلسلہ ان کی اس احسان عظیم کی یادگار ہے (ماخوذ از سیر المصنفین علامہ شبلی پنڈت منوہر لال زلشی ایم اے پرنسپل ٹریننگ کالج لکھنؤ)  
نوٹ نمبر ۷ :- صاحب آثار الاءراء۔ عبد الرزاق نام نواب صمصام الدولہ

اپنے باپ کے شہادت پانے کے بعد اودھ کی طرف بھاگے۔ اور ایک مدت تک صحرا نوردی کرنے کے بعد لاہور پہنچے اور وہاں دفتر سرسرتہ تعلیم میں ماسٹر پیارے لال آشوب امرنی ارنجی کی سفارش سے ملازم ہو گئے۔ ماسٹر صاحب کی سفارشیں خود ان کی علمی قابلیتیں اور میجر فلڈ اٹرکٹر سرسرتہ تعلیمات پنجاب کی قدر دانیوں ان کی ترقیوں کا باعث ہوئیں۔ اور یہ ”سرکاری اخبار“ کے معین مدیر اور یونیورسٹی کالج کے پروفیسر بنا دئے گئے۔ حکومت پنجاب کے میونسٹی پنڈت من پھول آنجمنائی کے ساتھ ۱۸۶۶-۶۷ء میں آپ نے کابل پدخشاں کا سفر کیا۔ اور ۱۸۶۷ء میں ایمان گئے۔ ان کو سرکاری خدمات کے صلہ میں صحیح روپیہ پنشن ملتی تھی۔ مگر اپنی تصانیف کی بدولت انہوں نے خاصہ سرمایہ جمع کر لیا تھا۔ ان کا کتب خانہ قابل قدر تھا۔ جس کی عمارت انہوں نے اپنے حین حیات میں بنوائی تھی۔ اگست ۱۸۸۹ء میں آثار جنون پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۱۰ء میں اسی عالم میں ۶۱ سال بسر کر کے بمقام لاہور راہی ملک بٹا ہوئے۔ مولانا مرحوم نے جو کچھ شہرت حاصل کی محض اپنے علمی کارناموں کی بدولت اور جو عزت پیدا کی اپنے قوت بازو کے بھروسے پر۔ وہ فلک اردو کے آفتاب ہیں۔ اردو زبان پر ان کے احسانات عظیم ہیں۔ انہوں نے اردو کا ایک بہترین سلسلہ ادب و قواعد لکھ کر نہ صرف اہل پنجاب کو اردو کی سلیم المذاقی کا درس دیا۔ بلکہ باشندگان ممالک متحدہ اگر وہ اودھ کے لئے ادبی صراط مستقیم قائم کر گئے۔ ان کی جدت طبعی نے اردو کی شاعری قدیم کی کساد بازار کی السنہ مغربیہ کی روز افزوں ترقی کے وجوہات پر نظر ڈال کر اردو میں نیچرل شاعری کی بنیاد ڈالی اور اس پر بہترین و قابل تقلید عمارتیں تعمیر کیں جو تاریخ اردو کا جزو ولاینفک ہیں +

آزاد کی سب سے بڑی شہرت کا باعث ان کے کارنامہ ہائے نثر ہیں اور ان کا طرز تحریر تننا و صفت سے مستغنی ہے۔ بیان کی لطافت، زبان کی سلاست، بندش کی چستی، محاورے کی دلاویزی جس قدر اور جس اسلوب سے آزاد کے یہاں ہے کسی دوسرے نثار اردو کے یہاں نہیں اور ظرافت کی چاشنی ان سب پر طرہ ہے۔ بقول منشی بالکنند صاحب گپت ان کا ایک مخصوص امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ جس قلم سے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھ کر علماء و فضلا کو جو حیرت بنا سکتے ہیں۔ اسی قلم سے پہیلیاں اور لوریاں لکھ کر بچوں کو بہلا سکتے ہیں۔ اور یہ ایسا وصف ہے جو دنیا کے بہت ہی کم مصنفین کے حصہ میں آیا ہے ان کا مذاق سلیم ایجاد و اختراع کے ہر موقع پر مبتلا دیتا ہے۔ کہ کون سی اختراع قابل پذیرائی ہے اور کون سی ایجاد مزاج زبان کے خلاف اور یہ وہ نکتہ ہے جس کو نئی روشنی کے دلدادہ مغربی ادب کی تقلید کی دھن میں اکثر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اور جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نقل الفاظ و گرا نیاری تراکیب کے باعث زبان اصلی لطافت کو کھو بیٹھتی ہے اور اہل زبان کو ایک تلخ خوش مرکب سے دوچار ہو کر ترقی زبان سے بالوسی ہو جاتی ہے +



شہنشاہ تھو آر خان خطاب تھا۔ خراسان کے سادات خواف کی نسل سے تھے۔ ان کے پردادا امیر کمال الدین آبر کے زمانہ میں ہندوستان آئے۔ اور آگرہ پہنچ کر امراء کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ امیر کمال الدین کے بیٹے میرک حسین نے شہنشاہ جہانگیر کی ملازمت میں جگہ پائی ان کے بیٹے میرک معین الدین مخاطب بہ امانت خان کو شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت میں بڑا عروج تھا اور وہ اول درجے کے امراء میں تھے۔ عالمگیر کے زمانہ میں بھی ان کا اقتدار بدستور رہا اور وہ لاہور، ملتان، کابل اور کشمیر وغیرہ جیسے مقامات پر سلطنت کی اہم خدمات پر مامور رہے۔ عالمگیر کی سلطنت میں امانت خان لائق ترین شخص سمجھے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے بادشاہ انہیں بہت مانتا تھا۔ ملتان میں جب شاہجہاں بسا اور کوکناش دکن کی صوبہ داری پر مقرر ہوا ہے۔ تو دکن کی دیوانی اور قلعہ نگاری کی خدمت پر امانت خان مامور کئے گئے تھے۔

ان کے چار بیٹے تھے۔ (۱) عبدالقادر مخاطب بہ امانت خان، (۲) عبدالقادر مخاطب بہ امانت خان، (۳) عبدالقادر مخاطب بہ امانت خان، (۴) عبدالقادر مخاطب بہ امانت خان۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا منصب ان کے بڑے بھائی کو دیا گیا تھا۔ (۲) عبدالرحمن مخاطب بہ وزارت خان دیوان بجا پور (مالوہ) یہ اچھے شاعر اور صاحب دیوان تھے۔ (۳) قاسم خان۔ دیوان ملتان۔ قاسم خان کے بیٹے کا نام میر حسن علی تھا۔ جو نواب مصمصام الدولہ شہنواز خان کے باپ تھے شہنواز خان بلیا علیہ میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ صغیر سن ہی میں اورنگ آباد چلے گئے۔ اور اپنے اعزاء کے ساتھ جو پہلے سے جا چکے تھے رہنے سننے لگے۔ پہلی ملازمت ان کی نظام الملک آصف جاہ کے دربار میں ہوئی۔ اور آصف جاہ اور اس کے بیٹے ناصر جنگ کے عہد حکومت میں کئی سال تک انہوں نے برار کی دیوانی کی خدمت انجام دی۔ صلابت جنگ کے عہد میں بہت ہزاروں کے منصب پر مرفراز ہوئے۔ اور مصمصام الدولہ کا خطاب پایا۔ ۱۷۔ مئی ۱۷۵۷ء = ۳۔ رمضان ۱۱۵۷ھ کو عہد الرحمن حیدر جنگ کو جو فرانسسیسی جرنیل لسی کے مشیر تھے نظام علی برادر صلابت جنگ کے اغوا سے لوگوں نے قتل کر ڈالا اور اسی گڑ بڑ میں مصمصام الدولہ اور ان کے چھوٹے بیٹے عبدالباقی خان بھی مارے گئے۔ لیکن ان کے دو اور بیٹے میر عبد السلام و میر عبدالحی بچ کر بھاگ گئے۔ دونوں باپ بیٹوں کی لاشیں ان کے آبائی قبرستان میں جو شہر اورنگ آباد کے جنوبی حصے میں واقع ہے دفن ہوئیں۔

شہنواز خان نے ایک کتاب لکھنا شروع کی تھی۔ جس کا نام "آئندہ الامراء تیوریہ" ہے اور اس کتاب میں ان امراء کے حالات زندگی درج کئے تھے جنہوں نے خاندان تیوریہ کے عہد حکومت میں ہندوستان اور دکن میں خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن اس کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ اور اس پورش میں اس کے مسودے کے اکثر حصے کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ خیال تو یہ کیا جاتا تھا کہ کتاب تلف ہو گئی۔ لیکن ان کے ایک

بے بدل خان اعلیٰ درجہ کا شاعر، حکاک اور خوشنویس تھا۔ اس نے تخت طاؤس کی حیالی وضع کو جسے شاہجہان کی موزونیتِ دماغ نے مرتب کیا تھا، سات سال کی مدت میں عملی جامہ پہنا کر قدردان اور مبصر بادشاہ کے حضور سے اپنے ہموزن طلّائے خالص انعام پایا +

تاریخ گوئی میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپس ہو کر جب شاہجہان نے ”تخت طاؤس“ پر پہلا جلوس کیا ہے۔ تو اس نے ایک سو پچیس (۱۶۲۵) بیت کا قصیدہ کہہ کر حضورِ شاہی میں پیش کیا۔ جس کی ابتدائی بارہ (۱۲) ابیات کے ہر مصرعے سے تاریخِ ولادتِ بادشاہ، ان کے بعد والے بتیس (۲۲) بیتوں کے ہر مصرعے سے تاریخِ جلوسِ شاہجہانی اور بقیہ نوے (۹۰) کے ہر مصرعے سے ”تاریخِ نہضتِ کشمیر از آگرہ“ و ”معاودتِ آگرہ“ و ”جلوسِ بر تختِ طاؤس“ نکلتی تھی +

افسوس! امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ جواہرِ ریزے صفحہٴ دنیا سے نیست و نابود ہو گئے اور اب صرف ان کا تذکرہ ہی تذکرہ باقی رہ گیا۔ دستیابیِ قصیدہ کی ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ کہاں - ع

ورق بر ورق ہر سوئے برد باد

صاحبِ آثارِ الامراء نے اس کے نتائجِ قلم سے یہ رباعی حوالہ قلم کی ہے

آنی کہ سریرت آسماں پایہ بود      بر ملک جہاں عدل تو پیرا یہ بود  
تاہست خدا تو نیز خواہی بود      زیرا کہ ہمیشہ ذات با سا یہ بود

نوٹ نمبر ۱۔ صاحبِ ظفر نامہ شاہجہان، جلد ہفتم تاریخ ہندوستان مصنفہ مولوی ذکاء اللہ صاحبِ موعوم نے لکھا ہے۔ یہ جواہرات اسی لاکھ (۸۰۰۰۰۰) روپیہ کے تھے۔ اور ملا عبد الحمید لاہوری ”موزن شاہجہانی“ بادشاہت نامہ میں لکھتے ہیں۔ مبلغ ہشتاد و ہشت لاکھ روپیہ بھائے آں شدہ بود“ ایک تو یوں ہی صاحبِ ظفر نامہ ملا صاحب کے مقابلہ میں غیر معتبر ہیں۔ دوسرے اگر صاحبِ ظفر نامہ کے اس بیان کو صحیح مان لیا جائے تو خود ان کے اور مورخینِ قدیم کے بیان کے مطابق تختِ مذکور کی قیمت ایک کروڑ روپیہ تک پہنچنے میں چھ لاکھ (۶۰۰۰۰) روپیہ کی کمی رہتی ہے۔ اس کے برعکس ملا صاحب کے بیان کے موافق حساب

اس تخت کی وضع قطع خود اختراع کی ہوگی۔ اور بے بدل خان کا انتخاب بھی بجائے خود بادشاہ کی نکتہ سنج و نکتہ نواز طبیعت کے لئے داوطلب ہے۔ بے موقع نہ ہوگا اگر بے بدل خان کے حالات بالا اختصار بیان کر دئے جائیں۔

## مہتمم تخت طاؤس، اس کے نام کی صحت اس کی قابلیت اور سہمیں اس کا راہم کی انجام دہی کی اہلیت

بے بدل خان۔ سعید نام، بے بدل خان (جو حقیقتاً خطاب ہے) مشہور گیلان کا رہنے والا تھا۔ بابو الیشری پرشاد صاحب ایم۔ اے نے اپنی "تاریخ ہندوستان" میں حرف "A" سے امداد تھی حاصل کرنے کی بجائے اس کو "الف" کا قائم مقام سمجھ کر "بے بدل خان" لکھ دیا ہے۔ انگریزی میں "بے بدل" (Bay Badal) اور "بے بادل" (Bay Badal) دونوں کا اطلاق کیا ہے۔ صرف کھینچ کر پڑھے جانے والے حروف پر ایسٹرن (اعراب یعنی ایک تڑھی لکیر) بنا دیتے ہیں۔ غالباً بابو صاحب موصوف نے انگریزی تاریخوں سے حالات اخذ کئے ہونگے اور کوئی ایسی کتاب نظر سے گزری ہوگی جس میں Badal کے "A" (با بعد "B") پر غلط ایسٹرن ہوگا یا نہ ہوگا اور جلدی میں مطالعہ کرتے ہوئے مغالطہ میں پڑ گئے۔ یا جس مصنف کی تاریخ اس ضمن میں دیکھی وہ انگریزی ہوگا۔ جو نا آشنائی زبان فارسی کے باعث "بے بادل" کی معنوی غلطی کو نہ سمجھ کر ایسا لکھ گیا ہوگا۔

سعیدائے گیلانی، جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان اگر سلسلہ شعراء میں منسلک ہوا کچھ دن بعد اپنے وطن کو واپس گیا۔ اور دوسری مرتبہ پھر آیا۔ شاہجہان نے اپنے زمانہ سلطنت میں اسے "بے بدل خان" کے خطاب سے مخاطب کر کے مہتممی زرگر خانہ شاہی کی خدمت پر مامور کیا۔ یہ عہدہ اس زمانہ میں بہت ہی وقیع تھا۔ اور اس پر معتد علیہ بندگان شاہی متعین ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ اکثر و بیشتر شاہی جواہرات اسی عہدہ دار کی تحویل میں رہتے تھے۔

”تخت طاؤس کی کوئی تصویر نظر سے نہیں گذری۔ لفظی تصویر یا نثر الامراء سے نقل کر کے

بھیجتا ہوں“

عصہ ہوا کہ بہادر شاہ یا اکبر شاہ ثانی کے بنوائے ہوئے تخت طاؤسی کی ایک قلمی تصویر قلعہ معلیٰ دہلی میں موجود تھی جس کو لوگ غلطی سے شاہجہانی تخت طاؤس کی شبیہ سمجھا کئے۔ اور اب وہ بھی معدوم ہے۔ البتہ اسی کی عکسی تصویر لونگ انگرہ ہیشن آف اینڈی کوٹھینر کارونیشن دربار ۱۹۱۱ء نامی کتاب کے صفحہ ۱۵۲ پر ضرور موجود ہے \*

نوٹ نمبر ۱۔ سعید احمد۔ آپ ماربرہ کے رہنے والے ہیں۔ ہکٹری آگرہ کے اہلمد اور اپنے زرین کارناموں کے باعث سرسید ثانی ہیں۔ اتفاق سے آپ کے نام نامی اور سید مرحوم کے اسم گرامی میں۔ تجنیس زائد کا علاقہ بھی ہے۔

آپ نے آگرہ میں انجمن محمدیہ کی بنا ڈالی ہے جو رجسٹرڈ باڈی اور بہت سے رفاہ عام کے کاموں پر حاوی ہے۔ اس انجمن کے تحت میں صغیر فاطمہ نسواں اسکول، شعیب محمدیہ ہائی اسکول، مدرسہ محمدیہ اور کئی ایک مشنری مدارس ہیں۔ یہ مدرسے یوپی کے مدارس اسلامیہ میں بہت ممتاز ہیں \*

آپ کو فن تاریخ سے خاص طور پر دلچسپی ہے۔ اور اس میں کئی مستند اور مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی سرکشتہ آلا رانصیف ”امرائے ہنود“ ہے جس میں عہد اسلامی خصوصاً دولت تیموریہ کے ہندو امراء کا تذکرہ ہے۔ آپ انجمن محمدیہ کی اعزازی نظامت اور شعیب ہائی اسکول کی منیجر کی خدمات اپنی ملازمتی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ بہت ایمانداری و بیدار مغزی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ خدا کرے کہ عرصہ تک زندہ رہیں اور دو فارسی کے ماہرین سے ہیں \*

نوٹ نمبر ۲۔ *Lawn Exhibition of antiquities, coronation Durbar 1911 A.D.*

## ایک غلط تصویر

بک آف نالج (کتاب المعارف) میں جہاں چند سطور میں اس کے حالات پر روشنی

ڈالی ہے وہاں اس کی تصویر بھی دی ہے۔ جو یہ ہے \*

پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے بھی ملا صاحب ہی کا بیان زیادہ مستند اور قابل تسلیم ہے  
 آثار الامراء سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ۱۲۔

نوٹ نمبر ۲۔ ایک مشقال برابر ہے ۵ ماشہ کے (دیکھو طامس روکی تاریخ) ۱۲۔  
 نوٹ نمبر ۳۔ ظفر نامہ میں ایک لاکھ تولہ سونا اور یاد شاہنامہ میں ایک لاک تولہ طلائے  
 ناب کہ دو صد پنچا ہزار مشقال است لکھا ہے ۱۳۔

نوٹ نمبر ۴۔ اور نیل بیا گر فیکل ڈکشنری میں بے بدل خان کے حالات پر روشنی ڈالتے  
 ہوئے لکھا ہے۔ ”بے بدل خان“ ”ابوطالب کلیم“ کا پرانا خطاب معلوم ہوتا ہے۔ ”بطاہر مرتبہ“  
 لغت مذکورہ مندرجہ ذیل متحدہ امور سے یہ دھوکا ہوا +

(۱) دونوں عمدہ جمانگیری میں اپنے وطن گئے۔ اور شاہجہان کے عہد میں واپس آئے +

(۲) دونوں نے اپنے اپنے ہوزن سونا انعام پایا +

(۳) دونوں نے قطعہ تاریخ ”تخت طاؤس“ اور قصیدہ تہنیت جشن جلوس تخت مذکور پیش کیا  
 مگر امور ذیل شہادت مذکورہ بالا کو رفع کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ”ابوطالب کلیم“ اور  
 ”بے بدل خان“ دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں تھیں۔

(۱) بے بدل خان عام شعراء میں تھا۔ اور ابوطالب کلیم ”ملک الشعراء“ دربار۔

(۲) بے بدل خان صرف ایک مرتبہ وطن جا کر واپس آیا۔ لیکن کلیم تین مرتبہ گیا اور واپس آیا۔

(۳) بے بدل خان ”گیلان“ کا اور ابوطالب کلیم ”ہمدان“ کا رہنے والا تھا +

(۴) آثار از مضمون ”مستم تخت طاؤس“ نوشتہ برادر بجان برابر منشی منظور لطیف خان صاحب  
 رسالہ ”قافوس“ جہانسبی بابہ جنوری ۱۹۲۷ء - ۱۲ +

## تخت طاؤس کی تصویر

میں نے باسٹھنائے کلکتہ قریب قریب ہندوستان کے تمام مشہور عجائب خانوں کی سیر  
 کی ہے اور برابر تخت طاؤس کی تصویر کا جو یارہا لیکن میری متلاشی نظریں ناکام ہی رہیں۔ اور  
 دریافت سے معلوم ہوا کہ کلکتہ میں بھی کوئی تصویر موجود نہیں +

اس زمانہ میں کہ میں اس کے حالات قلمبند کر رہا ہوں میں نے دورِ حاضرہ کے مشہور  
 مورخ منشی سعید احمد صاحب مارہروی (صاحب ”امراء ہنود“ وغیرہ) سے اس معاملہ  
 میں دریافت کیا۔ موصوف نے تحریر فرمایا +

وہ مستعفی ہو کر ولایت چلے گئے۔ اور ۱۹۲۵ء میں وفات پائی +  
 لارڈ کرزن آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیمیافتہ، بیدار مفکر، لائق، ادیب، انگریزی کے اعلیٰ  
 افشار پرواز اور انگلستان کے ان مایہ ناز فرزندوں میں تھے جنہیں مشرق وسطے کی سیاسیات  
 میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ وہ مشرق کی سیاسیات کے متعلق ایک معرکتہ الاراقینیت چھوڑ کر  
 راہی قبا بقا ہوئے +

فلمد نشیں ملک وکتوریہ قبیرہ۔ بند سنے انہی کے زمانہ واسر اسلمی میں ۱۹۲۵ء میں انتقال  
 کیا۔ ۱۹۲۵ء کا جشن وربار تاج پوشی فردوس آرامگاہ ایڈورڈ ہفتم انہیں کے عہد میں ہوا جس  
 کا تذکرہ واحشام آج تکہ ضرب المثل ہے۔ تقسیم جنگل ان ہی کے زمانہ میں ہوئی۔ اور  
 ایکٹ انتقال اراضی انہی کی یادگار ہے +

انہیں تاریخ اور تاریخی عمارات سے علی الخصوص جید دلچسپی تھی۔ ممکنہ اتنا قدیمہ جس نے  
 مغلوں کی صد عمارات کو دستبرد زمانہ سے بچا کر ان کی یاد کو تازہ کر رکھا ہے انکے واسر اسلمی  
 کے زمانہ کی ایک نمایاں یادگار ہے +

تاریخی ملکہ میں ان کی تصنیف "پرشیا اینڈ دی پرشین کوشین" جو ان کا سفر نامہ ایران ہے  
 موقر نظر سے دیکھی جاتی ہے +

بہت حسین آدمی تھے۔ ڈاڑھی موچھ منڈاتے تھے۔ ہندوستانیوں میں یہ طرز انکی یادگار خاص اور  
 "کرزن فیشن" کے نام سے آج تک موسوم ہے + (بامداد تاریخ ہند ایشری پرشاد) +  
 نوٹ نمبر ۲۔ پرشیا اینڈ دی پرشین کوشین - ۱۲ +

## ایک معاون تصور تصویر

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے اپنی "تاریخ ہند" میں جو صوبہ یو۔ پی کے انگریزی مدارس کے نصاب  
 میں داخل ہے "شاہجہان بر تخت طاؤس" کے عنوان سے ایک تصویر دی ہے۔ اور جس کو  
 ہم بھی شروع میں ختم کر آئے ہیں۔ یہ تصویر بھی ہماری نظر میں مشکوک ہے۔ کیونکہ مورخین  
 قدیم بارہ ستون بیان کرتے ہیں۔ اور اس میں صرف چار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ  
 تصویر کہاں سے لی ہے نہ اس کا کہیں تذکرہ اور نہ ہمارے استفسار کے جواب میں موصوف  
 نے بتلایا کہ اس کی صحت یا غلطی کے متعلق ہم کسی خاص فیصلہ تک پہنچتے تاہم "تخت طاؤس" کے  
 تخیل میں یہ تصویر بہت معاونت کر سکتی ہے +

ایک مرصع ہشت پہل تخت، اس کے چاروں طرف بطور حاشیہ چند تختے لگے ہوئے  
مگر سامنے کے رخ کا درمیانی حصہ تختوں سے عاری، پشت کی طرف رسمی نکیہ گاہ  
جس پر ادھر ادھر وہ چڑیاں بنی ہوئیں چھت وغیرہ کچھ نہیں، چڑھنے کے لئے تین  
چڑاؤ سیڑھیاں ۴

بطور تویہ تصویر اصول فروغ تجارت کو مد نظر رکھ کر کتاب میں دی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔  
جس طرح سے کہ اسی کتاب میں ایک خیالی تصویر پیمبر آخر الزمان حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے۔ اور جس کی بدولت اواخر ۱۹۲۵ء میں اخبارات و رسائل کتاب مذکور  
پر بہت کچھ لعن طعن کر چکے ہیں۔ کیونکہ تخت طاؤس کی شبیہ جو موخرین نے اپنی مندی قلموں سے  
صفحہ تاریخ پر کھینچی ہے۔ اس سے یہ بالکل مختلف ہے۔ مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ دراصل ایسا  
نہیں بلکہ تخت طاؤسی ساختہ ایران (جس کا حال ہم آگے چل کر بیان کریں گے) کا عکس ہے جس  
کی صاحب کتاب نے تشریح نہیں کی۔ کیونکہ لارڈ کرزن آنجمنی کا بیان میری رائے کا موید ہے  
موصوف فرماتے ہیں۔

”آجکل اس تخت کے صرف بعض حصص باقی رہ گئے ہیں۔ جو یورنیر کے نوشتہ (مذکورہ بالا)  
مفصل حالات کا جزو ہیں چھتری کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ  
چھت موجودہ تخت پر کس طرح قائم ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ طاؤس بھی نہیں۔ اور ان تمام امور  
کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ خیال پایہ یقین کو پہنچتا ہے کہ موجودہ تخت طاؤس کا وہلی  
کے لئے ٹھہرائے اصلی تخت طاؤس سے اگر کوئی تعلق ہے تو صرف علاقہ بہمنی  
نوٹ نمبر ۱۔ لارڈ کرزن۔ ۱۹۰۷ء میں جبکہ ان کی عمر ۴۴ سال سے کچھ کم تھی وائسرائے  
ہند مقرر ہوئے۔ اور بڑی قابلیت سے وائسرائے کی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ خیالات اور  
اور طرز حکومت میں لارڈ ڈلہوزی سے مشابہ تھے۔ ان کی حکمت عملی ہندوستانیوں میں مقبول نہ ہوئی  
۱۹۰۷ء میں سپہ سالار ہند کے محکمہ کا جو نظام تجویز ہوا تھا اس کی بابت ان میں اور لارڈ کچنر  
(سپہ سالار ہند) میں کچھ اختلاف رائے ہوا۔ وزیر ہند نے لارڈ کچنر کی رائے کو ترجیح دی۔ اسی بنا پر

## پایوں کے متعلق ایک خاص بیان

ہندوستانی مورخین قدیم نے تو پایوں کا بیان قطعی نظر انداز کیا ہے۔ مگر ڈاکٹر برنیئر اور بیورنیر نے ان کا ذکر کیا ہے۔ برنیئر لکھتا ہے :-

”یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے۔ جن کے متعلق کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں۔ ان میں یا قوت، زہرہ اور ہیرے چڑے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی کو اس قدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں۔ کہ ان کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور جواہرات بہت ہی ہیں“

اور لین پول صاحب ”سوانح اورنگ زیب“ کے حواشی میں بیورنیر کا بیان لکھتے ہیں :-

”تخت ہذا چار پایوں کی بڑی چوکی کی وضع کا تھا (اس میں چھ پائے نہ تھے)“

بخلان اس کے اسی سیاح کا قول جو لارڈ کرزن نے اپنی کتاب موسومہ پریشیا اینڈ دی پریشین کوشچن میں نقل کیا ہے اس میں سات پائے بیان کئے گئے ہیں۔ بہر حال میں ان لوگوں سے منتفع ہوں جو چھ پائے کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک مٹن تخت کا توازن نہ بغیر چھ پایوں کے کسی طرح قائم رہ سکتا ہے اور نہ اس میں کسی خاص کئی بیشی کی ضرورت

نوٹ نمبر ۱۔ برنیئر۔ فرانسس برنیئر نام، ملک فرانس کے شہر انجرس میں پیدا ہوا۔ سال پیدائش محقق نہیں۔ ڈاکٹر دول ٹیر ۱۶۲۵ء سنہ ولادت بتلاتے ہیں۔ صاحب جیمزس بیگرنیل ڈکشنری نے ۱۶۵۲ء لکھا ہے۔ لیکن واقعہ سیاحت ڈاکٹر برنیئر مترجمہ خلیفہ محمد حسین صاحب کے دیباچہ سے جہاں اس نامور سیاح کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس سنہ میں اس نے ملک شام کا سفر کیا تھا۔ اس کی وسعت میاحت کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر دول ٹیر کا ہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ برنیئر نے مونٹ پیریس علم طب کو تحصیل کر کے علامہ طبیعات ڈاکٹر آن فریک، کا فاضلانہ مرتبہ (ڈگری) حاصل کیا۔ وہ طبعا سیر و سیاحت کا ہمیشہ سے شائق تھا۔ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی وہ اس طرف مائل

## تخت طاؤس کی ہیئت

موزین میں عام طور پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے حیران ہوں کہ کس طرح تخت مذکور کا نقشہ اپنے ناظرین کے ذہن نشین کروں؟ بہر حال قدیم باکمال اور مسلم الثبوت مصوروں کی صفحہ تاریخ پر کھینچی ہوئی لفظی تصاویر سامنے رکھ کر جو تصویر میں نے اپنے دماغی عکس گیر (کیمرے) میں تیار کی ہے۔ اس کو تذکرہ ناظرین کرتا ہوں۔ یہ تصویر زیادہ تر تو صاحب ظفر نامہ شاہ جہان، صاحب بادشاہ نامہ اور صاحب آثار الامراء جیسی مستند شخصیتوں کی کشیدہ شبیہ قلمی سے ماخوذ ہے لیکن کہیں کہیں دوسرے مصورانِ حالاتِ پاستا نیاں کے یہاں سے بھی رنگ و روغن لیکر آرائش و زیبائش کی گئی ہے +

## طول، عرض اور بلندی

یہ تخت ۱۳ گز (حسب بیان ٹیورنر ۶ فٹ) طویل، ۲۱ گز (حسب بیان ٹیورنر ۶ فٹ) عرض، ۵ گز (حسب بیان ٹیورنر ۶ فٹ) بلند اور ٹنٹن تھا۔ جس میں ایک سو آٹھ لعل (مواضع ۱۳۵) رتی سے ڈھائی سو رتی تک کے وزنی، اور ایک سو ساٹھ (۱۶۰) زہر (۳۶) سے ۷۲ رتی وزن تک کے (جرے ہوئے تھے)۔ اور دو۔ دو فٹ اونچے چھ طلائی مرصع پالیوں پر قائم تھا +

- نوٹ نمبر ۱۔ سرکاری عمارتی گز بقول ابو الفضل ۳۲ طسوج کے برابر اور درزی کا گز ۱۶ گز کا ہوتا تھا۔ ہمارے یہاں کا عمارتی گز اب بھی وہی ہے۔ جو شاہ جہان کے عہد حکومت میں تھا۔ (کشتہ قادری) - ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲۔ ۵۔ ڈیول انڈیا مصنفہ لین پول - ۱۲ +

نوٹ نمبر ۶۔ تاریخ ہندوستان قسطنطین سوم۔ شائع کردہ مالکان بڑی جنٹری۔ بڑی جنٹری

بابتہ سال ۱۸۹۶ء - ۱۲ +

صاحب سابقہ دلپسندیدہ عادات، خوش تقریر اور مبلغ آدمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سینٹ  
یورمانٹ جو ابتدائے سن تیز میں ایک پادری، صدید الطبع، عجیب و غریب قابلیتوں  
کا جامع، نامور فاضل اور سپاہی تھا۔ اور کچھ ہی ہو کسی کی بچو کر گئے اور کسی پر بچھتی کس جیسے  
سے کبھی نہ چوکتا تھا۔ برتیر کو "نول صورت فلسفی" کہا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ان تمام  
قابلیتوں کے ساتھ ہی اپنے فلسفیانہ خیالات میں جن کو فلسفہ کہ کر اس لفظ کی  
سٹی خراب کرتا ہے۔ حکیم اپنی کیورس یونانی کا پیرو تھا۔ وہ اپنے استاد گیمینٹی  
کا (جس سے اس نے فلسفہ کی تعلیم پائی تھی) نہایت معتقد تھا۔ اور مذہب عیسوی  
کے مسلمہ مسائل الہامیہ کا منکر اور بیدین فلسفیوں کے مجددانہ تخیلات کا قائل +

وہ تحقیقات کا شیدا تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں فلسفہ الہیات وغیرہ پر لکھیں  
جو اب نامقبول ہیں۔ وہ فن وقایع نگاری و تاریخ نویسی میں اہل یورپ کے نزدیک مسلم  
و عدیم الثقی ہے۔ اقوام مغرب اُسے اس فن میں استاد مانتی ہیں۔ وہ جس چیز کا ذکر کرتا  
ہے اس کی تصویر نظر کے سامنے کھینچ جاتی ہے۔ اس کا سفر نامہ بہت ہی مقبول ہوا۔  
جس سے اس زمانہ کی تہذیب، آئین سلاطین، طریق دربار و سزا و جزا، وضع قطع، تماش  
خرائش اور ہر چیز پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر برتیر اور اس کے سفر نامے کے  
منعق مسٹر سرکار نے جو رائے قائم کی ہے وہ مختلف صورتوں سے اسی کتاب کے  
متن و حواشی میں جا بجا درج کی جا چکی ہے۔ جس سے موصوف کی نظر میں اس کی بے  
اعتباری ظاہر ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس کا طرز بیان بہت ہی دلچسپ اور  
اس کی تحقیقات بید قابل داد اور پر منفعت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے تعصب نے اس  
کو اتنا موقر نہ رکھا۔ جتنا کہ اس کو ہونا چاہئے تھا۔ اس کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کے  
عیوب پر نوکتہ چینی کرتا ہے۔ لیکن اپنے اور اپنی قوم کے انہیں عیوب کو نظر انداز کر جانا  
ہے۔ اور کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے ۱۰ جون ۱۶۶۱ء کے ایک خط موسومہ  
مسٹر چیپ لین میں جو شیراز سے لکھا گیا تھا۔ ہندوؤں کے عقائد سے بحث کرتے ہوئے  
ان کے طریق عبادت و بت پرستی پر اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود جس مذہب کا متبع  
تھا اس میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کی شبیہیں اور لپٹس حواری  
کے جوئے کی نقل رکھی جاتی مقدس جان کران کی پرستش کی جاتی اور ہندوؤں کی طرح دوپ  
دیپ دے کر گھنے بجائے جاتے ہیں۔ یا اس نے سفرائے حبش کا جو دربار مغل میں آئے  
تھے ٹھوڑے کا گوشت کھانے پر بہت مذاق اڑایا ہے۔ حالانکہ اس کی قوم خود ایک زمانہ  
میں پشوق اس کو کھاتی رہی ہے۔ تعصب نے اسے عیب راہنر باید کے حکیمانہ مفہمے  
پر بھی عمل نہ کرنے دیا۔ اس نے سلاطین، شاہزادگان اور بیگمات نیروی کے منہم کرنے  
کو اپنا نصب العین بنایا۔ چنانچہ قلم کی روانی میں شاہچمان، جلال آرا اور روشن آرا وغیرہ پر

ہو گیا ۱۶۵۲ء میں وہ ملک شام کو گیا۔ وہاں سے وہ ملک مصر پہنچا۔ ایک سال سے زائد قاہرہ رہا یہ تخت مصر میں قیام پذیر رہا۔ پھر ہندوستان آیا اور بندرگاہ سورت پر اترا۔ جس زمانہ میں یہ ہندوستان پہنچا ہے۔ عالمگیر اور اس کے بھائیوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ داراشکوہ جب اجمیر سے احمد آباد کی طرف بھاگا ہے۔ تو چونکہ اس کے ساتھ کوئی طبیب نہ تھا۔ اور ایک بیگم کے پیروں میں خطرناک زخم تھا۔ لہذا اس نے برنیہ کو جبراً اپنے ساتھ لے لیا۔ داراشکوہ راجہ کچھ سے مشکوک ہو کر ٹھٹھ کی طرف گیا تو برنیہ کو لیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ جنہوں نے بڑی مشکل سے ۸ دن اس کو نظر بند رکھ کر رکھا لیا۔ اور احمد آباد کے قریب پہنچا دیا۔ وہاں اس کی ایک امیر سے ملاقات ہو گئی۔ اور اس امیر نے اس کو دہلی تک پہنچایا۔ برنیہ ہندوستان میں بارہ برس تک رہا۔ جس میں سے ۸ سال تک اس نے عالمگیر کے طبیب خاص کی خدمات انجام دیں۔ اور بقیہ زمانہ ملا شفیعائے یزدی المخاطب بہ نواب دانشمند خاں کی ملازمت میں بسر کیا +

نواب دانشمند خاں عہد عالمگیر اور عہد شاہجہان کے باکمال لوگوں میں سے تھا۔ یہ شخص فلسفہ، ہیئت اور ہندسہ میں بالتحفیف مشہور و معروف تھا۔ اور ایسا زبردست عالم تھا کہ نعمت خاں عالی جیسا فاضل اس کا شاگرد تھا۔ شاہجہان نے محض اس کے علم و فضل کی شہرت سن کر جبکہ وہ اپنے وطن کو تجارت کے کاروبار سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا۔ بندر سورت سے واپس بلا کر امرائے دربار میں داخل کر لیا تھا۔ عالمگیر کے عہد میں یہ سوار فوج کے میجر بنی۔ اس کے عہدے سے ترقی کر کے وزیر خارجہ کے عہدے پر ممتاز ہو گیا تھا۔ صرف ایک ہی ایسا امیر تھا کہ جس کو اس کے شغف علمی کی وجہ سے شام کے دربار عثمانیہ کی حاضری سے جس میں ہر امیر کا حاضر ہونا لازمی تھا مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ یہ صرف چار شخص تھے کہ اس کی چوکی کا دن تھا۔ دربار مذکور میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس فاضل اجل نے سنہ ۱۶۵۲ء میں وفات پائی +

میں برنیہ کا ذکر کرتے کرتے نواب دانشمند خاں کا تذکرہ کرنے لگا۔ خیر عرض یہ کہ برنیہ دربار شاہی میں تین سو روپیہ ماہانہ پاتا تھا اور اس زمانہ میں ایک بڑی تنخواہ تھی اور ذی عزت عہدہ داروں کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ۱۶۶۱ء میں فرانس واپس گیا۔ اور اس نے ۱۶۶۱ء میں اپنا مشہور و معروف سفر نامہ شائع کیا۔ اس سفر نامہ کا انگریزی ترجمہ جاکوئسٹیل (الموتوفی ۲۱ جولائی ۱۶۷۶ء) کے یہاں سے ۱۶۹۲ء میں شائع ہوا بہترین ہے۔ (کائنات) ایک وہ ہستی تھی جس کے دنیائے علم پر صد ہا احسانات ہیں اسی معزز کتب فروش نے سنہ ۱۶۸۸ء میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا حق تصنیف ۱۳۰۰۰ ہزار (۱۳۰۰۰) پونڈ میں خریدا تھا (سنہ ۱۶۸۸ء میں برنیہ نے اس نمونے سے انتقال کیا کہ ڈی ہارے اولین صدر جمہوریہ فرانس نے جلسہ عام میں اس کی نسبت سخت لعن طعن کی تھی۔ برنیہ ایک خوش رو، موزوں قد، خلیق،

ممالک خارجہ کو (خواہ وہ سفیر ہوں، تاجر ہوں یا سیاح ہوں) ملکی آدمیوں کی طرح معلومات بہم نہیں پہنچ سکتی ہے بریئر یا ٹیورنیر کے بیانات کو ہمیں نظر انداز کرنا چاہئے۔ ان جس جگہ کسی وجہ سے یہاں کے ملکی مورخین خاموش ہوں اس جگہ ان لوگوں کی تصانیف دیکھ کر اور کھرے کھوئے کا امتیاز کر کے خدا صفا دور ماکر پر عمل کر لینا چاہئے۔ ۱۲۔  
نوٹ نمبر ۲۔ دقائق سیاحت ڈاکٹر بریئر نثر چہ خلیفہ محمد حسین صاحب - ۱۲ +

## حاشیہ

تخت کے گرداگرد گیارہ تختے مرصع و مغرق بجواہر ٹکنے کے لئے بطور حاشیے کے لگے ہوئے تھے۔ اور صرف بیچ کا تختہ جو صدر میں بادشاہ کے تکیہ لگانے کے لئے بنایا گیا تھا دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰) روپے میں تیار ہوا تھا۔ اور کثرتِ جواہر سے مجموعہ جواہرات بنا ہوا تھا +

نوٹ نمبر ۲۰۔ بادشاہتِ مغلظفر نامہ شاہجاں، سیر المتاخرین، سفر نامہ بریئر اور مائٹز الامراء - ۱۲ +

## ایک تاریخی لعل

اس تختے میں یوں تو بڑے بڑے بیش قیمت، بے نظیر اور عظیم المثال جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ لیکن ایک بیش بہا، نادرا نایاب اور تاریخی لعل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اس خصوصیت ذکر کی وجہ یہ کہ عام طور پر حصولِ جواہر میں جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بخوفِ تکرار یہاں وضاحت نہیں کی جاتی، پھر بھی اس کٹائے کے بغیر چارہ کار نظر نہیں آتا۔ کہ لفظ "تعیبہ" کی تفہیم کے ساتھ جواہر تراشی کی دقتوں کی جانب بھی اشارہ کیا جائے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، ناری الاصل صحور نہایت ہی سخت اور صلہ ہوتے ہیں۔ ان کا کٹنا ایک نہایت اہم امر ہے۔ اور اس وقت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ان جواہرات کو کسی خاص ہندسی شکل کے موافق تراشنا

صد ہا بیجا ناممکن اور پدمنا الزام لگا دے۔ اور اس سے اس کا مقصد اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ کہ مغلوں کے خلاف اپنی قوم کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرے فن سیاسیات کے ماہر ہی اس نکتہ کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ کیا پانڈیچری پر فرانسیسی جہاؤ اور فرانسیسیوں کا گھور گھور کرہندوستان کی طرف دیکھنا اس پر وپیکنڈے کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تو یوں کہئے کہ اقبال برطانیہ کے آگے فرانسیسیوں کا چراغ گل ہو گیا ورنہ آج ہندوستان انہیں کے زیر نگیں ہوتا +

نوٹ نمبر ۲۔ ٹیورنیر۔ جین بیپٹسٹ ٹیورنیر نام، پیرن ڈی آبان لقب، اینٹورپ کے ایک لکڑی پر نقش ونگار کرنے والے کا بیٹا تھا۔ ۱۷۳۷ء میں پیرس میں پیدا ہوا۔ جو اہرات کا بہت بڑا مبصر اور تاجر تھا۔ اس نے ایک جوہری کی حیثیت سے مغربی یورپ اور ایشیا کے بیشتر حصوں اور ملکوں کی سیاحت کی۔ اس نے یہ تفصیل ذیل چھ سفر کئے :-  
(۱) ۱۷۳۷ء سے ۱۷۳۸ء تک اس سفر میں وہ قسطنطنیہ کے راستے سے ایران گیا۔ اور وہاں سے ماٹا ہوتا ہوا اٹلی پہنچا +

(۲) ۱۷۳۸ء سے ۱۷۴۳ء تک اس سفر میں ملک شام طے کر کے اصفہان اور آگرہ ہوتا ہوا گولکنڈہ پہنچا +

(۳) ۱۷۴۳ء سے ۱۷۴۹ء میں اس سفر میں اصفہان ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ اور وہاں سے بمبویا (جاوہ) ہوتا ہوا بلیٹیم کو گیا۔ اور وہاں سے راس امید کی راہ سے لاپینڈ +  
(۴) ۱۷۵۱ء سے ۱۷۵۵ء تک (۵) ۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۲ء تک (۶) ۱۷۶۳ء

سے ۱۷۶۸ء تک۔ ان آخری تین سفروں میں، اس نے زیادہ تر ہندوستان اور ایران کی سیاحت کی۔ ۱۷۶۹ء میں لوش چہاردہم نے اسے خاص خطوط و فرامین عنایت کئے اور اگلے سال اس نے جنیوا (سوٹزر لینڈ) کے قریب آبان کا تعلقہ خریدا۔ ۱۷۸۳ء میں وہ الکتھ آف برینڈن برگ کی مشرقی تجارتی تاجروں میں مشورہ دینے کے لئے برلن گیا ۱۷۸۹ء میں اس نے بمقام ماسکو انتقال کیا۔ اس کے مشورہ و معروف چھ سفر ۱۷۶۶ء میں

چھپے اور ان کا انتہہ ۱۷۶۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۷۸۱ء اور ۱۷۸۲ء میں اس کے سفر نامے کے دوسرے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں (ازچیمبرس بیباگر فیکل ڈکشنری) ٹیوگنیر کا ماخذ بہت کچھ برنیر کا سفر نامہ اور سنی سنائی باتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر سرکار نے اسکو بھی کچھ زیادہ معتبر نہیں سمجھا ہے۔ اس کے بیانات برنیر کے مقابلہ میں زیادہ وثیق نہیں کیونکہ وہ دربار شاہی سے ایک خاص تعلق رکھتا تھا۔ اور یہ محض ایک جوہری کی حیثیت سے

دربارہ درباروں میں آتا جاتا تھا۔ چونکہ ٹیورنیر برنیر کا ہم قوم ہم مذہب، سیاحت میں ہم خیال تھا اور بہت کچھ اسی کے بیانات سے اخذ کرتا تھا اس لئے وہ ہر حیثیت سے اس کا مقلد ثابت ہوا۔ یہ بھی سخت متعصب اور آل تہ و رکاب نام کنندہ تھا۔ میرے خیال میں باشندگان

کے قبضے میں تھے متصرف ہو کر ان کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے ۴۲-۴۳ سال تک حکمرانی کی۔ اور ۲۵ ذوالحجہ ۸۵۵ھ = ۱۲ مارچ ۱۴۴۷ء کو فارسی نوردوز (انوار) کے دن جبکہ بحساب شمسی اس کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی بمقام قشاورہ (ملاقہ رنی) وفات پائی۔ پانچ بیٹے، مرزا الف بیگ، ابراہیم مرزا، مرزا یاسنقر، مرزا سیرغیش اور محمد علی یادگار چھوڑے۔ بہت ہی خشک مزاج، بہادر اور صلح پسند بادشاہ تھا۔ باوجودیکہ ۴۲ سال حکمرانی کی۔ لیکن سوائے قبیلہ ترکمان کے (جو ایشیائی نژد میں آباد تھا اور جسے امیر تیمور نے منسوخ کر لیا تھا)۔ لیکن اچھی طرح قابو میں نہ آیا تھا اور کسی سے نہ لڑا باوجود خشک مزاجی کے لالچی نہ تھا۔ (اور نسیل بیاگرنیکل ڈکشنری تاریخ ہند مولوی ذکا اللہ نوٹ نمبر ۲۔ مرزا الف بیگ۔ الف بیچ بھی مشہور ہے۔ مرزا شہسوار کا بیٹا اور امیر تیمور کا پوتا تھا۔ اپنے باپ کے زمانہ حیات میں ۴۰ سال تک سمرقند کا حاکم رہا باپ کی وفات پر ۸۵۱ھ میں تخت حکومت پر جلوس کیا۔ وہ ایک بہت ہی بد قسمت آدمی تھا۔ کہ خانہ جنگی کا شکار ہو کر قید کر لیا گیا۔ اور اس کے بیٹے مرزا عبد الطیف نے ۲۷ اکتوبر ۱۴۲۹ء = ۱۲۵۳ھ میں اس کو قتل کر ڈالا۔ یہ تاریخی نکتہ ہے۔ کہ پدرکش سلطین خود بھی زیادہ دنوں زندہ نہ رہ پائے۔ اور ان کو چین سے سلطنت کرنا پيسر نہ آیا۔ چنانچہ اس شہزادے نے اتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو کر سلطنت حاصل کی اور صرف ۶ مہینے سلطنت کرنے کے بعد اپنی فوج کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا اور خسر الدنیا والاخرہ کا مصداق بنا +

مرزا الف بیگ علوم و فنون کا فنیہ اور تعلیم و تعلم کا عاشق زار تھا۔ اس نے خود بھی بہت زیادہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اور ساری عمر تعلیم و تربیت پر زور دینے میں گزارا وہ لڑائی سے ہمیشہ بالکل الگ تھلگ رہا۔ فن نجوم میں اس کو مہارت تامہ حاصل تھی اور اس سے اس کو بہت زیادہ دلچسپی بھی تھی۔ اس نے اپنے ممالک محروسہ کے تمام نجومیوں اور اس زمانہ کے تمام آلات کو پایہ تخت میں جمع کر کے دلچسپ تحقیقاتیں کیں۔ اور مفید معلومات بہم پہنچائی۔ مزج الف بیگ اسی زمانہ کی تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے یہ علم ہیئت و نجوم کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس نے ایک رصد گاہ بنوائی تھی۔ جس کی بلندی سینٹ ابا صوفیہ (قسطظلیہ کا مشہور و معروف گرجا۔ جس کو ترکوں نے مسجد بنا لیا ہے۔ اور اب مسجد ابا صوفیہ کہلاتا ہے) کے برابر یعنی ۸۰ (اردن) فٹ ہے +

مرزاے مسطور نے ۱۴۴۷ء کے ثوابت (قائم رہنے والے ستاروں) کی ایک فہرست تیار کی تھی۔ جس کو ۱۴۵۶ء میں اٹلی پرہس اکسفورڈ نے حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ (انگریز ازاد نسیل بیاگرنیکل ڈکشنری۔ مولفہ ہنری جارج کین) - ۱۲ +

نوٹ نمبر ۳۔ شاہ عباس صفوی اول۔ صفوی ناندان کا سا نواں بادشاہ جس کو

مقصود ہو۔ جس میں زادیوں اور ضلعوں کا خیال کرنا پڑتا ہے۔ ایک ضلع پر دوسرے ضلع اور ایک زاویہ پر دوسرے زاویہ کا اس طرح سے پیوست ہونا کہ دو جواہرات مل کر ایک چیز معلوم ہوں۔ حقیقتاً صنعت کی ایک عجوبہ کاری ہے۔ کہ جس کی مثالیں اب ناپید ہو رہی ہیں۔ سننے میں تو لفظ "تعبیہ" سے ایک معمولی کام کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس عرق ریزی، جگر خراشی اور جانفشانی کی داد ہم اس وقت دے سکتے ہیں جب پورے طریقے سے ان دقتوں کو محسوس کریں۔ جو فن جواہر تراشی میں صنعت کاروں کو پیش آتی ہیں۔ اس لعل پر ہر اس شخص نے جس کے بھی وہ قبضہ میں رہ چکا تھا اپنا اپنا نام کندہ کر لیا تھا۔ اور سب سے زیادہ عجیب و سخت ترین درجہ اس لعل کے تعبیه کرنے میں یہی تھا۔ کہ جن لوگوں کے نام کندہ تھے وہ اپنی پوری حیثیت سے اس میں قائم رہ جائیں اور تعبیه ہونے میں لعل کی خوشگامی میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔ چنانچہ امیر تیمور "صاحبقران اول"، مرزا شاہرخ، مرزا الغ بیگ اور شاہ عباس صفوی اول بادشاہ ایران کے اسماء گرامی اس پر پہلے سے کندہ تھے۔ اور

جب شاہ عباس موصوف الصد نے بسپہ میں اپنے سفیر زنبیل بیگ کے توسط سے بہت سی بیش بہا اور نادر اشیاء کے ساتھ یہ لعل جہانگیر کو تحفہ بھیجا ہے۔ تو جہانگیر نے اپنے باپ اکبر کے نام کے ساتھ اپنا نام کندہ کر کے "علی، افضل خاں کے ذریعہ سے شاہجہان کو فتح دکن کے صلہ میں مرحمت فرمایا تھا۔ شاہجہان نے اس پر اپنا نام منقوش کرا کے تخت طاؤس کی تکیہ گاہ میں جڑوا دیا۔ اس عجوبہ روزگار لعل کی قیمت ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰)

روپیہ تھی۔

نوٹ نمبر ۱۔ مرزا شاہرخ۔ امیر تیمور صاحبقران کا چوتھا بیٹا ۱۲۔ رجب الاول ۱۵۱۹ء مطابق ۲۱۔ جولائی ۱۵۱۹ء کو پیدا ہوا۔ باپ کے ساتھ بہت سی لڑائیوں میں شریک رہا۔ چنانچہ فتوحات ہندوستان اسی کی قوت بازو کا نتیجہ تھیں۔ باپ کے انتقال پر ۱۵۳۰ء میں خراسان کا حاکم تھا۔ وہیں کا مستقل فرمانروا ہو گیا۔ بسپہ میں جبکہ اس کا برادر زادہ سلطان خلیل مرزا فرمانروا لے سمرقند قید ہو گیا۔ تو یہ خوبیں نے کر بڑھا۔ اور اس کے ممالک پر قبضہ کرنے کے علاوہ ایران، توران اور قریب قریب ان تمام ممالک پر جو امیر تیمور

کھڑے ہونے کا مستحق نہیں رہتا۔ رفع کردوں \*  
 کوئی صاحب ہشام میرٹھی ہیں جو اس تختِ بعل پر ۱۱-۱۲ سطروں میں روشنی ڈالتے ہوئے مقرر یہ  
 فرماتے ہیں۔ یہ بیش بہا جو اہر شاہ عباس باوشاہ ایران نے اپنے ایلچی کے ذریعے سے جنت  
 مکانی جہانگیر بادشاہ کو ہدیہ میں بھیجا تھا۔ جب شاہجہان نے دکن فتح کیا تو جہانگیر نے خوش ہو کر  
 اس فتح کے صلہ میں اپنے غلام افضل خان کے ہاتھوں شاہجہان کو عنایت کیا تھا \*

کیا اس عبارت کو پڑھ کر کوئی سمجھ سکیگا۔ کہ افضل خان وہی افضل خان ہیں جو علامی  
 ابو الفضل کے بعد خطابِ علامی کے مستحق ٹھہرے تھے۔ بن کے علم و فضل کی ہر چہاں جانب  
 دھوم تھی۔ جو دارالعلم شیراز کے مایہ ناز فرزند اور شاہجہان کے دیوان کل روز بہ اعظم اہل  
 نہیں اور ہرگز نہیں۔ پڑھنے والا صرف یہ سمجھے گا کہ وہ شخص شاہی غلام تھا۔ اور زیادہ  
 سے زیادہ یہ خیال کر لیگا۔ کہ بڑا معتد غلام تھا۔ جب ہی تو لاکھ روپیہ کا لعل بادشاہ نے اسکے  
 ہاتھوں بچھوایا۔ معزز مضمون نگار نے کسی فارسی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے۔ اور اس میں کوئی  
 ایسا ہی غمنی لفظ ہوگا۔ جیسا کہ پر نے انشا پر دوا ملازمین و وابستگان دامن کے لئے لکھا کرتے  
 تھے۔ مثلاً قادی درگاہ۔ بندہ درگاہ وغیرہ وغیرہ جس کا ترجمہ آزادی سے کر دیا گیا۔ اصل میں  
 ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ ترجمہ کرتے وقت وہ امتیازی خصوصیات ضرور مد نظر رکھی جائیں  
 جن سے کسی آدمی کی حیثیت پر اثر پڑتا ہو۔ خصوصاً تاریخی اور کسی فن کے متعلق تراجم میں۔  
 تاریخ ایک ایسا راستہ ہے۔ جس کے دونوں طرف بڑے بڑے خوفناک غار اور کھڈ ہوتے  
 ہیں۔ قدم چوکا پاؤں کو لغزش ہوئی اور آدمی کہیں سے کہیں پہنچا۔ سرسری نظر ڈالنے سے  
 بھی تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ اس زمانہ میں جبکہ آئین و آداب کی پابندی بڑی لازمی  
 تھی اور تخت و عطا یا مرسل الیہ کی حیثیت و وقعت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک حیثیت دار  
 آدمی کے ہاتھ بھیجے جایا کرتے تھے۔ وہ باپ جو شہنشاہ ہند ہے اس بیٹے کو جس کے متعلق واد  
 نے رو در رؤسار شہیں کی ہیں۔ مسند پر تخت کے برابر بٹھا لاجاتا ہے۔ لائق ہے، لائق ہے،  
 جس کی تشبیہ خارا رنگ گاف کا لوہا سا را دکن مانے ہوئے ہے ایک غلام کے ہاتھ صلہ بھیجتا۔  
 معنی جہانگیر اعظیہ ایک قابل قدر نادر روزگار لعل ولیعهد سلطنت شاہجہان کو اور حامل و برتہ  
 ایسی معمولی شخصیت۔ شاید لائق مضمون نگار نے آبکیات میں وہ واقعہ نہیں پڑھا جو میر تقی  
 میر اور نواب سعادت علیخان فرمانروائے اودھ (المتوفی ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۱۱۲ھ) کے  
 مابین گزرا۔ وہو ہذا \*

جب نواب آصف الدولہ (المتوفی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۰۹۶ھ) کی وفات ہوئی۔ اور نواب  
 سعادت علیخان کا دور ہوا۔ تو میر صاحب و رہا رہا چھوڑ چکے تھے۔ وہاں کسی نے طلب نہ  
 کیا۔ ایک دن نواب کی سواری جاتی تھی۔ یہ تحسین کی مسجد پہ سر راہ بیٹھے تھے۔ سواری سامنے  
 آئی سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ میر صاحب اسی طرح بیٹھے رہے۔ سید انشا خواصی میں تھے۔ نواب نے

پرانے زمانہ کی تاریخوں میں "عباس ماضی" لکھا گیا ہے +

بروز دو شنبہ ۲۹ - جنوری ۱۵۷۱ء مطابق یکم رمضان ۹۷۹ھ پیدا ہوا۔ سولہ سال کی عمر میں اس کو امراء خراسان نے ۱۵۸۶ء میں تخت نشین کیا۔ اکبر و جہانگیر کا ہم عصر تھا۔ حدود سلطنت کے بڑھانے میں اس نے بہت سعی کی۔ ۱۶۲۶ء میں مغربی اقوام سے آرمیس (جنرل آئی لینڈ) چھین لیا۔ یہ جزیرہ ایک سو پانچیس سال سے پرتگالیوں کے قبضے میں تھا۔ عراق عرب کو سخر کیا۔ ترکوں سے برابری صلح کی۔ ازبکوں سے خراسان چھینا اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے ایران کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ یہ سب سے پہلا بادشاہ ہے جس نے اصفہان کو پایہ تخت بنایا۔ ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں ۲۴ - جمادی الاول ۱۶۳۵ھ مطابق ۱۶۲۹ء میں انتقال کیا +

شاہ عباس بہت ہی چالاک، خوش مزاج، بہادر، علم دوست، بہر شناس اور بیدار مغز بادشاہ تھا۔ اس کا دربار بھی مختلف علوم و فنون کے ماہرین کا مرکز تھا۔ یہ شععی المذہب تھا اور تشیع میں اسے بہت غلو تھا۔ وہ وسعت حکومت اور انتظامات ملکی میں دوسرا اکبر یا شاہجہان تھا۔ اس نے ملک کے امن و امان، آبادی و سرسبزی کے لئے جو کام کئے ہندوستان کا تیموری خاندان بھی نہ کر سکا اس نے اس سرے سے اس سرے تک کاروان سرائیں بنوائی تھیں۔ جن میں مسافروں کے لئے سلطنت کی طرف سے تمام چیزیں مہیا رہتی تھیں +

اس میں اور اکبر میں علیٰ ہذا اس کے اہلکاروں، امراء و عیان سلطنت اور اکبر کے سولین و امراء دولت میں اکثر معاصرانہ چوٹیں چلا کرتی تھیں +

رہلیفہ - ایک مرتبہ شاہ عباس نے ملا وحید طاہر کی یہ رباعی اکبر کے دربار میں بھیجی۔ جس میں درپردہ اپنی تعریف اور اکبر پر چوٹ تھی +

زنگی بہ سپاہ و شیل و لشکر نازد رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزینہ پراز زر نازد عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

فیضی نے فی الید یہ یہ رباعی کہ کر پیش کی۔ جو جواباً دربار ایران میں بھیجی گئی +

فردوس بہ ساسیبل و کوثر نازد دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد کوئین ہذات پاک اکبر نازد

راخو از نغر العجم - حیات صالح - اور نیل بیباگر فیکل و کشتری مولفہ منبری جارج کین ۱۵۱ -

لوٹ نمبر ۴ - ہسٹری آف جہانگیر - بادشاہ نامہ - آثار الامراء - ۱۲ +

لوٹ نمبر ۵ - علامہ افضل خان - قبل اس کے کہ اس علامہ روزگار ہستی کے

عالات پر روشنی ڈالوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اشتباہ کو جو رسالہ "پیمانہ" آگرہ ہائنتہ

ستمبر ۲۵ء کے صفحہ ۴ کے مطالعہ سے اس لائق و فائق شخصیت کے متعلق ہوتا ہے اور

جس سے بسا ا سلطنت غلیہ کا ایک مورخ حسین و تعریف وزیر فرزانہ پیادوں کی صف میں بھی

علم و فضل کے باعث شہرت و عزت پائی۔ سلطنت مغلیہ میں صرف تین امرا کو علامی کا خطاب حاصل ہوا۔ (۱) علامی ابو الفضل (المتوفی ۱۱۱۷ھ) وزیر اکبر۔ (۲) یہی ملا فخر الدین علامی (فضل خان اور (۳) علامی سعد الدین خان (المتوفی ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۶ء) وزیر شاہجہاں۔ لطف یہ ہے کہ تینوں کی سوانح زندگی اٹھائے کے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نے اپنی علمی قابلیت اور ذاتی لیاقت کی وجہ سے سب کچھ حاصل کیا۔

علامی افضل خان شیراز سے اول بندر سورت میں آئے اور قانع خان مہاراجہ کی مصابہت میں داخل ہوئے۔ بعد شہزادہ خورم (شاہجہاں) کی ملازمت میں منسلک ہو کر میر عدل شاہ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد دوبارہ جاگیر گیری سے افضل خان کا خطاب عطا ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں پہلے میر سامان پھر علامی ہو کر دیوان کل (وزیر اعظم) ہوئے۔ "شہد فلاطون وزیر اسکندر" تاریخ وزارت ہوئی۔ سال ۱۱۳۷ھ میں شاہجہاں نے ان کو ہفت ہزاری۔ ہفت ہزار سوار کا منصب عنایت فرمایا۔ ۱۱۳۷ھ رمضان ۱۱۳۷ھ کو ۷۷ سال کی عمر میں بنام لاہور انتقال کیا۔ کسی نے تاریخ کسی سے

#### ذخوبی برہ گویے نیک نامی

دش آگرہ لاکر دفن کی گئی۔ ان کا مفرہ بیٹی کا زوتہ "کہلاتا ہے۔ اور خوب عمارت ہے۔ گویا بیٹے (شاہجہاں) کا وزیر باپ (جہانگیر) کے وزیر (اعتماد الدولہ) سے کچھ ہی دور ہٹ کر جہانگیر کے اس پار خوب عہد کے مزے سے رہا ہے۔ علامہ موصوف جامع معقول و منقول، خوشنویس، خوشگو، خوش فہم، اعلیٰ درجے کے شاعر اور انشا پرداز تھے۔ لیکن علم حساب سے انہیں فطری تفریق تھی۔ اور بہت الجھتے تھے۔

لطیفہ۔ علامہ افضل خان چونکہ حساب کتاب سے بہت گہرا تھے۔ اس لئے اس کے متعلق انہوں نے تمام اختیارات اپنے پیشکار لالہ دیانت رائے ناگر گجراتی کے سپرد کر رکھے تھے۔ ہر بات کے لئے اسی سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ اگر کوئی ان سے کچھ پوچھ بیٹھا تو کہ دیتے "دیانت رائے سے پوچھو" ان کے انتقال پر کسی نے ان کا مرثیہ کہا اور اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ کر کے لکھا۔ کہ فرشتوں نے قبر میں سوال کئے تو خان موصوف نے کہا "از دیانت رائے ہر پر سید۔ جواب شہا خواہ داد" افسوس ہے کہ میں نے اس مرثیہ کو بہت تلاش کیا لیکن دستیاب نہ ہوا۔ ورنہ ناظرین کے سامنے اس اشعار پیش کرتا)

علامہ موصوف کی عالی ظرفی و وسیع الافلاقی اس سے ظاہر ہے۔ کہ یاد وجود ۲۸ سال ملازمت کیے اور صاحب اقتدار رہنے کے شاہجہاں کا بیان ہے۔ کہ افضل خان کی زبان سے کبھی

پوچھا "انشاء! یہ کون شخص ہے؟ جس کی تمکنت نے اُسے اُٹھنے بھی نہ دیا" عرض کی "جناب عالی یہ وہی گداؤں کے منکر ہے جس کا ذکر اکثر حضور میں آیا ہے۔ گزارے کا وہ حال اور مزاج کا یہ عالم۔ آج بھی فاقہ ہی سے ہوگا۔" سعادت علیخان نے آکر ضلعیت بجالی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھجوا دیا۔ جب چوہدری نے کرگیا۔ میر صاحب نے واپس کر دیا۔ اور کہا "مسجد میں بھجواتے ہیں مگر اتنا محتاج نہیں۔" سعادت علیخان جو اب سن کر متعجب ہوئے۔ مصاحبوں نے پھر سمجھایا۔ عرض نواب کے حکم سے سید انشا (المتوفی ۱۲۲۳ھ) خدمت لے کر گئے اور اپنے طرز پر سمجھایا کہ "میر صاحب اپنے حال پر بلکہ عیال پر رحم کیجئے۔ اور بادشاہ وقت کا ہدیہ ہے۔ اسے قبول فرمائے۔" میر صاحب نے کہا "صاحب! وہ اپنے ملک کے بادشاہ میں ہیں اپنے ملک کا بادشاہ ہوں۔ کوئی ناواقف اس طرح پیش آتا۔ تو مجھے فرسکایت نہ تھی۔ وہ مجھ سے واقف۔ میرے حال سے واقف۔ اس پر اتنے دنوں کے بعد ایک دس روپیہ کے خدمتگار کے ہاتھ خدمت بھجوا۔ مجھے اپنا فقر و فاقہ قبول ہے مگر یہ ذلت نہیں اٹھائی جاتی +

دو روپیوں چائے مرزا نوشہ غالب (المتوفی ۱۸۶۹ء) کو بیچے جنہوں نے مغلوں کا بگڑا ہوا دربار چند روز دیکھا تھا۔ ان کی آن بان کی یہ کیفیت ہے کہ یہ جس وقت ۱۸۶۲ء میں جلی کالج کی فاری مدرسہ کی ملازمت کرنے کے سلسلہ میں ٹامسن صاحب سے ملنے گئے ہیں۔ تو پانکی سے اتر کر اس انتظار میں کچھ دیر کھڑے رہے کہ صاحب استقبال کو تشریف لائیں۔ تو اندر جائیں۔ انہیں پہنچنے میں دیر ہوئی۔ اور صاحب کو وجہ بتلائی گئی۔ خیر وہ تشریف لائے اور کہا "مرزا صاحب! جب آپ دربار گورنری میں بحیثیت ریاست تشریف لائیں گے تو آپ کی حسب دستور تعظیم ہوگی۔ لیکن اس وقت جبکہ آپ نوکری کے لئے تشریف لائے ہیں اس تعظیم کے مستحق نہیں۔" مرزا صاحب نے فرمایا "سرکار کی ملازمت باعریث زیادتی اعزاز سمجھتا ہوں۔ نہ یہ کہ بزرگوں کا اعزاز بھی گنواں بیٹھوں۔" صاحب نے کہا "ہم آئین سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب رخصت ہو کر چلے آئے مگر آن بان سے معذور تھے۔ (آبجیات دیا دگار غالب) +

جب ان لوگوں کی کہ مغل تہذیب کے پیرو تھے یہ کیفیت ہوتوان ہستیوں کا جو فاضلین تہذیب و آئین تھیں کیا کچھ عالم ہوگا۔ سلطنت و معاملات سلطنت میں باپ ہو یا بیٹا۔ بھائی ہو یا بیٹی۔ جو رو ہو یا بیٹی۔ سب کے ساتھ پابندی قواعد مقررہ برتی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ملا عبد الحمید مورخ شاہجہانی نے نوعامی کا لفظ بڑھا کر شک و شبہ کی گنجائش رکھی ہی نہیں +

اب ملاحظہ ہوں حالات "علامی افضل خان" :-

علامی افضل خان - ملا شکر اللہ نام۔ افضل خان اور علامہ خطاب، علامی تخلص، باپ کا نام عبدالحق۔ شیراز وطن تھا۔ سلطنت مغلیہ کے ان چند امرا میں سے ہیں جنہوں نے محض اپنے

سپر وغیرہ کے آدیزاں رہتے تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑا صاف و شفاف بیش قیمت پتھر جس سے نظر دار پار ہو سکے، ۲۶۰ گرین کے وزن کا لعل و نیلم سے گھرا ہوا اس طرح آدیزاں تھا کہ تخت پر جلوس کرنے والے کی نظر کے سامنے رہے مگر بارہ زمرہ ستونوں اور جڑاؤ محرابوں پر قائم تھی۔ درمیانی محراب پر ایک طلائی درخت تعبیه تھا۔ جس میں نادرہ کار صناعتوں نے لعل، یاقوت، زمرہ وغیرہ جواہرات کے پھل، پھول اور پتے بنا کر واو صنعت و دستکاری دی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ ایہ درخت انسانی ٹیوگانی و دقیقہ رسی کا جینتا جاگتا معجزہ تھا۔ اس درخت کے ادھر ادھر دو نظیری مرصع طاؤس دم پھیلائے کھڑے تھے۔

- نوٹ نمبر ۱۔ بادشاہنامہ و ظفرنامہ شاہجہاں - ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۲۔ بڑی جینتری یا بنہ ۱۵۹۳ء قسط سوم تاریخ ہند - ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۳۔ ۵۔ حواشی سوانح اورنگ زیب مصنفہ لین پول منترجمہ لطیف احمد بی۔ اے۔  
 نوٹ نمبر ۴۔ پرشیا اینڈ دی پرشین کوشچن - ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۵۔ "لارڈ کرزن" نے "پرشیا اینڈ دی پرشین کوشچن" میں ٹیورنیر کی سند پر ستونوں کی تعداد چار لکھی ہے۔ اور بابو ایشری پرشاد صاحب کی تاریخ ہند میں دی ہوئی تصویر "شاہجہان بر تخت طاؤس" سے بھی جس کو ہم بھی کہیں دے آئے ہیں، اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مگر صاحب بادشاہنامہ اور مورخین قدیم نے ۱۲ ستون لکھے ہیں۔ ٹیورنیر کے بیان کے مطابق ستون بلبوس و رقتے اور ان میں تعبیه شدہ موتیوں میں سے ہر ایک کا وزن ۲۴ سے ۴۰ گرین تک تھا +  
 نوٹ نمبر ۶۔ ۸۔ قصص ہند "آزاد مرحوم +

## موروں کی تعداد اور اختلاف مورخین

ان موروں کی تعداد اور محل وقوع کے متعلق مورخین میں بہت اختلاف ہے تاریخ ہندوستان منشورہ مالکان بڑی جینتری، سوانح اورنگ زیب مصنفہ لین پول، صاحب چیمبرس انسائیکلو پیڈیا (مطبوعہ "لندن") اور ٹیورنیر کے بیانات سے ایک مور ثابت ہوتا ہے

کسی کے حق میں برائی نہ سنی، ان کا ماہر سیاسیات ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ شاہجہان جیسے دانشمند اور مردم شناس بادشاہ نے ان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ وکن کے صدقہ عقدے ان ہی کے ناخن تدبیر کے کھولے ہوئے تھے۔ علامہ موصوف لاولد تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بھتیجے عنایت اللہ خاں کو متنبہ کر لیا تھا۔ علم دوست، شریف نوازا اور قدردان بادشاہ نے ان کی وفات کے بعد اس کو ایک عقلمند کی نشانی سمجھ کر عاقل خاں کے خطاب سے معزز و ممتاز کیا تھا + (قاموس المشاہیر۔ ماثر الامراء اور سیر المتأخرین) ۱۲ +

نوٹ نمبر ۶ - سیر و بادشاہنامہ - ۱۲ +

نوٹ نمبر ۷ - تاریخ ہند اسمتہ - بادشاہنامہ - سیر - ماثر الامراء +

نوٹ نمبر ۸ - ماثر - بادشاہنامہ - تاریخ ہند اسمتہ - ۱۲ +

## ایک خاص ستارہ

تکیہ گاہ کے درمیانی اُبھرے ہوئے حصے کے عین وسط میں ایک ہیرے کا ستارہ لگا ہوا تھا جس کی شعاعیں چاروں طرف پھیل کر عالم برق پیدا کرتی اور نما نشانی کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھیں۔ یہ ستارہ ایسی ترکیب کے ساتھ بنایا گیا تھا کہ اس کو گھمایا بھی جاسکتا تھا +

نوٹ نمبر ۱ - پریشا اینڈ دی پرنسپل کوئٹن - ۱۲ +

## چھت

گنبد نما چھت (خالص کندن کی اندر سے بیشتر مینا کار اور کہیں کہیں موزونیت کے ساتھ مرصع، خصوصاً باہر کی طرف لعل، یاقوت، الماس اور مختلف الاقسام رنگا رنگ جواہرات سے متفرق، جا بجا گوہر ناسفتہ (جن میں سے ہر ایک کا وزن ۹ سے ۱۲ تکی تک تھا۔) تاباں و درخشاں، عاشریہ میں پرتکلف مدور صراحی دار مرواریدی بھالہ لٹکی ہوئی موقع بموقع موتیوں کی لڑیوں کے حلقے بنے ہوئے جن میں اسلحہ سلطانی مثل گرز، شمشیر، تیر، کمان اور

کوئی مذہبی یا سیاسی مسئلہ بھی نہیں ہے جو اس نے بادشاہ کے خوف یا اپنے خیالات سے اس میں تغیر و حذف سے کام لیا ہو۔ مورخ مذکور ہی کے بیان سے اخذ کر کے یا خود دیکھ کر خانی خان اور ڈاکٹر برنیئر وغیرہم نے دو مور لکھے ہیں اور یہی صحیح ہے اس کے علاوہ نقل کو عقل پر فضیلت بھی ہے +

نوٹ نمبر ۱۔ سوانح اورنگ زیب مصنفہ لین پول و منترجمہ لطیف احمد بی۔ اے۔ ۱۲۔ +

نوٹ نمبر ۲۔ مازالامراء۔ سفر نامہ ڈاکٹر برنیئر۔ ۱۲۔ +

## محل وقوع طواولیس

یہ بحث تو تھی تعداد طواولیس کے متعلق، اب رہا مسئلہ محل وقوع طواولیس۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ تکیہ گاہ پر تھے۔ مگر خانی خان، ملا عبد الحمید لاہوری اور برنیئر چھت بیان کرتے ہیں۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ ہم مولانا آزاد دہلوی کی رائے کے موافق ہیں۔ جو ان سے ماخوذ اور یہ ہے۔

روکار کی محراب پر ایک درخت طلائی بھاری دھرا تھا..... ادھر ادھر اس کے دو مور..... کھڑے تھے +

نوٹ نمبر ۱۔ بک آف نالج۔ ۱۲۔ + نوٹ نمبر ۲۔ قصص ہند۔ ۱۲۔ +

## کیفیت طواولیس

صناع نے ان ہر دو طاؤسان طلائی کو ایسی خوبصورتی سے دم پھیلانے ہوئے بنایا تھا۔ کہ آمادہ رقص معلوم ہوتے تھے۔ اور ان کی دموں میں اس خوش اسلوبی و حسن ترتیب سے نیلم، زمرد، فیروزے اور دوسرے جواہرات تعبیه کئے تھے۔ کہ دم طاؤس کا اصلی مذاق نمایاں تھا۔ ہر ایک کی چونچ میں سڈول اور یکساں موتیوں کی تسبیح پڑی ہوئی۔ سینے پر

اور دو گلدستے لیکن مرتب انسا بیٹھو پیڈیا آف برٹانیکا، مورخ شاہجہانی، مولوی ذکاء اللہ صاحب مائثر الامراء اور ڈاکٹر برنیر وغیرہم دو۔ دو مور اور ایک ایک درخت بیان کرتے ہیں۔ اور یہی قول مستند معلوم ہوتا ہے ۛ

شاہجہان کی طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے بھی ایک مور کا ہونا ناممکن کیونکہ اسے ہر چیز میں جواب کا التزام تھا۔ چنانچہ اس کی بنوائی ہوئی کوئی عمارت اس شان سے خالی نہیں تھی کہ تاج محل اگرہ میں اس نے ایک مسجد بنوائی۔ تو دوسری جانب اس کے مثل ایک مسجد بے سمت بنا کر تسبیح خانہ کے نام سے موسوم کی ۛ

ہماری اس رائے پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ ٹیورنیر کے بیان کے موافق ”چتر کے اوپر ایک طلائی طاؤس دم پھیلائے کھڑا تھا۔ اس کی دم فیروزوں اور جواہرات سے جڑی ہوئی تھی۔ طاؤس کے دونوں طرف طلائی پھولوں کے گلدستے تھے ان میں بھی قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے“ ابھی ذوق شاہجہانی کو صدمہ نہیں پہنچتا کیونکہ ادھر ادھر گلدستے اور بیچ میں مور ۛ

اس اعتراض کا جواب ایک تو عقلی ہے۔ وہ یہ کہ کیا عجیب ہے کہ ٹیورنیر لکھنا چاہتا ہو۔ دو مور اور ایک گلدستہ“ مگر سہواً لکھ گیا ہو اس کے برعکس اور دوسرے اس کے بیان کو اپنا ماخذ قرار دیکر غلط فہمی میں پڑ گئے ہوں۔ دوسرا نقلی کہ صاحب بادشاہ نامہ جو مورخ شاہجہانی تھا لکھا ہے:-

”و مقرر شد کہ سقف آں راز درون بیشتر مینا کار و نئے مرصع و از بیرون بہ لعل و یاقوت و جز آں مرصع مغرق ساختہ بر زمرہ و اساطین دوازده گانہ بر افراز و بالائے آں دو پیکر طاؤس مکمل بہ جواہر زواہر و در میان ہر دو طاؤس درختے مرصع بہ لعل و الماس و زمرہ و مروارید تعبیه کند“ ۛ

اس کا بیان سب سے زیادہ موثق ہے۔ کیونکہ اس کا کام ہی شاہی تاریخ نویسی تھا۔ یہ

۳) موراسی فرانسیسی ہی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ بید خوبصورت تھے +

(۴) ہندوستانی و ایشیائی صنعت و قبیح نہیں +

پہلے امر کے متعلق تو ہم یہ کہیں گے کہ قطعی غلط بقول ڈاکٹر ایشری پرشاد (جو عمید حاضرہ کے مشہور و مسلم الثبوت مورخ صاحب تصانیف کثیرہ اور جامعہ (یونیورسٹی) الہ آباد کے شعبہ تاریخ کے ایک نمایاں و سربر آوردہ رکن ہیں) اس تخت کی تعریف عمد مغلیہ کے سفرائے اروپا (یورپ) نے بڑے شد و مد کے ساتھ کی ہے تاکہ وہ ایشیائی مذاق سے ناآشنائی کی بنا پر یا اپنی عادت کے موافق کہ ایشیائیوں اور خصوصاً ہندوستانیوں اور ان کی ہر ہر شے کا مذاق اڑانے کے لئے ہر وقت اور ہر موقع پر ادھار کھائے ہوئے ہے۔ ایسا کہتا ہے۔ تو تعجب نہیں۔ حیرت تو اس وقت ہوتی جب وہ ایسا نہ کرتا۔ کیونکہ یہ اسکی عادت کے خلاف ہوتا۔ پھر اس کے زمانہ کا یورپ آجکل کا سا صنایع و دستکار اور ہر خطہ دنیا کے مذاق کا واقف و نباض نہ تھا۔ اور جو اہر تراشی میں خصوصاً فرانس اس لئے بھی بیچارا ڈاکٹر قابلِ عفو اور اس کی تحریر لائق چشم پوشی ہے +

دوسرے اور تیسرے امر کی مخالفت ہم علی الاعلان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ محض ڈاکٹر مذکور کا جذبہ وطن پرستی ہے۔ جو ایسا لکھوارا ہے۔ ورنہ اسکی کوئی حقیقت نہیں اس موقع پہنچنے پہلے کی تواریخ پر نظر ڈالتی چاہئے۔ ع

قیاس کن رنگستان من بہار مرا

ہمارے یہاں کے مورخین نے جو عادت کبھی کسی کی صنعت و دست کاری پر خاک نہیں ڈالتے۔ اس طنز اشارہ و کنایہ سے بھی کام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ بڑی شد و مد کے ساتھ لکھتے۔ کیونکہ جب کبھی کسی غیر ملک یا غیر مذہب کے آدمی نے کوئی معمولی سا کام بھی کیا ہے۔ تو انہوں نے بالتمسخر لکھا ہے۔ مثلاً کوہ نور کو ایک وینس کے باشندے

ایک ایک بیش قیمت لعل جڑاٹوا جس کے گردا گرد دو دو سو گرین کے وزنی موتی جھے ہوئے  
گلے میں ۶۳-۶۳ رقی موتیوں کا ہر ایک نورانی ہیرے سمیت (جس کا وزن ۱۱۷ رقی تھا)  
آب و تاب کے ساتھ آویزاں تھا +

نوٹ نمبر ۱- قصص ہند - ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲- پرشیا اینڈ دی پرنسپل کوئٹن - ۱۲ +

## ڈاکٹر برنیر کے ایک قول کی تنقید

اس موقع پر ڈاکٹر برنیر کے ایک قول کی تنقید کرنی بے محل اور خالی از دلچسپی نہ  
نہ ہوگی۔ وہ تخت مذکور کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”مگر اس کی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پلہ نہیں ہے۔ البتہ  
دو مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ بہت ہی عمدہ  
نقشے پر بنے ہیں۔ اور ان کو ایک صناعت نے جس کی کاریگری اور ہنرمندی حیرت  
کے لائق تھی۔ اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا (اور جس نے یورپ کے  
بہت سے رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دے دیکر جن کو وہ ایک خاص حکمت  
سے تیار کرنا تھا۔ خوب اٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے یہاں پناہ  
آن لی تھی۔ اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی) بنایا تھا۔“

ڈاکٹر مذکور کے مسطورہ بالا بیان سے امور ذیل مستنبط ہوتے ہیں

(۱) تخت طاؤس بذات خود کچھ زیادہ خوبصورت نہ تھا۔ اور نہ اس کی صنعت لائق داد  
تھی۔ بلکہ صرف اس کے جواہرات قابل قدر تھے +

(۲) اس تخت کو محض ایشیائیوں نے نہیں بنایا تھا۔ بلکہ ایک فرانسیسی بھی اسکے بنانے  
میں شریک تھا +

سے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کی تصاویر عام ہو چکی ہوں، اور دیوان عام کے شہ نشین والی تصویر کے متعلق بھی یہ امر آسانی سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یورپ کے سلاطین سلاطین مغلیہ کو عام طور پر تخت و ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ ان کی قدر دانی اور مصوری کی خوش مذاقی سے آگاہ ہو کر کسی بادشاہ نے اپنے ملک کی پسندیدہ و مقبول عام تصویر ”مرقع سرود آرفیوس“ بھی بھیجی ہوگی۔ بادشاہوں میں سے کسی نے بہت پسند کی ہوگی یا اس نے پسند عام کا خلعت پہنا ہوگا۔ اور خود بادشاہ کے اشارے یا کاریگروں کی مزاج شناسی و نظریازی نے سرور بار لاکر لگا دی ہوگی۔

پس یہ کیسے ممکن تھا کہ اس تخت اور خصوصاً ان عجوبہ روزگار طوائس کے بنانے میں کوئی یورپین کاریگر شریک ہوتا یا قطعی وہی بناتا اور وہ نہ لکھتے۔ جس طرح بقول صاحب ارض تاج (واحد یار خاں بی اے اکبر آبادی، مدیر نئی روشنی) یورپین قومیں تاج محل کی خوبی سے متاثر ہو کر روایتیں گڑھ گڑھ کر چاہتی ہیں کہ اس کے معمار ہی بننے کی عزت حاصل کر لیں، اسی طرح ڈاکٹر پرنیر بھی یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح تخت طاؤس کی ساخت و خوبصورتی کو ممنون صنعت فرانسہ بنا کر جب الوطنی کی داد دے۔ ہمارے خیال میں تخت طاؤس۔ کیسکی نیتز (कैकयी पत्र) نامی قصص الاصلی خیالی یا واقعی تخت کے تخیل کی ویسی ہی حقیقی شکل تھا جیسی بقول واحد یار خاں صاحب ”تاج“ مغبرہ ہمالیوں کے ابتدائی خیال کی حد و انتہا ہے۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی مغربی تخت طاؤس کے بنانے میں شریک ہوتا۔ تو ٹیورنیر جو بقول سرکار ڈاکٹر ندکور کا خوشہ چسپ اور ہماری رائے میں اسی کی طرح جذبہ وطن پرستی سے مملو تھا۔ وہ اس امر کی توضیح کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ ہمیں سرکار ممدوح کی رائے پر کہ ”خاص امرائے دربار نے جو لکھا وہ زیادہ قابل تسلیم ہے“ عمل کرنا اور اس امر کو بدینہ جو کہ خود مورخ شاہی نے ایسا نہیں لکھا غلط سمجھنا چاہئے۔

ہارٹینٹو پارگس نے تراشا ہے۔ وہ بے تکلف لکھ رہے ہیں، معماران تاج محل کے ذیل میں ملکی ہندو مسلمانوں کے ساتھ ایک رومی کا نام بھی بیدریغ تحریر کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض مقامات پر تو خواہ مخواہ یورپ کے ساتھ کہیں بطور شک اور کہیں بطور یقین اپنی خوش عقیدگی کا اظہار کر گئے ہیں۔ اور اپنی ملکی صناعتی کو ان کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ جیسا کہ سرسید مرحوم نے توڑک جہانگیری مطبوعہ علیگڑھ میں جہاں جہانگیری نے ایک مسلمان ایشیائی کی ساختہ ہاتھی دانت کی ان چار نادر و نایاب تصاویر کا تذکرہ کیا ہے جو ایک پستہ کے جھلکے میں سما جاتی تھیں۔ اور جن میں سے ہر ایک بطور خود ایک مرقع تھی۔ اس تصویر کا بیان پڑھ کر جس میں ایک درخت ہے۔ درخت کے نیچے حضرت عیسیٰؑ بیٹھے ہیں۔ ایک آدمی آنحضرتؐ کے پاؤں چوم رہا ہے۔ وہ ایک پیر مرد سے باتیں کر رہے ہیں۔ چار شخص اور اس پاس کھڑے ہیں تحریر کیا ہے۔

ساختن تصویر حضرت عیسیٰؑ را وجہ معلوم نمی شود۔ غالباً اس کا نامہ از کار نامہ کار ریگر ان فرنگ بودہ و بدستش افتادہ آں را از کار نامہ خود نذر گزرانید۔

یاسید صاحب مرحوم ہی نے شاہ نشین دیوان عام قلعہ دہلی میں بنی ہوئی تصاویر کا بیان اثار الضاویہ میں کرتے ہوئے مرقع سرود آر فیوس کا ذکر کیا اور تحریر فرمایا ہے:-  
جو کہ اس مرقع کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا۔ اس لئے یقین پڑتا ہے کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اٹلی کارہنے والا فرنگی شریک تھا۔

حالانکہ بقول علامہ شبلی نعمانی مرحوم ”اس زمانہ میں یورپ یہ یورپ نہ تھا۔ مسلمان انبیائے نبی اسرائیل سے نا آشنا نہ تھے۔ کہ ان کے لئے اس اول الذکر مرقع میں حضرت عیسیٰؑ کی تصویر بنانا دشوار و تعجب انگیز ہوتا خصوصاً جبکہ اکبر کے دربار میں عیسائیوں کے دخل پانے

نوٹ نمبر ۳۔ تاریخ ہند ڈاکٹر ایشوری پرشاد - ۱۲

نوٹ نمبر ۴۔ کوہ نور۔ بلا اضافت یعنی "نور کا پہاڑ۔ گوکنڈہ (دکن) سے برآمد شدہ ایک مشہور و معروف ہیرا جس کی ابتدائی تاریخ پردہ خفا میں ہے۔ ہندو روایات کے مطابق یہ ہیرا انگ دیش (کے راجہ کے قبضہ میں تھا جس کا عہد سلطنت تین ہزار سال قبل مسیح گزرا ہے۔ یہ راجہ جنگ مہابھارت میں شریک تھا۔ ایرانی روایات بتلاتی ہیں کہ وہ توران کے بادشاہ افراسیاب کے پاس تھا۔ لیکن منظر عام پر آنے لگے آئے ہیں۔ جبکہ راجہ مالوہ کی شکست کے بعد علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ لگا۔ اور یہیں سے اس کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ تاہم دوسو بائیس برس تک اس کی تاریخی حال پر اس کے بعد بھی پردہ پڑا رہا۔ اور ۱۵۱۹ء میں وہ قطعی طور پر بے نقاب ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ سلطان ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد اس کی ماں نے اسے باہر کی ندر کیا۔ اور شاہجہان کے دور سے وہ بڑی شد و مد کے ساتھ صفحات تاریخ پر منور ہو گئے۔ اور غالباً یہ نام بھی اس نے اسی با مذاق بادشاہ کے حضور سے پایا ہے۔ شاہجہان نے ہارٹینسلو ہارگس نامی ایک جواہر تراش سے جو دینس کا با شندہ تھا اس کو تراشوا یا اور اس کی غلطی سے اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو کر اس کا وزن ۱۸۶ ۱/۲ قیراط رہ گیا۔ جس کے تاوان میں شاہجہان نے اس سے دس ہزار روپیہ وصول کیا۔

کوہ نور وضع قطع میں گلاب کے پھول کے مشابہ تھا۔ اس پر مسلسل سطوح بغیر کسی ابھار کے نمایاں تھیں۔ اس کو بالکل مرغی کے نصف نوکدار انڈے کی مانند تصور کرنا چاہئے ۱۶۲۹ء تک یعنی دو سو تیرہ سال یہ مغلوں کے قبضہ میں رہا۔ اور بعد ازاں اسی سنہ میں نادر شاہ بادشاہ ایران اسے لوٹ کر ایران لے گیا۔ نادر کے قتل کے بعد ۱۷۴۷ء میں وہ اس کے بھتیجے علی عادل شاہ کے قبضہ میں پہنچا اور اس کی معزولی کے بعد نادر کے پوتے شاہ رخ مرزا کے تصرف میں آ گیا۔ جس نے ۱۷۵۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے سپرد کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ ۱۷۵۱ء میں شاہ شجاع دانی کابل کے پاس پہنچا۔ اور جب شاہ شجاع کابل سے بھاگ کر راجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب کے یہاں پناہ گزین ہوا۔ تو راجہ موصوف نے یکم جون ۱۷۵۳ء میں اس کو مجبور کر کے اس ہیرے کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور ۱۷۶۹ء تک یہ اس خاندان کے حیطہ تصرف میں رہا۔ اور رانی چاند کتور کے حکومت برطانیہ سے برسرِ معرکہ ہونے اور شکست پانے پر لارڈ ڈلہوزی کے مقررہ کردہ بورڈ کے قبضہ میں پہنچا۔ اس بورڈ نے اس ہیرے کو لارڈ ڈلہوزی کے حوالہ کیا جو اس زمانہ میں سر جان اور میں کے نام سے نافذ کشتی پنجاب تھے۔ اور انہوں نے پھر لارڈ ڈلہوزی ہی کے ہاتھ اسے بمبئی بھیجا۔ لارڈ ڈلہوزی نے یہ نفس نفیس خود بمبئی پہنچ کر مجلس منتظمہ سرکار کمپنی کے حوالہ کیا اور ۲۰ جولائی ۱۸۵۰ء کو اسے ڈاکٹر کٹران کمپنی کے دالس چیئرمین نے ہدیتاً ملکہ معظمہ و کٹوریا قیصرہ ہند موجودہ کے

چوتھا امر بھی قطعی خلاف واقعہ ہے۔ اہل ایشیا خصوصاً ہندوستانوں کی صنعت و دستکاری زمانہ قدیم سے ضرب المثل رہی ہے۔ اور انہوں نے اپنے حیرت انگیز صنعتی کارناموں سے دنیا کو آگشت بدندان بنا دیا ہے۔ جو اس دعوت کی دلیل قطعی ہے۔ خود ڈاکٹر موصوف کا یہ قول "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کا مصداق ہے +

"دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں۔ مگر اس کا یہ سبب نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصے میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن کو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں اور جنہوں نے شاید کسی استاد سے تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیاء کے نہایت عمدہ شکاری بندوقیں ہیں۔ اور سونے کے زیورات تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سارا ان سے بڑھ کر شاید ہی بنا سکے۔ مصوری و نقاشی کا بھی ایسا تازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر میں اکثر حیرت میں آ گیا ہوں جلال الدین محمد اکبر کی بڑی مہموں کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصور نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی۔ اس نے تو بالخصوص مجھ کو حیران کر دیا اور میں نے اس کو ایک عجیب کام خیال کیا۔"

نوٹ نمبر ۱۔ - وقائع سیاحت برنیر۔ ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲۔ - ڈاکٹر ایشری پرشاد صاحب۔ ایم۔ اے۔ یہ صاحب الہ آباد یونیورسٹی کالج میں شعبہ تاریخ کے ہسٹری ریڈر ہیں۔ بہت ہی قابل آدمی ہیں۔ انہوں نے اردو ہندی میں ایک سلسلہ تاریخ لکھا ہے۔ جو انگریزی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ ان کی مشہور تاریخی تصنیف "ڈیول انڈیا" ہے۔ یہ ایک محقق مورخ ہیں +

مشاہیر دہلی کے حالات پر مشتمل ہے طرز تحریر پرانے ڈھنگ کا ہے۔ مگر معتبر تاریخ ہے۔ سرسید نے ۱۲۷۰ھ مارچ ۱۹۵۷ء کو بمقام علی گڑھ وفات پائی اور کالج کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی بعد کی تصنیفات کی زبان بہت شستہ ہے۔ ان کے اخلاق کے متعلق مسٹر بیک کا قول نقل کر دینا کافی ہو گا۔ انہوں نے موصوف کے انتقال کے بعد لکھا: ”گو ان کی بیباقتیں بہت بڑی تھیں۔ مگر اخلاق ان سے بھی بڑھے چڑھے تھے“ (گلدستہ ادب اور سیر المصنفین) †

**نوٹ نمبر ۷۔** یہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے ارفیوس نامی ایک کلاؤنٹ کی ہے جس کی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرنہ پرند اس کی آواز سے مست ہو کر اس کے گرد آن بیٹھتے تھے۔ اور اس کہانی کے موافق اسی ملک کے رہنے والے رفیل نامی ایک مصور نے جو اس فن میں بے مثل تھا۔ اپنے خیال سے ارفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا یہ مصور ۱۵۲۲ء میں مرا۔ مگر اس کا یہ مرقع اور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور اب تک اہل نقول موجود ہیں فلسفہ بیچالی پر نظر کرنے جوئے وقائع ڈوئی پرنٹ ڈالئے

**نوٹ نمبر ۸۔** علامہ شبلی۔ شبلی نام النعمانی خود کو امام ابوحنیفہؒ کی جانب مسوب کر کے لکھتے تھے۔ شمس العلماء خطاب تھا۔ موصوف ۱۸۵۷ء میں ہندول نامی گاؤں میں جو ضلع اعظم گڑھ میں ہے پیدا ہوئے۔ فازی پورا اور سہارنپور وغیرہ میں علوم رسمیہ عربی و فارسی کی تعلیم پائی حج کو گئے۔ واپس آکر وکالت کی۔ یہ پیشہ طبیعت کے خلاف تھا لہذا چھوڑ کر ملازمت کی اور امین ہو گئے۔ اس کو بھی خیر باد کہا۔ اور ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ کالج کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ترکی، مصر اور شام کا سفر کیا۔ واپسی سفر پر گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ ۱۶ سالہ ملازمت کالج کے بعد کالج چھوڑ کر خانہ نشین ہو گئے۔ چند روز کے بعد حیدرآباد میں ناظم علوم و فنون کے عہدے پر مامور ہوئے اور ۴ برس تک وہاں رہنے کے بعد استعفاء دیا اور عرصہ تک لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔ حیدرآباد سے جو منصب مقرر ہوا تھا آخری وقت تک پاتے رہے۔ مولانا شبلی فارسی واروونظم و نثر پر قادر تھے ان کی سب سے بڑی شہرت کا باعث ان کی اردو کتب منشور ہیں آپ کو تاریخی تحقیقات کا بہت ذوق تھا اور عہد حاضرہ کے ترقی یافتہ طرز سیرۃ نگاری کے بانی اور ان مصنفین میں سے تھے جنہوں نے اردو طبقہ کو فن تنقید سے روشناس کرایا اور اردو میں داد تنقیدی آپ بہت ہی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

سیرۃ نبوی۔ نثر العجم۔ موازنہ انیس و دسیر۔ الفاروق۔ الماسون۔ الفرائی۔ سوانح

مولانا روم۔ سفر نامہ شام و روم۔ ایک طرز تحریر سلیس پر زور اور دلچسپ ہے۔ سوانح و سیر المصنفین اور گلدستہ ادب †

نذر کر دیا۔ اور اس وقت سے کہ نور تاج برطانیہ کے جواہرات کی فہرست میں شامل ہو گیا  
 ۱۸۵۲ء میں یہ لندن کی عظیم الشان نمائش میں رکھا گیا۔ اور ۱۸۵۲ء میں امسٹرڈم کے  
 مشہور جواہر تراش میسرز کا سٹرا اینڈ کو کے یہاں مکرتہ تر نشوایا گیا۔ جہاں اس کمپنی کے مشہور  
 و معروف نگینہ تراش سنگرامی نے اس کو ۳۸ دن ۱۶ گھنٹہ میں مختلف پہلوؤں سے تراش کر  
 بیضاوی شکل میں منتقل کر دیا۔ اور اس کا وزن  $184 \frac{1}{4}$  قیراط سے  $104 \frac{1}{4}$  قیراط رہ گیا۔ اس  
 مرتبہ تراشنے کے بعد اس میں اگلی سی تاب و تابش نہ رہی۔ اس نئے مسرڈیوڈ بریوسٹر اور  
 پروفیسر میٹھانٹ نامی ماہرین علوم کیمیا نے اس کی چمک دمک میں اضافہ کرنے کے متعلق  
 بہت ہی دلچسپ تجزیے کئے۔ حضور قیصرہ مرحومہ نے اس ہیرے کو اپنی بہو یعنی ہمارے  
 ملک معظم کی مرحومہ والدہ ماجدہ علیا حضرت کوئن الگزیٹڈرا کو بطور تکریم مرحمت فرما دیا تھا۔  
 بڑی جنتری کے مرتب کے بیان کے موافق یہ ہیرا ملکہ شہنشاہ انگلستان کے تاج میں  
 نغیبہ ہے۔ اور شاہجہان کے زمانہ میں اس کی قیمت ۸۷ لاکھ پندرہ ہزار پانسو پچیس روپے  
 آگلی گئی تھی +

اس ہیرے کا ایک نمونہ (Model) ٹاڈر آف لنڈن اور ایک نمونہ عجائب خانہ  
 لاہور کی آرٹ گیلری میں رکھا ہوا ہے۔ یہ مختلف فرمانرواؤں کے پاس گردش کرنے  
 اور تاریخی ہیرا ہونے کے باعث دنیا بھر کے ہیردوں پر سبقت لے گیا ہے۔ اکثر لوگ  
 اس کی نحوست کے قائل ہیں۔ چنانچہ لیڈی برٹن کا مقولہ ہے "یہ نہایت بد نشگون ہیرا ہے  
 جس کے پاس رہا تب ہی لایا"۔ مگر یہ خیال ہی خیال ہے۔ اتحاد از مضمون خود "الماس" ایجوکیشنل  
 گزٹ فروری ۱۹۲۵ء۔ "ہمد" اخبار لکھنؤ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۶ء۔ بڑی جنتری ۱۹۲۵ء  
 نوٹ نمبر ۵۔ اتحاد از مضمون خود "الماس" جو جنوری فروری نمبر بابتہ سال ۱۹۲۵ء  
 میں "ایجوکیشنل گزٹ" لکھنؤ میں شائع ہوا = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۶۔ سر سید۔ سید احمد خان نام، جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب بہادر شاہ شاہ دہلی کے  
 حضور سے اور سر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب برٹش گورنمنٹ سے اور ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری ایڈنبرا  
 یونیورسٹی سے ملی تھی۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی  
 تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی کی ملازمت میں آگئے۔ کیونکہ ان  
 کے آباؤ اجداد والیتہ وامن دولت مغلیہ تھے۔ مگر ازراہ دورانہ لیشی کچھ ہی دن کے بعد  
 انگریزی سرکاری نوکری کر لی اور سب ججی کے عہدے تک پہنچے۔ ارکان ضمنہ اردو میں  
 شمار ہوتے ہیں۔ علیگڑھ کالج کے بانی اور بہت بڑے مصنف تھے۔ فن تاریخ سے علی الخصوص  
 ان کو مذاق خاص تھا۔ آئیں اکبری کی تصحیح کی۔ نوزک جہانگیری طبع کرائی۔ تاریخ جینورہ رسالہ  
 اسباب بغاوت ہند۔ تاریخ سرکشی جینورہ خطبات احمدیہ، تفسیر القرآن اور آثار الضاہیدان  
 کی مشہور تصانیف ہیں۔ آثار الضاہید کو انہوں نے ۱۸۴۴ء میں تصنیف کیا جو عمائر اہل و

## ہندوستانِ قدیم میں آلاتِ پرواز

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوستان میں ”آلاتِ پرواز“ ایجاد ہو چکے تھے۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو یہ ضرور تھا۔ کہ قدیم اہل ہند کے خیالات اس قسم کی صنعت گری کی طرف ترک تاز اور پرواز ضرور کر رہے تھے۔ ورنہ یہاں کی دیو مالادائی (خالوچی) میں یہ خیال ظاہر نہ کیا جاتا +

### ایک نقل

نقل کہتے ہیں کہ ”جس وقت بادشاہ تختِ طاؤس پر جلوس کرتا تھا تو یہ مور دم پھیلا کر ناچنے لگتے۔ تسبیح ان کی منتقاروں میں گردش کرنے لگتی۔ اور ”الہ اللہ“ کی صدا ایش چوچوں سے برآمد ہوتی۔ اور ہر صدا پر ایک دانہ ہٹتا جاتا تھا۔ لیکن یہ نقل ہی نقل ہے اصل کو اس میں ذرہ بھر دخل نہیں۔ کہ ع

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے

نوٹ نمبر ۱۔ بڑی جنتری بابتہ ۱۵۹۷ء و تاریخ ہند قسط سوم = ۱۲ +

### سیڑھیاں

تخت پر چڑھنے کے لئے تین طلائی مرصع و معرق بجاہر زواہر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں  
نوٹ نمبر ۱ ”ٹیورنیر“ نے درمیانی محراب کے متعلق یہ اور لکھا ہے۔ کہ اس میں ایک  
میش قیمت، صاف اور شفاف جواہر آویزاں کیا گیا ہے۔ کہ جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا  
ہے تو وہ اس کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا وزن ۲۶۰ گرین کا ہے۔ اور اس کے گرد گز  
نعل و نیلم وغیرہ بڑے ہوئے ہیں +

نوٹ نمبر ۹ - سرکار - سر، جادو ناٹھ سرکار ایم۔ اے (ڈاکٹر) ہندوستان کے مشہور محقق مورخ۔ ان کی تاریخیں چونکہ انہوں نے اہل دربار کی تحریروں سے بہت کچھ اخذ کر کے لکھا۔ زیادہ مقبول ہوئیں۔ ”گریٹ مغل“ (تاریخ اکبر اعظم) اور ”اورنگ زیب“ یہ دونوں تاریخیں انگریزی زبان میں ہیں۔ اور اچھی تاریخوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ولیم ارون کی ”پیٹر مغل“ کو اس کی وفات کے بعد انہیں نے شائع کیا۔ پہلے ہندو یونیورسٹی کالج کے ہسٹری پروفیسر تھے۔ اب ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے رکن ہیں۔

نوٹ نمبر ۱۰-۱۱ - اورنگ زیب مصنفہ ڈاکٹر جادو ناٹھ سرکار \*

نوٹ نمبر ۱۲ - وقائع سیاحت برصغیر = ۱۲ \*

## وجہ تسمیہ تخت طاؤس

### نام اور وضع کا خیال ہندو قصص الاصلنام سے لیا گیا

ان طواؤس ہی کی وجہ سے یہ تخت تخت طاؤس کے نام سے موسوم ہوا تھا۔ میرے خیال میں اس تخت اور اس نام کا خیال اہل ہندو کی ان قدیم روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو بتلاتی ہیں کہ اسی نام کا ایک تخت ہندوستان کے عہد ماضی بعید میں بھی تھا۔ چنانچہ جن مرت کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔ کہ ایک راجہ معہ اپنی رانی کے اس سبب سے کہ اس کے دیوان نے اس سے غدروہ پونانی کی قسی۔ کیکیٹی نیترا (केकयी यंत्र) نامی تخت پر بیٹھ کر بھاگا۔ فضا میں پہنچ کر کسی خرابی کے باعث وہ تخت بگڑ گیا۔ اور وہ دونوں ایک مرگھٹ پر گر کر مر گئے۔ لفظ کیکیٹی نیترا (केकयी यंत्र) ”سریر طاؤس“ یا ”تخت طاؤس“ کے ہم معنی ہے \*

نوٹ نمبر ۱ - ڈوائیٹی ایٹھ سینچری ویسٹر ڈکشنری اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا = ۱۲ \*

مسٹر اسی مارسٹن بی۔ اسے نے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے۔ ”ساڑھے چھ کروڑ  
(۶۵۰،۰۰۰) روپیہ اس پر خرچ ہوا تھا۔ چونکہ صاحب موصوف کی درسی کتابوں میں  
اکثر امور کی بنا ضعیف روایات پر ہے۔ اس لئے میں ان کی تخریر پر توجہ نہیں کرنا چاہتا۔  
مشہور فرانسسیسی سیاح و جوہری ٹیورنیر نے جو اس تخت کی نمائندہ تعریف و توصیف  
سن کر اسکی دید کا مشتاق ہو کر ہندوستان تک پہنچا تھا۔ اس کی قیمت کا اندازہ ساڑھے لاکھ  
(۶۰۰،۰۰۰) پونڈ (عمد حاضرہ کے نرخ کے مطابق نو کروڑ روپیہ) کیا تھا۔

ہم ٹیورنیر کے تخمینے سے اس بنا پر متفق ہیں کہ جمہور مورخین متاخرین جزوی اختلاف  
کے ساتھ اس کی رائے سے بالکل یہ اتفاق کرتے پئے آئے ہیں اور بغیر کسی قوی دلیل  
کے جمہور سے اختلاف کرنا ممدوح نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں ایک اور وجہ بھی قول  
مذکورہ کی تائید کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ عہد حاضرہ میں تاریخ نویسی کا جو طرز اختیار کیا گیا ہے یہ  
ہے۔ کہ پہلے ہر امر کی کافی تحقیق و تفتیش کرنی جائے۔ بعد ازاں اس کا اندراج تاریخ میں کیا  
جائے۔ جس کی دلیل تواریخ متقدمین کے بہت سے مندرجہ واقعات کا زمانہ موجودہ کی  
تاریخوں میں نہ پایا جانا ہے۔ پس یقین واثق ہے کہ مورخین دور موجودہ نے اس امر خاص  
میں بھی اپنے زمانہ کے طرز کو نظر انداز نہ کیا ہوگا۔

عمد حاضرہ کے بعض مورخین نے جو اس تخت کے مصارف کا اندازہ سات کروڑ ساڑھے  
لاکھ (۷۶،۰۰۰،۰۰۰) یا آٹھ کروڑ (۸۰،۰۰۰،۰۰۰) روپیہ کیا ہے۔ اس کا ماخذ بھی ٹیورنیر کا  
تخمینہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بظاہر وجہ اختلاف پونڈ کی قیمت کا وقتی تغیر۔ ایک اور تازہ  
شہادت ہماری رائے کی تائید مزید کرتی ہے۔ اور وہ اخبار ”فیلڈ“ میں ایک سیاح کا شائع  
شدہ بیان ہے۔ جس نے حال ہی میں دوران سیاحت طهران سفیر دولت برطانیہ کے توسط  
سے شاہ پہلوی شہنشاہ ایران کے محلات کے سیر کی عزت حاصل کی ہے۔ وہ اس تخت  
کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

# مصارف

تخت طاؤس کے مصارف کے متعلق بھی مورخین میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک علاوہ مشہور و معروف جواہرات کے ایک کروڑ روپیہ اس پر صرف ہوا تھا۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کسی معتبر تاریخ میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا + جمہور مورخین قدیم اور ان سے مستنبط کرنے والے مورخین ماضی و حال مجموعی طور پر متفق ہیں کہ حسب حساب مندرجہ صفحہ ۷۹ (۷۹) تمام جواہرات سمیت ایک کروڑ روپیہ میں تیار ہوا تھا +

رسالہ پیمانہ آگرہ" بابتہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں ہشام صاحب میرٹھی کا ایک مضمون بہ عنوان "تخت طاؤس" نکلا تھا۔ اس میں ایک کروڑ گیارہ لاکھ روپیہ تخمینہ مصارف تھا۔ مگر وہ مضمون ساقط الاعتبار ہے۔ اس لئے میرے نزدیک یہ تخمینہ بھی قابل اعتبار نہیں + مسٹر لین پول اس کا تخمینہ مصارف دو کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "برنیر اور ڈیورنیر اس کی قیمت اور زائد بتلاتے ہیں"۔

برنیر نے اپنے وقائع سیاحت کی دوسری جلد میں لکھا ہے "چنانچہ اس (شاہجہان) کا ایک تخت ہی (اگر میری یاد میں کچھ غلطی نہ ہو تو) تین کروڑ روپے کی لاگت کا ہے۔"

مسٹر بال نے زمانہ قدیم کے سکول کی قیمتوں کو مروجہ حال سے جات کی قیمتوں سے مقابلہ کر کے جو اس کی لاگت کا اندازہ کیا ہے، وہ ایک کروڑ سچاس لاکھ سینتیس ہزار پانسو (۵۰،۰۰۰،۰۰۰) پونڈ پونڈ کے بین المللی نرخ حاضرہ کے موافق بائیس کروڑ پچیس لاکھ باسٹھ ہزار پانسو روپیہ) ہے +

# تختِ طاؤس

صلد طلائی تھا یا اس پر سونے کا پتھر منڈھا ہوا تھا؟

بعض مغربی مورخین اور سیاحوں نے کہیں شک اور کہیں یقین کے ساتھ تختِ طاؤس کے کل یا جزو کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ صلد طلائی نہ تھا۔ بلکہ اس پر سونے کا پتھر منڈھا ہوا تھا۔ چنانچہ مسٹر لین پول نے سوانح اورنگ زیب کے حواشی میں ٹیورنیر کا یہ قول نقل کیا ہے:-

”تخت پر سونے کا پتھر جڑا تھا“

اور لارڈ کرزن انجمنی نے اپنی کتاب پریشیا اینڈ دی پریشین کولشچین میں اسی سیاح کا یہ بیان لکھا ہے:-

”اوپر بنا ہوا مور جو تمام پکھراج کا بنا ہوا ہے دم پھیلائے ہوئے ہے۔ اس کا جسم سونے کے پتھر کا ہے“

برنیر اپنے واقع سیاحت میں رقمطراز ہے:-

”یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے۔ جن کو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں“

مسٹر ولیم اروٹن نے لیٹر مغل میں تحریر کیا ہے:-

”تختِ طاؤس سونے کے پتروں سے بنا ہوا تھا“

لیکن مورخین قدیم اور درباری تاریخ نگاروں کی تحریریں اس امر پر تبصرہ کرنے سے

قطعی مجبور ہیں۔ مگر جب ہم اس کے طول، عرض، بلندی اور سونے کی مقدار پر نظر ڈالتے ہیں

تو چونکہ سونے کی ٹھوڑی ہی سی مقدار روزنی و سنگین ہوتی ہے اور اس تخت میں صرف ۳۱

من سونا استعمال ہونا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تو ہمیں اہل مغرب کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی

”اس کی قیمت کا اندازہ ستر لاکھ پونڈ کیا گیا تھا۔“

۰۰۰۰۰۰، ستر لاکھ پونڈ۔ دس کروڑ پچاس ہزار روپیہ کے مساوی ہوتے ہیں اور یہ رقم بھی ٹیورنیر اور مورخین مابعد کے تخمینوں کے لگ بھگ ہے۔ \*

نوٹ نمبر ۱ - سوانح اورنگ زیب - مصنفہ مسٹر بین پول - مترجمہ مسٹر لطیف احمد صاحب بی - ۱ - \*

نوٹ نمبر ۲ - سفر نامہ برنیر - مترجمہ اے کانسٹیبل صاحب صفحہ ۴۲، ۴۳ - فٹ نوٹ نمبر ۱۲ - \*

نوٹ نمبر ۳ - تاریخ ہند مصنفہ امی مارسٹن بی - ۱ - مترجمہ لالہ جیا رام و ضلیفہ عماد الدین صاحبان - داستان ترکستان ہند = ۱۲ - \*

نوٹ نمبر ۴ - ڈیول انڈیا مصنفہ لین پول = ۱۲ - \*

نوٹ نمبر ۵ - تاریخ ہند ”قسط سوم“ شائع شدہ بڑی جنتری ۱۹۲۳ء اور رسالہ ”پیمانہ“ آگرہ ستمبر ۱۹۲۵ء - ۱۲ - \*

نوٹ نمبر ۶ - شاہ پہلوی - رضاخان نام ایک ایرانی معمر و مدبر جنرل ہیں۔ جن کو اواخر ۱۹۲۵ء میں ایرانی پارلیمنٹ نے خاندان قاجاریہ کے آخری حکمران ایران احمد شاہ کجکلاہ کے اعلان معزولی کے بعد عنان حکومت ایران تفویض کی اور موصوف ۱۴ - دسمبر ۱۹۲۵ء کو اندرونی کشمکش کے وجہیہ کے بعد مستقل شہنشاہ ایران تسلیم کر لئے گئے۔ مدوح چونکہ خاندان پہلوی کے رکن اور ایرانی قدیم حکمرانوں کی نسل سے ہیں۔ اس لئے آپ نے جلوس کے وقت اس نام کا اعلان کیا۔ اب تحت ایران نسل بعد نسل پہلوی خاندان کا ورنہ صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ہر دل عزیز، بیدار مغز، روشن خیال اور موجودہ طرز حکمرانی کے ماہر بادشاہ ہیں۔ سلطنت ایران آپ کے زیر سایہ تیزی کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہے

نوٹ نمبر ۷ - ”آگرہ اخبار“ آگرہ مورخہ، نومبر ۱۹۲۵ء = ۱۲ - \*

۱۷۰۳ء سے ۱۸۰۳ء تک ایک تاریخ لکھنا چاہتا ہوں ۱۷۲۵ء تک مسودہ کر چکا ہوں ۱۷۵۹ء تک میں نے ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ اس کتاب کا نام اس لئے بیٹر مغل (مغلان آخر) رکھا تھا۔ چونکہ وہ ہر سرباٹ کو بے انتہا تحقیقات کرنے کے بعد لکھتا تھا۔ اس لئے اس کتاب کی تصنیف کا کام بہت آہستگی کے ساتھ ہوا۔ بیٹر مغل کا نمونہ انمور احمدہ ایشیا تک کو انٹرنی ریویو اور ایشیا تک سوسائٹی بنگال میں شائع ہوتا رہا۔ یہ نامور محقق بجائے سو سال کے صرف ۲۱ ہی سال کی تاریخ لکھ پایا تھا۔ کہ اس کا جام زندگی لبریز ہو گیا۔ اور اس نے جمعہ کے دن ۳۔ نومبر ۱۷۵۹ء کو ودیعت حیات مالک حقیقی کے سپرد کر دی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۷۱ سال ۴ ماہ کے قریب تھی جس طرح گارڈن کو اپنی تاریخ کے ختم نہ ہونے کا مرتے دم بہت صدمہ تھا۔ ویسا ہی اسے اتنا فرق ہے کہ اس کو ایک لائق اور عمدہ علیہ شاگرد میسر تھا اور یہ اس نعمت سے بھی محروم تھا بیٹر مغل کو مسٹر سرکار نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ جس سے یقیناً اس کی روح بالوہ موصوف کی ممنون ہوئی ہوگی۔ اس نے جو یہ چاہا تھا کہ اس کی تاریخ قاموس التاریخ ڈسٹوکیک انسائیكلو پیڈیا ہو۔ وہ نہ ہو سکا۔ اور اس کے لئے کافی زمانہ کی ضرورت تھی +

دلیم ارون انگریزی، فرانسیسی اور جرمنی زبان کا ماہر تھا۔ اسے فارسی میں بھی کافی ملکہ تھا۔ فارسی زبان کو بخوبی سمجھ لینا اور فارسی کی قلمی کتابوں کو بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ ہندی اور اردو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے ہندوستان کی موجودگی ہی میں فارسی کی مطبوعہ و قلمی کتابوں کے علاوہ اردو ہندی کی کتابیں بھی جمع کر کے کافی ذخیرہ ہم پہنچایا تھا۔ وہ نہ صرف محقق بلکہ شہدائے تحقیقات تھا۔ اس کو جب کسی امر کی تحقیق مطلوب ہوتی یا وہ کوئی حوالہ دینا چاہتا۔ تو یورپ، ایشیا اور امریکہ غرض ہر جگہ چھان بین کرتا تھا۔ اس کا طرز بیان سلیس و لاویز منطقی اور قطعی نقطہ مقصودہ پر ہوتا تھا۔ اس کی تاریخ نویسی کے نمایاں اور مستحسن طریقوں میں یہ امور خصوصیت کے ساتھ قاب ذکر ہیں کہ اس نے ہم عصر اسناد سے صحیح تحقیق و استنباط کیا ہے۔ ہر چیز حوالہ جات کے ساتھ لکھی ہے۔ اس نے اس زمانہ کی فارسی تاریخوں، انگریزی، ڈچ اور پرتگالی سیاحوں کے سفرناموں مخلوط اور یادداشتوں اور عام تصنیفات، تاریخات اور فرامین سے اخذ کر کے اپنی کتاب ترتیب دی ہے۔ وہ قدرتی طور پر اور تعلیم کی وجہ سے اور شواہد پر تبصرہ کنال فیصلہ کرنے کا ایک خاص مادہ رکھتا تھا۔ اس کی تحقیق و تخریر میں وہ صحت و جامعیت ہے۔ کہ الما عینین (باشندگان جرمن) کو بھی میسر نہ آئی۔ اس کی تاریخ نویسی۔ اعلیٰ تاریخ نویسی کی مثال اور قابل تقلید ہے۔ مسٹر سرکار اس کے متعلق دیباچہ بیٹر مغل میں لکھتے ہیں ہندوستان کے مورخین اور طلب تاریخ کو بیٹر مغل کا بخور مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ ان کو تاریخ نویسی کا طریقہ سکھائے اور نظام دماغی کی تعلیم دے۔ مورخین کو چاہیے کہ وہ بیٹر مغل

ہے۔ اور اوپر بیان کئے ہوئے مختلف اقوال کو مسلسل کرنے سے مندرجہ ذیل ترتیب  
ہمارے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

سورجوت اور پائے ٹھوس تھے۔ بقیہ اور سارے تخت پر دبیر پتھر چڑھا ہوا تھا  
ٹوٹ تمبرا۔ ولیم ارون۔ اسکاٹ لینڈ کے ایک وکیل کا بیٹا تھا۔ ۵ جولائی  
۱۸۵۷ء کو ایسٹڈین میں پیدا ہوا۔ بچپن میں لندن پہنچا۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۵  
سال کی عمر میں مدرسہ کو خیر باد کہہ کر دنیاوی عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں  
محکمہ بحری میں ملازم ہو گیا۔ سال دو سال بعد چونکہ اس نے فرانسیسی و جرمنی زبان  
بجوبنی سیکھ لی تھی۔ اس لئے مستعفی ہو کر کنگس کالج لندن میں تکمیل تعلیم کے لئے  
بھرتی ہوا۔ اور ۱۸۶۵ء کے انڈین سول سروس کے امتحان میں اعلیٰ درجہ پر کامیاب  
ہو گیا +

۱۲ دسمبر ۱۸۶۲ء میں ہندوستان پہنچ کر سہارنپور میں اسٹینٹ مجسٹریٹ مقرر  
ہوا۔ اس کے بعد نظر نگہ تبدیل ہو گیا۔ ۱۸۶۲ء میں اس نے دو سال کی رخصت لی  
اور یورپ کو واپس گیا۔ واپسی پر فرخ آباد کا جنٹ (جوائنٹ) مجسٹریٹ معین ہوا۔ چونکہ  
تختیقات تاریخ کا مذاق شروع عمر سے اس کی طبیعت میں موجود تھا۔ اور تعیناتی ہوئی  
ایک تاریخی مقام پر اس لئے اس نے نواباں بنکاش کی تہایت مستند و محققانہ تاریخ  
لکھ کر ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ میں ۱۸۶۶ء میں شائع کی۔ یہ تاریخ فرخ آباد  
ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرتبہ مسٹر ایٹکن سن شائع شدہ ۱۸۷۷ء میں شامل کر لی گئی +  
ارون دوران ملازمت غازی پور میں زیادہ رہا۔ غازی پور میں وہ کلکٹر اور حاکم ہندو  
تھا۔ یہاں کی تعیناتی کی یادگار اس نے ضلع غازی پور کے ہندو بست کی رپورٹ چھوڑی  
ہے۔ جو ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی +

اسے اپنی علمی قابلیت اور اہلیت کی بنا پر ایک خاص مرتبہ تک پہنچنا چاہیے تھا  
چونکہ خلاف امید ایسا نہ ہوا۔ اس لئے جوں ہی مدت ملازمت پنشن کے استحقاق تک  
پہنچی اس نے پنشن لے لی۔ ۲۴ مارچ ۱۸۸۵ء کو وہ سہارنپور واپس ہو کر پنشن  
پا گیا۔ گویا آغاز و انجام ملازمت سہارنپور میں ہوا۔ اس نے ۲۵ سال ملازمت کی۔ جس  
میں سے پانچ سال رخصت پر رہا۔ پنشن کے وقت اس کی عمر ۴۸ سال اور نند رستی  
بست اچھی تھی۔ پنشن لینے کے بعد وہ انگلینڈ پہنچا۔ جہاں مدد اہل خدمت انجام  
دیتا رہا۔ وہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک کی تاریخ ہندوستان زمانہ اور نگہ بست لکھنا چاہتا تھا  
چنانچہ اس نے فروری ۱۹۲۷ء میں جادونا فتح صاحب سرکار کو ایک خط میں لکھا تھا۔ میں

## تخت طاؤس کی شکست پریری

تخت طاؤس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کے اجزاء الگ الگ نہ کر کے رکھ لئے جاتے تھے۔ اور ضرورت کے وقت سب کو مرتب کر کے تخت بنایا جاتا تھا۔ گو اس کا کافی ثبوت تو تاریخ قدیم سے قطعی نہیں ملتا۔ تاہم بعید از قیاس بھی نہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک بیش قیمت بے بہا نادر العصر اور اعجوبہ روزگار چیز تھی۔ جہاں اس میں پائیداری و مضبوطی موجود تھی۔ وہاں نزاکت کا وجود بھی پایا جاتا ہوگا۔ نکالنے رکھنے کی سہولت اور گرو وغیار سے حفاظت میں آسانی وغیرہ وغیرہ پر نظر ڈال کر عجب نہیں کہ ایسا ہی بنایا گیا ہو۔

ہمیں اس سے بخت نہیں، اس کی قیمت کچھ ہی ہو، وہ اس طرح بنایا گیا ہو، کہ اس کے پرزے پرزے الگ کئے جاسکتے ہوں۔ یا اس طرح کہ اس کے اجزاء کو ایک دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہو، اسے ٹھوس سونے سے بنایا گیا ہو۔ یا اس پر سونے کے پتھر چڑھائے گئے ہوں۔ وہ ایک ایسا عجیب و غریب تخت ضرور تھا کہ جس کی نظیر آج تک دنیا کو میسر نہیں آئی۔ اس سے پہلے بھی کوئی تخت اس کے مثل یا اس سے بہتر صفحہ تاریخ پر نظر نہیں آیا اور فی زمانہ بھی کہ روپے کی بہتات، جواہرات کی کثرت اور صنعت و حرفت کو انتہائی ترقی حاصل ہے۔ بڑے بڑے اولوالعزم سلاطین سر حکومت پر جلوہ افروز ہیں۔ لیکن دنیا اس کی تمثیل پیش نہ کر سکی۔ وہ اپنی بے مثالی کی وجہ سے دیکھنے والوں کو حیرت بنا دیتا تھا۔ ایشیا و یورپ کے سیاح و سفراء بڑے بڑے راجے ہمارے اور فرمانروا، بڑے بڑے ماہرین صنعت و حرفت اسے دیکھ کر بیخود ہو جاتے اور تصویر حیرت بن جاتے

کو اپنا نمونہ بنائیں۔ اور اسی طرح پر لکھیں۔ "ارون کے متعلق اس نامور مورخ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "اس کو لوگ ہندوستان کا گین ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ اس نے واقعات لکھے ہیں۔ اور تاریخ نامکمل ہے۔ لیکن ان کو ماننا چاہئے"۔

ارون کو مالی معاملات میں عبور کامل تھا۔ اس کی دلیل ایک نووہ مضمون ہے۔ جو اس نے کلکتہ ریویو میں ۱۸۵۷ء میں شائع کر دیا اور دوسری اس کی تصنیف کردہ ہوتی ہو کتاب موسومہ ریٹ ڈاٹی جس یا لآٹ پر ریجر ہے۔

وہ ایک بذلگو، لطیفہ سنج، ظریف الطبع، نرم گفتار عالی حوصلہ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے والا آدمی تھا اور ہمیشہ ہشاش بشاش رہا کرتا تھا۔ میرے نانا مولوی عبدالرحمن صاحب مرحوم سر دفتر محکمہ اسٹامپ ریاست بھوپال ریاست بھوپال کی ملازمت سے پہلے محکمہ ہندوستان و ولت برطانیہ میں انٹر میڈیٹ ملازم رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں مرحوم کو صاحب موصوف کے ماتحت غازی پور میں منٹم عکس یا منصرم جانچ کے عہدے پر کچھ عرصے تک رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ "لہ صاحب موصوف ایک بہت ہی سنجیدہ، متین اور فارسی میں بصیرت کامل رکھنے والے انگریز تھے۔ ان کی مقدمات نے انہیں خشک مزاج نہیں بنایا تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ جو لوگ ہندوستان کے قدیم اور شریعت گھرانوں کے رکن ہوتے تھے۔ ثبوتاً ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرتے تھے اور بدل ان کی ترقی مناصب و علوے، مدارج کے خواہشمند رہتے تھے۔ اپنے مفوضہ سرکاری کاروبار کو تندہی سے انجام دیتے اور جو وقت بچتا اس کو مطالعہ تاریخ میں صرف کیا کرتے تھے۔ وہ خود جامع علوم و فنون تھے۔ اور ایسے ہی لوگوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "انسان اور خصوصاً مورخ کو ہر چیز جانتا چاہئے۔ جس چیز کو انسان حاصل کر سکے اس سے اسے گریز نہ کرنا چاہئے" ان کی زندگی ایک طالب علمانہ زندگی تھی"۔

یٹر مغل جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں ایک بے نظیر تاریخ ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ حسب بیان بالا اس کا ماخذ بائبل کا ناپورپ کے خطوط، سفر نامے اور کتابیں ہی ہیں اور گو بہت کچھ مصنف نے تحقیق و تدقیق کے بعد لکھا ہے۔ مگر پھر بھی اپنی ہم قوموں، ہم جنسوں اور ہم ملکوں کے ساتھ اس خوش عقیدگی نے کہ ان کا لکھا آیت وحدیث ہے۔ بعض بعض جگہ ان کو مغالطہ دے ہی دیا ہے۔ اور یہ تقاضائے بشریت ہے + ۱۲ = +

میں نہیں کہ سکتا کہ شاہجہان کو اس کے کارناموں کے معاملہ میں خوش قسمت کہا جائے یا بد قسمت، چیزیں اس نے وہ بنوائیں کہ جن کی حقیقت کا اظہار رہتی دنیا تک ایک افسانہ رہے گا۔ مگر زمانہ نے کچھ اس طرح سے پلٹا کھلایا کہ اسکی اکثر یادگاریں اور انکی عظمتیں حادثات زمانہ کے ناقصوں قائم نہ رہ سکیں، رہے نام اللہ کا ایک جامع مسجد ہے اور ایک تاج محل جن سے اس کی بلند حوصلگی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور بس اگر اس کی تمام یادگاریں باقی رہ جاتیں تو انہیں دیکھ دیکھ کر دنیا ہمنفہ محو حیرت رہا کرتی۔ یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ ان چیزوں کی یادگار کسی نہ کسی طرح قائم رکھنے والے اس وقت موجود تھے۔ جنہوں نے ان کو قطعی محو نہ ہونے دیا تخت طاؤس ہی کو لے لیجئے۔ گو اس کے ظاہری وجود کی طرح آج اس کی شبیہ بھی معدوم ہے۔ مگر لفظی تصویر مولانا قدوسی کی سحر نگاریوں کی مرہوں منت ایک شنوی کی شکل میں ہمارے پیش نظر ہے۔ جس کی حقیقی قدر کچھ اسی نے کی جو جان قدر دانی تھا یعنی جوہر شناس اور نکتہ نواز بادشاہ کے حکم سے موصوف کی اس شنوی کا کتبہ مینائے سبز سے تخت کے اندرونی حصے میں منقش کیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے زیادہ اس شنوی کی قدر و منزلت ہو بھی نہیں سکتی تھی وہ شنوی ذیل میں درج ہے۔ اس کے آخری مصرعے سے تاریخ نکلتی ہے :-

زبے فرخندہ تخت بادشاہی	کہ شد ساماں بتائید الہی
فلک روزے کہ میکردش مکمل	زر خورشید را بگداخت اول
بحکم کار فرما صرف شد پاک	بہ مینا کاریش میناے افلاک
خبر این تخت از روز جوہر مقصود	وجود بگردگاں راکت این بود
زیادتش کہ در قید بہانہ نیست	لب لعل بتاں را دل بجائیت
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ	گہر افسر لیسر خاتم بدیدہ

تھے۔ اس پر جلوس کرنے والے کا رعب و دبدبہ، اس کی عظمت و شان دیکھنے والے کی نظر میں اس طرح جھتی اور اس کے قلب میں اس طرح سماقتی تھی۔ کہ دل بے اختیار مائل بہ عبودیت ہو جاتا تھا۔ اور یہ بھی برکاتِ اسلام کا ایک معجزہ سمجھنا چاہئے کہ ایسی سطوت و ہیبت پیدا ہونے کے بعد بھی شاہجہان نے اپنی عبودیت کے اظہار میں سر نیاز اس بے نیاز معبود حقیقی کے سامنے خم کیا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

گواہ باہیں حیثیت مجموعی اس تخت کا صرف لفظی افسانہ باقی رہ گیا ہے۔ تاہم اس کی خوبی و صناعت کی تعریف و توصیف میں سارا عالم اب تک رطب اللسان ہے۔

نوٹ نمبر ۱۔ لیرٹری - ۱۲ +

## سال و مدت اتمام

اور

### کارگیروں کی تعداد و مولانا قدسی کی ایک ہمیشہ شنوی و تاریخ اور اس شنوی کے متعلق شاہی قدر وانی

تخت طاؤس پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) کارگیروں کے زیر نظام و صنعت سات سال کی مدت میں ۱۶۴۴ء میں تمام و کمال بن کر تیار ہوا۔ تاریخ ہوئی ۱۶۴۴ء

سرپرہمایون صاحب قرآنی

قدسی نے عالم قدس کی جانب پرواز کی۔ ابوطالب کلیم نے تاریخ وفات کسی صحیح  
دور زماں بسبب قدسی چمن زنداں شد

اور نیٹیل بیارگریفل و گمشدی میں لکھا ہے کہ شاہ جهان نے اس کو خطاب ملک الشعراء  
بھی دیا تھا۔ اور اس کے بعد یہ خطاب ابوطالب کلیم ہمدانی کو عطا ہوا۔ لیکن بادشاہ ہنامہ  
خزائنہ عامرہ اور ماثر الامراء وغیرہ سے ایسا ثابت نہیں کہ قدسی کو کبھی یہ خطاب ملا ہو۔ اور  
ان کے مقابلہ میں لغات مذکورہ کا اعتبار ظاہر۔

قدسی کی مثنوی و قصیدہ گوئی معراج بلاغت کو پہنچ گئی تھی۔ غزل اس رتیبہ کی نہیں۔ اکثر  
قصائد اقتضاب کے عیب سے پھر میں جو گراں گزرنا ہے بقول اور نیٹیل بیل اس نے  
ایک کتاب فن انشائیں بنام طغر نامہ اور بقول صاحب خزائنہ نامہ ایک مثنوی موسومہ  
بادشاہ نامہ صاحب **قرآن ثانی** اپنی یادگار چھوڑی۔ اسی کا شعر ہے

شادم کہ بمرگم نشود نشا و دل غیر داند کہ بمرگ از تو مرانیت ہدائی

انخاذا مثنوی خود بعنوان مولانا قدسی مشدی جرسالہ صبح صادق ص ۱۲۶ جہانسی باب ۱۲۶ میں شائع ہوا  
نوٹ نمبر ۵۔ بادشاہ نامہ۔ ۱۲۔ +

## تخت طاؤس پر جلوس اول

تخت طاؤس پر جلوس اول کے متعلق بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔ منوچھی کہتا ہے  
شاہجہاں اس تخت پر بیٹھا ہی نہیں۔ بلکہ سب سے پہلے اس پر اورنگ زیب نے جلوس  
کیا تھا۔ لیکن تخت مذکور سنہ جلوس شاہجہانی میں بن کر تیار ہو گیا تھا۔ اور شاہجہان تخت  
بننے کے ۲۳-۲۴ سال بعد تک حکمرانی کر کے ۱۶۵۷ء میں معزول ہوا تھا۔ تکمیل و انجام  
تخت اور عزلی شاہجہانی کے وسطی زمانہ میں کسی بڑے بڑے جشن ہوئے جن میں سے  
سنہ ۱۶۵۷ء کا وہ روزہ جشن نوروزی منعقدہ قلعہ آگرہ ۱۶۵۷ء کا جشن بتقریب حصول  
صحت نواب عصمت آب، نقدس احتجاج علیہ العالیہ جہاں آرا بیگم المعروف بہ بیگم صاحب  
کلاں (بڑی بیگم صاحب) اسی سنہ کا جشن شمسعی جس کے اخراجات کی تکفل خود بیگم صاحبہ  
موصوفہ تھیں۔ ۱۶۵۷ء کا دربار افتتاحی قلعہ معلیٰ (دہلی) اور اسی سنہ کا ایک مشہور نہ روزہ

بحرِ حش عالم از زرش چنان پاک  
 رساند گر فلک خود را بپایش  
 سرافرازے کہ سر بر پایہ اش سود  
 خراج بحر و کاں پر ایہ او  
 ز انواع جواہر گشتہ الوان  
 در اطرافش بود گل ہائے مینا  
 چومی کرد از قرازش کوتی دست  
 شب تار از فروغ لعل و گوہر  
 دہد شاہ جہاں را بوسہ بر پائے  
 کند شاہ جہاں بخش دیوان بخت  
 خداوندے کہ عرش و کرسی اورانت  
 اثر باقیست تا کان و مکان را  
 بود تختے چنیں ہر روز جالیش  
 چو تاریخش زباں پر سید از دل  
 بگفت "اورنگ شاہنشاہ عادل"

چو تاریخش زباں پر سید از دل

بگفت "اورنگ شاہنشاہ عادل"

۱۰ ۵ ۴ ۴

نوٹ نمبر ۱ - اگر اخبار اگرہ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۹ء بحوالہ اخبار "فیہد" = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲ - سیر، ظفر نامہ، بادشاہنامہ اور آثار الامراء = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۳ - بادشاہنامہ و سیر = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۴ - قدوسی - محمد جان نام، قدوسی مخلص، مشرف برج ہونے کے باعث ماجی لقب شہد کار بننے والا تھا۔ کتاب جہاں آرا میں اس کا نام محمد خان لکھا ہے۔ علی ہذا بعض تذکرہ نویسوں نے اس کا تخلص "قدوسی" ظاہر کیا ہے جو بظاہر کتابت کی غلطی ہے۔ ۱۹۲۲ء میں ہندوستان پنچیکر ملازمان دربار شاہجہانی کے زمرے میں شامل ہوا۔ ۱۹۲۶ء کو ۴ و ۵

میں زر بفت و محفل کے شنایا نے چاندی سونے کے سنوٹوں پر تانے پھر زمین پر زرین و رنگین فرش بچھائے گئے اور اسپک کے نیچے ایک مرصع چوتڑہ بنایا گیا۔ اور اس کے چاروں ضلعوں پر ایک سچ زرین نصب ہوا اور اس کے عین وسط میں تخت طاؤس رکھا گیا اور تخت کے چھترہائے مرصع جنہیں موتیوں کی لڑیاں لگی ہوئی تھیں (۸-۸) فٹ طولانی سر تا پا عرقی جواہرات چوبوں پر لگائے گئے۔ اور درو دیوار، سقف و جدار و طاق اور خاص و عام کے احاطوں کے اطراف اور نقارخانہ کی عمارت اور سردروازے کے پیش طاق جن کی تزئین کے متکفل شاہزادے (اور امراء) تھے ان سب کو سردیار کے اقمشہ نفیسہ، محفل طلا بان و نقرہ بان اور زر بفت ایرانی و دیباے رومی سے منڈھا اور سب جگہ اس مجلس میں سونے کے مرصع کار ظروف ترتیب سے چنے گئے +

نوٹ نمبر ۱۔ منوچی۔ ایک پرتگالی سیاح اس کی کتاب "اسٹوریا ڈو گو مور" بہت مشہور ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر سرکار نے اپنی معرکتہ الاراء تصنیف "اورنگزیب" میں لکھا ہے :-  
"ایک معمولی کم علم آدمی تھا۔ اس نے بہت سے بے سرو پا اور سنی سانی باتیں لکھی ہیں"

نوٹ نمبر ۲۔ منوچی اسٹوریا ڈو گو مور جلد دوم صفحہ ۳۴۸ = ۱۲ +  
نوٹ نمبر ۳۔ جشن نوروزی۔ نوروز کے دن کو عام طور پر اہل ایشیا خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں عید مانتے ہیں۔ نرکان چینگز کا کوئی مذہب نہ تھا۔ مگر اس دن مکان سجا کر خوان لیا لگاتے اور سب مل کر روتے تھے اور سال بھر کے لئے مبارک شگون سمجھتے تھے۔ آتش پرستوں اور ہنود کے یہاں یہ دن زیادہ منبرک سمجھا جاتا تھا۔ اکبر نے تالیف قلوب کے لئے اس میں ہندوانہ مراسم اور شامل کر دئے تھے۔ اس دن دیوان عام خوب سجتا زبردست دربار ہوتا تھا۔ اکثر امراء بادشاہ کی دعوت کرتے اور نذریں دیتے تھے بادشاہ سونے کی ترازو میں سونا، چاندی، ابریشم، خوشبوئیات، لوب، تانیا، جست، تو تیا، گھی، دودھ، چاول اور ست نچے کے ساتھ ملتا اور یہ سب غربا کو تقسیم ہوتا تھا۔ (ماخوذ از واکبری)

جشن جو "بارعام" مذکور الصدر کے سلسلہ میں جشن وزن قمری تک ہوتا رہا۔ یہ سب تقریبات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ہے کہ ایسے ایسے شاندار و موقر درباروں اور جشنوں میں شاہجہان جیسے صاحب شکوہ نادر پسند بادشاہ نے اس عجوبہ روزگار مجسمہ صنعت نوازی کو باوجود تیاری شرف جلوس و خلعت قبول نہ بخشا ہو۔

منوچی کا پریمان ویسا ہے پاور ہوا ہے۔ جیسا کہ ٹیورنیر کا یہ خیال کہ "یہ وہ مشہور و معروف تخت ہے۔ جسے تیمور لنگ نے بنوانا شروع کیا تھا اور شاہجہان نے تکمیل کو پہنچایا"۔

جمہور مورخین کی تصدیق کے مطابق جس زمانہ میں یہ تخت بن کر تیار ہوا ہے، شاہجہان کشمیر سے واپس ہو کر لاہور کی طرف مراجعت کر رہا تھا۔ وہ اس سفر سے ۳۰۔ رمضان ۱۰۲۷ھ (۲۰۔ فروری ۱۶۲۷ء) صبح جلوس کو آگرہ واپس آیا۔ اور چونکہ نجومیوں نے (اندرون شہر) آگرہ کے داخلہ کی تاریخ یکم شوال ۱۰۲۷ھ مطابق ۲۔ فروری ۱۶۲۷ء معین کی تھی۔ اس لئے جشن نوروزی کے رسم و ربار کا جتنا پار منعقد ہونا قرار پایا۔ اور کارپردازان سلطنت ایوان دولتخانہ خاص و عام دار الخلافہ (آگرہ) کے زیب و زینت پر مامور ہوئے۔

ہم اس آرائش و زیبائش کی کیفیت شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی قلم معجز رقم سے زیب قرطاس کرتے ہیں۔

اول انہوں (کارپردازان سلطنت) نے اسپکی مجلس وزیر بخت کی کہ گجرات کے صنعت گردوں اور ہنروروں نے بنائی تھی اور اس میں طرح طرح کی صنعتیں کی تھیں اور ایک لاکھ روپیہ میں تیار ہوئی تھی ایوان چہل ستون کی پیشگاہ میں زرین و سیمین ستونوں پر استادہ کی اور اس کے اطراف

کہ وہ ملک فصاحت کی حکمران تھی۔ حمد، نعمت، منفیت اور مدح بزرگان میں جو بابجا اشعار لکھے ہیں وہ بنلاتے ہیں کہ نظم میں بھی وہ پایہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ذیل کے اشعار اس مرثیہ کے اشعار میں جو اس نے شاہجہان کی وفات پر فی البدیہہ کہا۔ اور اب اس کے اسی قدر شعر پائے جاتے ہیں۔

اے آفتاب من کہ شدی طائب از نظر آیا شب فراق ترا ہم بود سحر  
اے بادشاہ عالم و اے فیلبہ جہاں بکشائے چشم رحمت و برجال مانگر  
تادم چنیں ز غصہ و بادوم بود بدست سوزم چو شمع در غم و دودوم رود ز سر  
کلام فہمی اور اہل کمال کی قدر دانی اس کا خاندانی ورثہ تھا۔ رحم دلی اور شرم و حیا کا مجسمہ تھی۔ اس کے اخلاق و عادات اور اس کا چال چلن بہ طرح قابل ستائش دکھائی دیتا ہے۔ تمام مورخ اس کو "فرشتہ سیرت" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ الّا ڈاکٹر برنیہ اور اس کا ہمنوا ٹیورنیہ کہ انہوں نے بیچاری کو بہت بدنام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کا کہیں بچھ اور کہیں کچھ کہنا۔ دروغ گور حافضہ شاہد کے تحت میں آکر انہیں غلط گواہ ثابت کر دیتا ہے۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اور اس نے اپنی تمام زندگی تخرید، ریاضت، نفس کشی میں بسر کی جیسا کہ عام طور پر نسل شاہزادیاں کرتی تھیں۔ جس کی وجہ بقول برنیہ یہ ہے کہ مغلیں سلاطین ایک تو اپنا ہمسرہ نہ پا کر اپنی لڑکیوں کے منسوب کرنے سے باز رہتے تھے۔ دوسرے انہیں اپنے اقربا سے اکثر بغاوت کا کھٹکا لگا رہتا تھا اس بیگم نے بہت سی خوبصورت اور پاکیزہ عمارتیں بنوائی تھیں۔ جو اب تک اس کی یادگار ہیں۔ اور صدقہ جاریہ کا کام دیتی ہیں۔ مندرجہ ذیل عمارت زیادہ مشہور ہیں :-

- (۱) جامع مسجد آگرہ۔ بصرف ۵ لاکھ روپیہ۔
- (۲) بیگمی دالان۔ اجمیر شریف۔ یہ درگاہ خواجہ غریب نوازؒ۔ یہ سنگ مرمر کی بہترین عمارت ہے۔ اس میں سنگ افشاں ابرسی کا فرش ہے۔ درمیانی محراب پر جو اہرات کی بے نظیر چھیکاری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ نورجہاں کے گھٹے کی دھندھکی ہے +
- (۳) کارہ انسرا۔ دہلی۔ برنیہ نے اس کو برائل پلیس (فرانس) سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کے پیرس میں واقع ہونے کی تمنا کی ہے +
- دامخو از جہاں آرا۔ مولوی محبوب الرحمن کلیم بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ اور

تاریخ آگرہ منشی سیل چند

نوٹ نمبر ۵۔ ۶۔ جشن شمسی۔ جشن قمری۔ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے ان کی بعض رسمیں اختیار کر لی تھیں۔ جن کو اکبر کے عہد سے

نوٹ نمبر ۴۔ جہاں آرا بیگم۔ جہاں آرا بیگم نام، نواب علیہ العالیہ خطاب، بیگم صاحبہ کلاں مشہور، اپنے بیگم صاحبہ کملاتی تھی۔ مگر اپنی چھوٹی بہن روشن آرا بیگم کے اسی عرف سے معروف ہونے کے بعد "بڑی بیگم صاحبہ" کملانے لگی +

ممتاز محل کے بطن سے جن دونوں شاہجہان میواڑ کی مہم میں مصروف تھا چار شہ کے دن ۱۶۔ صفر ۱۰۲۷ء کو پیدا ہوئی۔ ممتاز محل کی پہلی اولاد تھی۔ جو زندہ رہی، شاہجہان کو اس سے بیحد محبت تھی۔ ملک الشعراء ابوطالب کلیم بھدانی کی بہن اور رکنائے کاشی کی بی بی سستی النساء خانم المصطفیٰ (المنوفی) کے زیر تربیت و تعلیم رہی، ممتاز محل، دیوانچی خانم اور نور جہاں کے فیضانِ صحبت کے علاوہ پایہ تخت کے اکثر ارباب کمال سے استغنا وہ کیا۔ ماں کے مرنے کے بعد باپ کے مزار میں بہت و خیل ہو گئی تھی۔ اپنے بھائیوں میں دارا شکوہ سے اس کو بیحد محبت تھی۔ اور گریب اور اس کے بھائیوں میں جو خانہ جنگی ہوئی اس میں باپ اور بھائیوں میں اکثر ذریعہ صفائی بنی۔ لیکن اس کی بات کو کسی نے نہ مانا۔ شاہجہان کے زمانہ نظر بندی میں وہ اس کی خدمت کرتی رہی۔ ۷۰ سال کی عمر میں ۷۔ رمضان ۱۰۹۲ء میں بمقام دہلی وفات پائی اور حسب وصیت صحنِ روئے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں مدفون ہوئی مقبرہ بصورتِ حجر کھلی چھت کا بنا ہوا ہے۔ لوح مزار خام اور چھینٹہ سبز گھاس سے سبز پوش رہتی ہے۔ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

### ہوالحی القیوم

بغیر سبزہ پوشد کے مزار مرا کہ قبر پوش غریباں ہیں گیاہ بس است  
النقیضۃ العانیہ جہاں آرا بیگم مرید خواجگان چشت بنت شاہجہان بادشاہ غازی  
انار اللہ برانہ ۱۰۹۲ء

وہ قرآن مجید خوش الحانی اور صحت لفظی کے ساتھ قواعد تجوید کے موافق پڑھنے میں طاق تھی +

سیاحت نے اس کی نظر میں وسعت پیدا کر دی تھی، اور ایک حسین، باسلیقہ خوش پوش اور خوش گزران بیگم تھی +

فن تاریخ سے خاص طور پر دلچسپی رکھتی تھی۔ اور خواجگان چشت کی بے حد معتقد تھی۔ اس نے "مونس الارواح" کے نام سے تذکرہ خواجہ غریب نواز لکھا ہے جس میں آپ کے بعض خلفاء کے حالات بھی ہیں۔ یہ کتاب بتلاتی ہے۔ کہ وہ پایہ کی انشا پرداز تھی۔ جا بجا عربی جملوں کا استعمال اس کی عربی دستگاہ کی دلیل ہے۔ مضامین کی ترتیب، عبارت کی نشست، الفاظ کی تلاش و سوز و نیت بتلاتی ہے

مذکورہ بالا چالیس ستونوں کی وجہ سے یہ عمارتیں "چھل ستون" بھی کہلاتی تھیں۔ سفر کی حالت میں یہ کام پٹاچی کے کام کے ایک بہت بڑے ٹیمے سے جس میں اندر کی طرف مچھلی پٹن کی چھینٹ لگی ہوتی تھی لیا جاتا تھا۔ اور اس خیمہ کو اونچے مقام پر نصب کیا جاتا تھا۔ تاکہ دور سے پہچانا جاسکے۔ اور داؤخا بے روک ٹوک آسانی کے ساتھ حضورِ شاہی میں باریاب ہو سکے۔ خاں صاحب، مولوی محمد اسماعیل خان مرحوم پٹنہر ہیڈ مولوی سنٹرل نارمل اسکول آگرہ نے جو اردو کے ایک بہت بڑے ندمت گزار تھے۔ اور جن کا مدتہ العمر اردو پر احسان رہے گا۔ قلعہ آگرہ کی عبرتناک حالت پر ایک مثنیٰ لکھا تھا۔ یہاں اس کا وہ حصہ جس سے عام وخاص کی موجودہ رقت خیز و عبرت انگیز تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ نقل کیا جاتا ہے۔

وہ قصر معلیٰ کہ جہاں عام تھا دیوار آئینہ منط صاف ہیں جیسے درہ دیوار  
وہ سقطت زرا ندو ہے مانند چین زار وہ فرش ہے مرمر کا مگر چشمہ انوار  
اب بانگ لقیب اس میں نہ چاؤش کی لنگار سر سبک کمر بستہ نہ وہ مجمع حصار  
کہتا ہے کبھی مرکز اقبال تھا میں بھی

ہاں اقبلہ گہ عقلست واجلال تھا میں بھی

جب تک کہ مشیت کو مرا و قرتھا منظور نافذ تھا زمانہ میں مری جاہ کا منشور  
شاہن معاصر کا معین تھا یہ دستور کرتے تھے سفیران ذوی القدر کو مامور  
آمیری زیارت سے کریں چشم کو پر نور آوازہ مری شان کا پہنچا تھا بہت دور  
اکنات جہاں میں تھا مرا و بد بہ طاری  
تسلیم کو جھکتے تھے یہاں ہفت نہاری

وہ چہرہ وہ یہیم وہ سامان کہاں ہیں؟ وہ شان وہ نوٹیں وہ خاٹاں کہاں ہیں؟  
وہ بخشی دوستور وہ دیواں کہاں ہیں؟ خدام ادب اور وہ دربان کہاں ہیں؟  
وہ دولت مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں؟ فیضی و ابوالفضل سے اعیان کہاں ہیں؟  
سنان ہے وہ شاہ نشین آج مدافوس  
ہوتے تھے جہاں خاں و خواہیں نہیں پوس

(تاریخ خانی خان، سفر نامہ برنیہ منترجمہ خلیفہ محمد حسین، تزک اردو مولفہ مولوی محمد اسماعیل خان، ص ۳۰۰-۳۰۱)  
نوٹ نمبر ۱۵۔ انکار خانہ۔ یہ دوبارہ آگرہ میں ہوا تھا۔ اور وہاں کا انکار خانہ عام وخاص کے جانب ہے۔ لیکن دہلی کے انکار خانے کے متعلق برنیہ لکھتا ہے وہ عام وخاص میں جس دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اس پر ایک بڑا بالا خانہ بنا ہوا ہے۔ جس کے دروازے عام وخاص کی طرف ہیں۔ اس میں نفیریاں، فٹناتیں اور انکارے رکھے رہتے ہیں، جو دن اور رات کو اوقات معینہ پر اکٹھے بجائے جاتے ہیں۔ نوادراہل فرنگ کو اس کی آواز نہایت کرمیہ معلوم

اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ بجالانے رہے۔ مثلاً تلوادان یعنی سال شمسی و قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تھا۔ تو بادشاہ سونے چاندی کے ساتھ تلکتا تھا۔ اور وہ سب سونا چاندی مستحقین کو بطور خیرات دے دیا جاتا تھا۔ سال شمسی کا جشن "جشن شمسی" اور سال قمری دالاجن جشن قمری" کہلاتا تھا۔ (دربار اکبری اور حاشی و فائق سیاحت برنیر۔ مترجمہ خلیفہ محمد حسین صاحب)

نوٹ نمبر ۷۔ پریشیا اینڈ دی پرنسین کوشچین = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۸۔ ظفر نامہ = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۹۔ جشن نوروزی۔ دیکھو حاشیہ ۳ صفحہ ۱۲۵ +

نوٹ نمبر ۱۰۔

نوٹ نمبر ۱۱۔ ظفر نامہ = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۱۲ اور ۱۳۔ اسپکی یا اسپک۔ "اسپک" فارسی میں بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک خاص قسم کا شامیانہ تھا جو "دل بادل" بھی کہلاتا تھا۔ اس کا طول مشرق و جنوب اور عرض پینتالیس گز تھا۔ باہر کی طرف اس میں سرخ کپڑا اور اندر کی جانب مچھلی پین (گجرات) کی بنی ہوئی ٹھنڈی چھینٹ لگی ہوتی تھی۔ جس کے رنگ بہت ہی نیر اور شاداب تھے بیل بونے ایسے موزوں بنائے گئے تھے کہ تختہ گلزار کی سیر کا لطف آتا تھا۔ سات سال کے عرصے میں یہ صرف ایک لاکھ روپیہ گجرات میں ہنکرتیا رہتا تھا۔ ۲۲۔ ۲۲ گز اونچی چاندی کی چوبوں پر جن میں سے تین مثل مستیل جہاز اور بھی بلند تھیں تانا جاتا تھا تین ہزار فراش اسے استادہ کیا کرتے تھے۔ بارہ سو گز زمین گھیر لیتا تھا اور دس ہزار آدمی اس کے سائے میں بیٹھ سکتے تھے +

(ظفر نامہ شاجہان، سفر نامہ ڈاکٹر برنیر، غیاث اللغات و برہان قاطع)

نوٹ نمبر ۱۳۔ ایوان چیل سنون۔ شاجہان سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دیار عام کے لئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دعوت اور بارش سے بچاؤ ہو اس لئے شاجہان نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ، لاہور اور برہانپور میں دربار عام کے لئے چالیس چالیس ستونوں کی تین عالیشان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور چونکہ یہی ایک ایسا مقام تھا جہاں رعایا کا ہر ایک تنفس اپنے عرض حال کے لئے باریاب ہو سکتا تھا۔ اس لئے تیار ہونے پر ان کا نام عام و خاص رکھا۔ آگرہ کے عام و خاص کی تیاری پر ابوالباب کلیم نے اس کی تعریف میں یہ رباعی کہی ہے

اپن تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست رفعت حرنے ز زمینہ پایہ اوست

باقیست کہ ہنوتن سبز ش بر دست کاسائش خاص و عام در پایہ اوست

تجائز و نفائس پیش کئے +

نوٹ نمبر ۱ - ظفر نامہ = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲ - سلاطین - جمع سلطان یعنی فرارنواؤ صاحب حکومت لیکن حسب بیان مولانا آزاد دہلوی مرحوم خاندان چغتائیہ کی اصطلاح میں بادشاہ اور ولی عہد کے سوا جو خاندان کے بھائی بند ہوتے تھے "سلاطین" کہلاتے تھے بلکہ مجازاً ایک کو بھی "سلاطین" کہ دیتے تھے۔ (دور بار اکبری) اور وہیں اس قسم کے بہت سے الفاظ مستعمل ہیں۔ جو ہیں تو درحقیقت جمع مگر واحد کے معنی میں آتے ہیں۔ مثلاً نواب کہ جمع نائب ہے۔ میں نے بہوپال میں وہاں کے حکمران خاندان کے ایک رکن کے لئے بھی "اخوان الریاست" (جو درحقیقت جمع ہے) بولتے ہوئے سنا ہے +

نوٹ نمبر ۳ - دربار مغلیہ کا آئین تھا کہ ہر شاہزادے اور رکن سلطنت کا ایک ایک وکیل دربار شاہی میں موجود رہتا اور علاوہ اپنے آقا کو درباری و ضروری خبریں پہنچانے کے جملہ احکام شاہی کی تعمیل اور مراسم دربار کی بجا آوری اپنے آقا کی طرف سے بلوئے مختار کل انجام دیتا تھا +

## ابو طالب کلیم ہمدانی وغیرہ کے قصیدے اور شاہی حوصلہ افزائی

ملک الشعراء، ابو طالب کلیم، ہمدانی نے قصیدہ تمنیت جشن پیش کیا جس کا

مطلع تھا ہے

خجستہ مقدم نوروز و غرہ شوال فشانندہ اندچ گلہائے عیش بہر سال

شاہجہان نے اس قصیدے کے صلے میں کلیم کو روپیہ کے برابر تلوا یا چنانچہ ۵۵ روپے وزن میں آئے اور اسے عطا ہوئے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ شاعر مذکور نے میں تولگیا اور ہوزن طذا اس کو روپیہ انعام ہوا +

شاہد امان سلطان نے جو گھکر کی شاہی نسل سے تھے اور جس نے لقب سلطانی اختیار کر لیا تھا۔ اس موقع پر بادشاہ اور تخت کی مدح میں ایک بہترین مثنوی لکھی اور معقول انعام پایا۔ کسی پنڈت نے کبکٹ لکھکر پیش کی اور اس کا منہ موتیوں سے بھر لیا +

ہوتی ہے۔ جب میں آیا ہی آیا تھا مجھے بھی گراں گزرتی تھی۔ لیکن اب سنتے سنتے کان عاوی ہو گئے ہیں۔ اس کی آواز بہت ہی بھی معلوم ہوتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ رات کے وقت دور سے۔  
رمیر حسن نے اپنی بے مثل شنوی میں کیا خوب کہا ہے۔

سہانی وہ نوبت کی وہیمی صدا کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ  
لفیری جو قرنا کہلاتی ہے نوٹ لمبی ہوتی ہے۔ اس کا قطر ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں  
اور بے یا پیتل کا چھوٹے سے چھوٹا نقارہ چھ فٹ قطر کا ہے۔

**نوٹ نمبر ۱۶**۔ یہاں "امراء" کا لفظ میں نے بڑھایا ہے۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب نے  
درو دیوار اور عمارت گرداگرد خاص و عام کی تزیین کا متکفل صرف شاہزادوں کو لکھا  
ہے۔ لیکن برنیر اور پورنیر جو بذات خود دربار مغلیہ میں عرصے تک رہے ہیں۔ صرف  
امراء کو لکھتے ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ عام و خاص کے گرداگرد جو غلام گردوش تھی۔  
اس کی ایک ایک محراب بڑے بڑے امراء کے سپرد تھی۔ اور ہر ایک کو اس کی مفوضہ  
محراب کے متعلق بادشاہی حکم تھا۔ کہ اسے اس کے متعلقات سمیت اپنے صرف سے  
آراستہ پیارستہ کرے۔ یہ امراء بادشاہ کو خوش کرنے، درباروں کی رونق بڑھانے کے  
لئے آرائش و زیبائش میں اپنی امکانی طاقت خرچ کر دیتے تھے۔ اور ایک دوسرے پر  
فوق لیجائے میں ساعی ہوتے تھے۔ انجام یہ ہوتا تھا کہ مذکورہ بالا غلام گردوش عجائبات  
عالم کا نمونہ بن جایا کرتی تھی۔ عجیب نہیں کہ مثل امراء کے ایک ایک حصہ شاہزادوں  
کے سپرد بھی ہوتا ہو بلکہ یہ امر اس حیثیت سے کہ وہ بھی مناصب و مراتب کی حیثیت سے ذوی اقتدار امراء میں شامل ہوتے ہیں  
نوٹ نمبر ۱۷۔ نظر نامہ شاہجان = ۱۲ +

## سنہ اور محل جلوس اولیں

بادشاہ حجاہ نے بعد فراغ نماز عید الفطر دولت خانہ گھاٹ سے بسواری کشتی  
مینو سواد اکبر آباد میں نزول اجلال فرما کر غرہ شوال المعظم ۱۰۴۴ھ = ۳۔ فروری ۱۶۳۲ء  
کو بروز جمعہ المبارک ٹھیک بارہ بجے دن کے تخت طاؤس پر جلوس فرمایا +

شاہزادوں، سلاطین، راجگان ہمارا جگان ہند، اراکین دولت، عمائدین سلطنت  
اور سفرائے ممالک خارجہ نے بذات خود یا کسی عذر کے باعث بتوسط و کلاء عقیدت مندی  
اطاعت شعاری اور اخلاص مندی کا اظہار کر کے حضور شاہی میں نذریں گزرائیں اور

اور جہاں جہنوم سنگھ ہفت ہزاری اور راجہ مرزا جے سنگھ شہنشاہ ہزاری کر دئے گئے تھے۔ امراء کی تعداد مقرر تھی اور وہ مناسب مراتب ہوتے تھے۔ ان سے کم اور سواروں سے زیادہ رتبہ کے لوگ منصبدار کہلاتے تھے۔ یہ مخصوص معزز درجہ ہوتا تھا۔ اور امراء انہیں میں سے منتخب ہوتے تھے۔ ان کے پاس شاہجان کے عہد سے سوار وغیرہ نہ ہوتے تھے۔ صرف ۵-۶ گھوڑے رکھتے تھے۔ اور بجز بادشاہ کے کسی کے ماتحت نہ ہوتے تھے۔ ان کی تنخواہ ڈیڑھ سو سے سات سو تک ہوتی تھی۔ اور بجلاوات امراء کے غیر معین تعداد میں رہتے تھے +

منصبداروں کے بعد سواروں کا رتبہ تھا۔ جو امراء کے ماتحت ہوتے اور دو قسم پر منقسم تھے۔ (۱) دو اسپہی (۲) ایک اسپہی۔ دو اسپہی کی تنخواہ نسبتاً ایک اسپہی سے زیادہ ہوتی تھی۔ اور گوان کی تنخواہ خزانہ شاہی سے ملتی تھی۔ مگر تنخواہ کی کمی و بیشی وہ جس امیر کے ماتحت ہوتے اس کی سیر چٹھی پر منحصر ہوتی تھی۔ ان کی تنخواہ روزانہ ملتی تھی +

سواروں کے بعد روزینہ داروں کا نمبر تھا۔ یومیہ تنخواہ پاتے تھے۔ اور گوسواروں سے ذرا کم رتبہ شمار ہوتے تھے۔ مگر تنخواہیں بیش قرار پاتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض بعض تو منصبداروں سے زیادہ تنخواہ پانے لگتے تھے۔ یہ بیشمار ہوتے اور عموماً منصفی دانائب منصفی وغیرہ کے عہدوں پر کام کرتے تھے +

ان کے بعد سپہیل کا نمبر تھا۔ یہ سب سے کم تنخواہ والے تھے۔ یا عہد پاتے تھے۔ کولہ اندازوں کی تنخواہ بہت ہوتی تھی۔ خصوصاً ڈیچ، پرتگالی، جرمنی اور فرانسیسی یعنی اہل مغرب کی۔ پہلے یہ کئی کئی سو ماہ نہ پاتے تھے مگر بعد میں سے سے زیادہ کسی کو نہ ملتا تھا +

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دربار مغلیہ کا دستور تھا کہ جب تک امراء کی طرح شہزادے کسی عہد وغیرہ پر مامور نہ ہوتے تھے ان کو کوئی مرتبہ یا منصب نہ ملتا تھا۔ بلکہ ان کے ذاتی اخراجات کے لئے انہیں روزانہ ایک معقول و معینہ رقم دی جاتی تھی جیسے کہ شاہزادہ مراد بخش کو پانسو روپیہ روز ملتا تھا۔ (ماخوذ از حواشی موقائع سیاحت بربر) مترجمہ خلیفہ محمد حسین صاحب = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲۔ سیر المتاخرین = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۱ - نذرنامہ شاہجہان = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲ - قاموس المشاہیر = ۱۲ + نوٹ نمبر ۳ - قصص ہند آزاد +

## شاہجہان کی ایک غیر معمولی عنایت

یحییٰ الدولہ، آصف خان کو خانخانانی و سپہ سالاری کے خطاب و مراتب عطا ہوئے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ خود بدولت خان موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جو حد درجہ کی عزت افزائی تھی +

یہ نشانہ، سالانہ جشن نوروزی جو بادشاہ کی آٹھویں سالگرہ تاجپوشی کی یادگار رہی تھا، دس دن تک منایا گیا۔ اور اس مدت وہ روزہ میں ایک ہزار خلعت اور لاکھوں روپیہ نقد شاہزادوں، بیگمات، امراء، عمائدین، سفراء اور سیاحین کو مرحمت ہوا +

نوٹ نمبر ۱ - مراتب و مناصب مغلوں کے عہد میں ملازمین و امراء کے درجہ اور ان کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً تغیر تبدیل ہوتا رہا۔ عموماً امراء کا منصب ہزاری سے ہفت ہزاری، نہ ہزاری وہ ہزاری اور دو ازہ ہزاری تک ہوا کرتا تھا۔ تنخواہ کا اندازہ سواروں کے شمار اور گھوڑوں کی تعداد پر ہوتا تھا۔ عموماً ہر سوار کو دو گھوڑے رکھنا پڑتے تھے۔ آئین اکبری سے واضح ہوتا ہے کہ امراء اور منصبداروں کو اپنے منصب کے اندازے سے گھوڑے، یا بونہشتی، اونٹ، خچر، چھکڑے اور گاڑیوں کی مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی، چنانچہ پنجہزاری امیر کو ۲۲ گھوڑے اور یا بونہشتی، ۱۰۰ اونٹ، ۲۰ خچر، ۱۰ چھکڑے اور گاڑیاں ان کے خرچ خوراک وغیرہ کے لئے پنجہزاری امیر کو (علاوہ تنخواہ فوج کے جو اس کو رکھنا پڑتی تھی) تیس ہزار (۱۳۰۰۰) روپیہ سرکار شاہی سے ملتا تھا +

شاہجہان نے اپنے عہد میں بست ہزاری تک کا منصب قائم کر دیا تھا۔ جس پر داراشکوہ ممتاز تھا +

ہفت ہزاری کے منصب سے زیادہ عموماً کسی کو نہ ملتا تھا۔ اور اس پر بھی ایک وقت میں بقول خانی خان ۴ امراء سے زیادہ فائز نہ ہوتے تھے۔ آصف خان کو بھی بعد غیر معمولی عنایت کے نہ ہزاری منصب عنایت کیا گیا تھا +

ہندہ امراء کی حد ترقی (جن کو آجکل کی اصطلاح میں "نیٹو" کہتے ہیں) شاہجہان کے دوسرے وہ سال تک پنجہزاری سے زیادہ نہ تھی۔ مگر آخر میں یہ حد توڑ دی گئی تھی۔

# حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے لئے شاہی نذرانہ ”گل محمدی“

اس پسرست موق پر نذر نواز بادشاہ کا ایک مخصوص نذرانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ ایک گلکار، طمانی، مرصع اور بے عدیل قندیل تھی۔ موسومہ ”گل محمدی“ جو روضہ مطہرہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر آویزاں کرنے کے لئے مدینہ طیبہ کو بھیجی گئی تھی۔ خصوصیت ذکر کی وجہ یہ کہ اس سے بھی شاہجہان کے حسن مذاق، اس کی سلیم الطبعی اور ندرت پسندی اور نہ محض ندرت پسندی بلکہ نکتہ نوازی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اہل نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ کس طرح بات بات میں شاہجہان کی طبیعت اعجوبہ روزگار لطائف پیدا کر دیتی تھی۔ اور اس کے بعد ہمیں کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں دکھائی نہیں دیتی کہ تخت طاؤس یا تاج محل کے متعلق بیان کریں کہ ان کی ترتیب وضع کا خاکہ شاہجہان کی فکر کا نتیجہ تھا۔

گل محمدی - ۱۶۵۷ء - ۱۶۵۸ء جلوس میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ قطب الملک (والی گولکنڈہ) کے تعلقہ ”سورت“ میں کسی کان سے ۱۸۰ (ایک صد اسی) رتی وزنی ایک تار تراشیدہ الماس برآمد ہوا ہے۔ حکم ہوا کہ قطب الملک کو لکھا جائے ”الماس مذکور کی قیمت وجہ مقرری (خراج) میں مجرا دے کر حضور میں بھیج دے“ فرمان شاہی کے پہنچنے سے پہلے قطب الملک اس الماس کو الماس تراش کے حوالہ کر چکا تھا۔ اور وہ دس رتی تراش بھی چکا تھا۔ فرمان شاہی کے پہنچنے ہی اس نے اسے بجنسہ روانہ کر دیا۔

## تخت طاؤس کا دہلی پہنچنا

۱۱۶۱ھ = ۱۷۵۷ء جلوس میں دارالسلطنت اگرہ سے دہلی (شاہجہاں آباد) منتقل ہوا۔ اور تخت طاؤس بھی وہیں گیا۔ گو دلی پہنچ کر ایک اور بھی مرصع تخت بنوایا گیا تھا۔ اور عام طور پر بادشاہ اسی پر رونق افروز ہوا کرتا تھا۔ لیکن خاص خاص مواقع بالخصوص سالانہ جشن سالگرہ تاجپوشی کے موقع پر تخت طاؤس ہی زمین دربار ہوا کرتا تھا۔

مولانا آزاد دہلوی مرحوم نے آبادی جہاں آباد، قلعہ معلیٰ کے افتتاحی دربار اور سالانہ جشن کا قصہ جس دلچسپ پیراے میں بیان کیا ہے اسے ہم نقل کر آئے ہیں تکرار بیان کی ضرورت نہیں (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۶۰-۶۲)

یہ جشن ددربار ۲۴۔ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو = ۱۷۵۷ء جلوس میں بروز شنبہ منعقد ہوا۔ حسب دستور حشمیہ شاہی میں ہش ہانڈریں گزریں، منجملہ ان کے بارہ لاکھ روپیہ کی تو صرف جنس ہی تھی۔ جس نے شرف قبولیت پایا۔ دریائے کرم شاہی جوش میں آیا، اور ہر ایک علیٰ قدر مراتب مالامال ہو گیا۔ میری بھائی کا شئی کو اس صلہ میں کہ اس نے عمارت و آبادی شاہجہاں آباد کی تاریخ لکھی تھی۔

شد شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد

معتول انعام دیا گیا +

نوٹ نمبر ۱۔ ہسٹری آف جہانگیر مصنفہ بی بی پرتوا ایم۔ اے اور تاریخ ہند اسمتھ = ۱۶ +

نوٹ نمبر ۲۔ استخراج از جہاں آرا۔ مصنفہ کلیم +

نوٹ نمبر ۳۔ لیٹر مغل ولیم اردن = ۱۶ +

نوٹ نمبر ۴۔ ظفر نامہ۔ سیر = ۱۶ + نوٹ نمبر ۵۔ سیر = ۱۶ +

مستحقین مکہ معظمہ کو اور پچاس ہزار روپیہ کے سامان کی نقدی منافع سمیت  
ارباب استحقاق مدینہ طیبہ کو تقسیم کرے" \*

ہم صاحب میسر کی رائے سے اس لئے متفق ہیں کہ اس کے بیان کے مطابق ہر وہ  
مقامات مقدسہ کے اہل استحقاق کی امداد ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ ممکن نہیں کہ  
بادشاہ خانہ خدا کے ہمسایوں کی خدمتگزاری کرتا۔ اور جو اہل رسول کے باشندگان  
کو نظر انداز کر جاتا \*

## شاہان مغلیہ عملاً حاصل خیال تجارت تھے

شاہجہاں کا سامان بھیجکر اس کی فروختگی حصول منفعت زرِ اصل و نفع کے  
تقسیم کی بدایت کرنا یہ ایسے امور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ  
بھی تجارتی خیالات سے پرتے \*

## شاہجہاں کی معزولی و نظر بندی

دنیا دار الکافات ہے، بیک گردش چرخ نیلوفری خود صاحبقران ثانی تیس  
برس حکومت کرنے کے بعد تقریباً سترھ برس کی عمر میں ۲۱۔ رمضان المبارک ۱۰۳۷ھ  
کو اپنے منجھلے بیٹے اور نگریب عالمگیر کے ہاتھوں "مصالح ملکی" کا شکار ہو کر قلعہ آگرہ  
میں نظر بند اور منصب حکومت سے معزول و محروم ہو گیا۔ اس پر عبرت واقع کی تاریخ  
عاقل خان نے جو ایک مشہور و معروف مورخ و تاریخ گو ہوا ہے و اعتبار و یا اول الابصار  
میں پائی۔ سچ ہے ۷

دارا رانا نے جم نہ سکا درسا بادشاہ تختِ زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے (آتش)

نوٹ نمبر ۱۔ سیر اورنگ زیب سرکار۔ وقایع برنیہ ۱۲۰

نوٹ نمبر ۲۔ حاشی و تاریخ سیارستان برنیہ تہذیبیہ محمد حسین صاحب کو تاریخ عاقل خان و صاحب عمل مصالح ۱۲۰

حضور میں پہنچ کر ستر (۷۰) رتی اور تراشا گیا۔ اور اب ستر رتی بے جرم، شفاف و عالی  
 از عیب باقی رہا۔ جس کی قیمت  $\frac{1}{4}$  لاکھ روپیہ آنگنی گئی اور بیس ہزار روپیہ اس کے  
 ریزہ اے تراشیدہ کی۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً ایک دن ایک شمامہ عنبر نذر گزارا جو قندیل نما  
 ستر (۷۰) تولہ وزنی اور دس ہزار روپیہ قیمت کا تھا۔ بادشاہ نے اس شمامہ کو طلا میں  
 مشبک کرا کے انواع اقسام کے جواہرات مع اس ستر رتی الماس اور اس کے ریزوں  
 کے اُس پر جڑوا دئے۔ اس طرح یہ قندیل  $\frac{1}{4}$  لاکھ روپیہ میں تیار ہوئی اور چونکہ اس  
 کی گلکاری خوب اور بہت ہی دیدہ زیب تھی۔ لہذا اس نام سے موسوم ہوئی +  
 قندیل مذکورہ بالا کے ساتھ بقول صاحب ظفر نامہ پچھتر ہزار روپیہ نقد اور پچھتر  
 ہزار روپیہ کی جنس احمد آباد سے خرید کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو سید احمد سعید  
 کے ہاتھ روانہ کی۔ اجناس مذکورہ وہ چند قیمت کو بکتی تھیں لہذا حکم ہوا کہ شریف مکہ  
 کو نقد و جنس پچاس ہزار روپیہ کی دے اور بقیہ روپیہ مساکین و مستحقین پر تقسیم  
 کر دے۔ قندیل کو روضہ منورہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم میں  
 آویزاں کر دئے +

نوٹ نمبر ۲ و ۳ - سیر و ظفر نامہ - ۱۲ +

## صاحب ظفر نامہ کے ایک قول کی تنقید

ترزیل نقد و جنس میں صاحب ظفر نامہ شاہجہاں اور صاحب سیر المتاخرین  
 کے مابین قدرے اختلاف ہے۔ صاحب سیر کا بیان یہ ہے :-

حکم ہوا کہ متصدیان گجرات ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کا سامان خرید کر  
 اس (سید موصوف) کے حوالہ کریں۔ تاکہ وہ اس میں سے پچاس ہزار کا سامان  
 مع منافع شریف مکہ کو دے اور ساٹھ ہزار کی جنس فروخت کر کے مع منافع

نوٹ نمبر ۳۔ عالمگیر نامہ دسیر = ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۴ و ۵۔ حواشی و قائلہ سیاحت برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین صاحب = ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۶ و ۸۔ عالمگیر جس وقت اورنگزیب نے دارا شکوہ کی فوج کو محاد پور عرف سموگڑھ  
 کے مقام پر سب سے پہلی شکست دینے کے بعد اگرہ کے قریب باغ نور منزل عرف باغ ڈبترہ  
 پر قیام کیا۔ اور باپ بیٹوں میں خط و کتابت شروع ہوئی ہے۔ تو شاہجہان نے اس کو ترغیب  
 و ترغیب کر کے اپنی خدمت میں حاضری پر آمادہ کرنا شروع کیا اور بقول عاقل خاں و صاحب عمل  
 صالح و ہنیر بھی ہو گیا تو دوسرے دن بادشاہ نے بطور انعام خوشنودی مزاج اس کو عمرہ اور  
 نفیس اشیاء بھیجیں۔ سچلہ ان کے ایک تلوار موسومہ ”عالمگیر“ بھی تھی۔ امرار نے اورنگزیب  
 کو بادشاہ کی طرف سے خوفزدہ اور غیر مطمئن کر کے بنائے سے روکا اور اس تلوار کو فال نیک  
 بتلایا ۱۳ آنکہ اس نے تخت نشینی کے وقت اس لفظ کو اپنے اقتاب شاہی کا ایک جزو  
 بنایا۔ (از حواشی سفر نامہ برنیر مترجمہ خلیفہ سید محمد حسین صاحب صفحہ ۱۲۲-۱۲۵)  
 نوٹ نمبر ۷۔ ۹۔ حواشی ”وقائلہ سیاحت برنیر“ مترجمہ خلیفہ محمد حسین دسیر = ۱۲ +

## ایک روایت

روایت: کہتے ہیں کہ جب خطیب دستور کے موافق دوران خطبہ خوانی اورنگزیب  
 کے بزرگوں میں سے کسی کو جنت آشیانی اور کسی کو خلد مکانی وغیرہ وغیرہ کہہ گئے  
 لگا اور جہانگیر کے نام پر پہنچا تو اورنگزیب نے اپنی خلقی دانائی اور فطری فراست سے  
 معلوم کیا کہ یہ اس امر میں حیران ہے کہ جیتے جاگتے شاہجہاں کا نام کیا کہ کرے، فوراً  
 قیدی باپ کے حسب حال لقب لطیف تجویز کر کے خطیب سے کہا ”بگو اتانک تاج و پھیم  
 ثانی سلطان ابراہیم، شہاب الدین محمد شاہجہاں، بادشاہ غازی صاحبقران ثانی“  
 اس روایت کے متعلق خلیفہ محمد حسین صاحب نے صفحہ ۱۶۹ حواشی و قائلہ حیات  
 برنیر مترجمہ خود میں تحریر فرمایا ہے۔

”اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں دیکھا نہیں گیا مگر مشورہ ہے“

کچھ تعجب بھی نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخالفین اورنگزیب نے اپنی بہت طرازی

## جلوس عالمگیری

گواورنگ زیب کی سرسری و رسمی تاجپوشی کی تقریب باغ اعزاز آباد عن شالامار میں جو شاہجہاں آباد (دہلی) کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا، یکم ذیقعد ۱۰۶۷ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۶۵۷ء کو جمعہ کے دن عمل میں آچکی تھی، لیکن چونکہ بھائیوں کی طرف سے اطمینان کلی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ایک شاندار دربار جشن، تعیین لقب، اجرائے خطبہ و سگہ وغیرہ کے لوازمات شاہی ہیں صورت پذیر نہ ہوئے تھے۔ بھائیوں کے استیصال کے بعد ہر طرف سے مطمئن ہو کر بروز دو شنبہ ۲۲۔ رمضان ۱۰۶۷ھ مطابق ۵ جون ۱۶۵۷ء کو قلعہ دہلی (جس میں یہ اب تک داخل نہیں ہوا تھا) میں نجومیوں کے قراردادہ صورت کے موافق بعمر ۲۰ سال، ۱۳ ماہ ۱۳ دن بحساب شمسی (۴۱ سال ۲ ماہ ۱۰ دن بحساب قمری) بڑے کرد فر کے ساتھ تخت طاؤس پر دوبارہ باقاعدہ جلوس کیا گیا۔ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر، عالمگیر فازی، لقب قرار پایا۔ ملا عزیز اللہ خلیفہ ملا محمد تقی مجلسی اصفہانی نے آیتہ کلام اللہ ان الملک اللہ یوتیہ من یشاء کے حروف ملفوظی سے تاریخ جلوس نکالی، جسے حقیقتاً القاسم ربانی والہام غیبی سمجھنا چاہئے۔ سکھ سخن نواز اور سخن سنج بادشاہ نے خود کہا ہے

سکہ زود در جہاں چو مہر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

اور بے ادبی کے خیال سے سکے میں کلمہ طیبہ اور خلفائے اربعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہم) کے اسماء مبارک کی بجائے سوئے اور چاندی کی مناسبت سے باختلاف لفظ "بدر" و مہر کا ٹھپہ ہونا تجویز ہوا +

نوٹ نمبر ۲۰ - اورنگ زیب سرکار۔ حاشی سفر نامہ برنیہ مترجمہ خلیفہ محمد حسین صاحب مستخرج از تاریخ فاضل و عمل صالح و حاشیہ مترجم انگریزی سفر نامہ برنیہ (مشرکہ گنگ برک) جو اللہ تاریخ ہندوستان مصنفہ کرنل ڈو = ۱۲ +

صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف چاندی کی پتیوں سے مندرے ہوئے کٹھرے سے گھرا ہوا تھا۔ اور چوبیس بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جن میں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اس عالی شان خیمے کے باہر کی طرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب مچھلی پٹن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی۔ جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جس کے بیل بوٹے ایسے موزوں اور رنگ ایسے تیز و شاداب تھے کہ ایک ننختہ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امراء کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گروہ کی ایک ایک محراب کی زیبائش و آرائش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں۔ اس لئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنے کے خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر ان کی زیب و زینت میں کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام درو دیوار سر سے پاؤں تک کنخواب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہو گیا +

جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اس کے بعد اکثر امراء بڑے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوں میں جن کے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے۔ تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہ دیکھ کر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گذشتہ کی یہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے، تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی۔ اس قسم کے جشن ہر سال ہوتے ہیں۔ لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا اور نہ اس قدر کبھی خرچ ہوا +

نوٹ نمبر ۱۔ - واقعہ سیاحت برنیر = ۱۲ +

کا ثبوت دیا ہو ۛ

یہ دربار بڑا ہی شاندار دربار تھا۔ پر نیر نے اس دربار کو دیکھا تھا۔ اس نے جو چشم دید کیفیت اپنے وقائع سیاحت میں قلمبند کی ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت و مرعوب ہو گیا ہے۔ وہ اس کیفیت کو لکھنا چاہتا ہے مگر ڈھونڈے لفظ نہیں ملتے۔ اور ہے بھی یہ کہ شاہان مغلیہ کے جشنوں اور درباروں میں یہ جشن و دربار اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ جس میں اکبری جاہ و جلال، جہانگیر می عیش و عشرت، شاہجہانی نفاست اور عطا یا ذوال کی مجموعی جھلک پائی جاتی تھی۔ ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے :-

”وہ بڑا جشن جو لٹائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا۔ اور جس سے بڑھ کر کوئی تماشائی نے اپنی عمر میں کبھی نہیں دیکھا۔ اس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مرصع تخت (تخت طاؤس) پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جس پر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا۔ اور زری کارسندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا۔ جس میں ایک پھلراج ایسا تھا جو لٹائی کہا جاسکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا۔ اور بڑے بڑے موتیوں کا لٹھا گلے میں تھا۔ جو ہندوؤں کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا +

تخت کے نیچے کے چوڑے پر جس کے گرد چاندی کا کٹرا لگا ہوا اور اوپر زری کی جھانر کا ایک پر زرو وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اہر اہر نہایت مکلف پوشائیں پہنے کھڑے تھے۔ مکان کے ستون زربفت سے مندرجے ہوئے، ریشمی مشجر کے شامیانے جن میں ریشم اور زری کے پھندے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمین تالین بچھے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے ”اسپاک“ کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اس کی چھت کے ساتھ ملا کر لگا یا تھا جو

اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور وہ جواہرات اس (شاہجہاں) سے لے کر اپنی تحویل میں رکھ لئے۔

آخر کار شاہجہاں نے اورنگ زیب (عالمگیر) کی خدمت گزاری سے خوشنود ہو کر اس کا قصور نہ صرف زبانی ہی معاف کیا۔ بلکہ توفیق معافی لکھدی تھی۔ بیٹے کو امیر سلطنت میں مشورہ بھی دے دیا کرتا تھا۔ جہاں زیب بانو بنت دارا شکوہ کا عقد بھی محمد اعظم الخطاب بہ عالیجاہ کے ساتھ کر دیا تھا، جس کے متعلق پہلے بڑے شد و مد کے ساتھ انکار کر چکا تھا۔ اور اورنگ زیب کے مطلوبہ جواہرات میں سے کچھ جواہر بھی اسے دے دئے تھے۔ بقول برنیہ علاوہ ان تمام امور کے ”اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کر دی تھی“

نوٹ نمبر ۱۔ سفر نامہ برنیہ اور ”جہاں آرا“ = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۲۔ جہاں آرا = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۳۔ آثار الامراء = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۴۔ سفر نامہ برنیہ = ۱۲ +

نوٹ نمبر ۵۔ جہاں زیب بانو بیگم۔ دارا شکوہ کی بیٹی تھی۔ جب وہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد محل سرا میں لائی گئی تو شاہجہاں اور جہاں آرا بیگم نے اس کی بڑی دلدہی و غمخواری کی۔ اور بہت محبت و شفقت سے پرورش کرنا شروع کیا۔ آخر کار بیگم صاحب نے اس کو اپنی بیٹی بنا کر مقبض کر لیا +

جب یہ شہزادی عالم شباب کو پہنچی تو عالمگیر نے خواہش کی کہ وہ محمد اعظم الخطاب بہ عالیجاہ کو بیاہ دی جائے۔ لیکن شاہجہاں اور بیگم صاحب نے جو اس کے اصلی سرپرست تھے شد و مد کے ساتھ اس امر کی مخالفت کی۔ خود ستم رسیدہ جہاں زیب نے جب سنا تو کہا ”میں اس ظالم کے لڑکے سے جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے بہرگز شادی کرنے پر رضامند نہیں“ مگر بادشاہ وقت کی مخالفت کہاں تک چل سکتی تھی۔ آخر کار جہاں آرا بیگم اور شاہجہاں دونوں رضامند ہو گئے۔ اور ۱۶۵۷ء میں شادی ہو گئی۔ بزم شادی بیگم صاحب کے دولت خانہ پر منعقد ہوئی۔ بیگم صاحب نے اس تقریب میں اعلیٰ درجے کا انتظام کیا تھا۔ اور سولہ لاکھ (۱۶۰۰۰۰) روپیہ اپنی جیب خاص سے صرف کر ڈالا تھا +

## اورنگ زیب کا قصد ترمیم مکرر تخت طاؤس

قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ تو وہ اپنے پیشرو کے نظام میں تھوڑا بہت تغیر و تبدل ضرور کیا کرتا ہے۔ چنانچہ عالمگیر نے بھی زمام حکومت ہاتھ میں لے کر کاروبار سلطنت میں ترمیم و ترمیم مکرر شروع کی۔ اسی سلسلے میں اس نے تخت طاؤس کے کام میں بھی کچھ رو د بدل کرنا چاہا۔

## ارادہ ترمیم مکرر پر شاہجہاں کی ناراضی

اور

## عطائے جواہرات سے انکار

بہت ممکن اور قرین قیاس ہے کہ اس معاملہ میں اورنگ زیب کی یہ مصلحت بھی ہو کہ اس بہانے سے مقید بادشاہ کے قبضے میں جو بہت سے بیش قیمت اور یکتائے روزگار جواہرات موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ جواہر ہاتھ آجائیں۔ لہذا طلب جواہرات کے متعلق باپ کے پاس پیام بھی بھیجا۔ قیدی بادشاہ اس زمانہ میں فرمانروا بیٹے سے بیحد برہم تھا۔ اس نے نہایت غضبناک ہو کر کہلا بھیجا "اورنگ زیب! دیکھ! ادا نائی و انصاف سے سلطنت کا کام کرتا رہ، تخت کے معاملہ میں ہرگز ہرگز دخل مت دیجیو!! اگر جواہرات کے متعلق تو نے دوبارہ ستایا تو یاد رکھیو ان سب کو کوٹ کر چور کرادو لگا!!"

ٹیورنیر نے تو یہ بھی لکھا ہے "غصے میں آ کر شاہجہاں نے یہ چاہا تھا کہ تمام جواہرات کو پسوا ڈالے۔ لیکن بیگم صاحب (جہاں آراء بیگم) نے سمجھا بچھا کر اسے

اوائس عمدہ حکومت میں اپنی اہمیت کے زیر اہتمام اس تخت پر کچھ اور جواہرات وغیرہ جڑوا کر لیں صاحب اثر الامراء  
 پر لے تھینے کے مافق تخت مذکور کی قیمت ایک کروڑ روپیہ سے بڑھادی +  
 نوٹ نمبر ۱۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ باوجود تلاش بسیار اس شخص کے مزید حالات کی اطلاع نہ ہوئی

## تجنینہ ٹیورنیر کی صحت کی دلیل مزید

چونکہ ٹیورنیر نے تخت طاؤس کو بعد تر صیح مزید دیکھا تھا، اس لئے بھی بمقابلہ  
 دوسرے مورخین و سیاحان ماسبق کے ہماری رائے میں اس کا اندازہ مصارت زیادہ  
 و قیح، قابل ترجیح اور قرین صحت ہے +

”کوہ نور تخت طاؤس کے مور کی آنکھ میں تعبیت تھایا نہیں؟“

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا (مطبوعہ و منشورہ لندن) کی اشاعت جدید میں ڈاکٹر ڈالاس  
 کے بیان میں ”کوہ نور“ کی مختصر تاریخ دینے ہوئے لکھا ہے :-

اورنگ زیب نے اس کو تخت طاؤس کے مور کی آنکھ میں جڑوا دیا تھا۔

رسالہ حسن حیدرآباد و دکن کی جلد چہارم نمبر ۱۱ میں مولانا نعمانی نے حقیقت الاماس  
 کے عنوان سے ایک قابل قدر علمی و تاریخی مقالہ سپرد قلم کرتے ہوئے تذکرہ کوہ نور کے  
 ضمن میں تحریر کیا ہے :-

”اورنگ زیب کے پر رعب زمانہ میں مسٹر ٹیورنیر ایک فرانسیسی مشہور

سیاح نے ۲۔ نومبر ۱۶۶۵ء کو دوسرے شاہی جواہرات اور قیمتی اشیاء کے

ساتھ کوہ نور کے دیکھنے کی بھی عزت حاصل کی تھی۔ اس سے پہلے کسی یورپین

آنکھ کو کوہ نور کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ یہ گویا اورنگ زیب کی ایک

غیر معمولی عنایت تھی جو اس نے ٹیورنیر کو ہاتھ میں لے کر کوہ نور کو دیکھنے اور

۴۔ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ میں جہاں زریب بانو کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو بیدار بخت کے نام سے مشہور ہوا۔ ۵۔ جمادی الاول ۱۰۰۰ھ میں دوسرا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سکندر شاہ رکھا گیا۔ لیکن اس نے ۱۰۰۰ھ میں ماں باپ کو داغ جدا کر دیا۔

دکن میں تھی کہ ۱۰۰۰ھ میں اس کی پستان کی جڑ میں ایک دانہ پیدا ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ کیا گیا۔ لیکن فائدہ نہ ہوا۔ ضخامت اور سوزش دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی۔ ایک ڈاکٹر طلب کیا گیا اس نے ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ جو دارا بخشہ میں موجود تھی بلانے کا مشورہ دیا۔ تاکہ اس کی مدد سے علاج کرے۔ حسب الطلب لیڈی ڈاکٹر پہنچی۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ وہ شراب پیتی ہے بیگم موصوفتہ الصدر نے باوجودیکہ اسے بہت سمجھایا بچھا یا گیا۔ گوارا نہ کیا کہ وہ اس کے جسم کو ہاتھ لگائے اور اسی وجہ سے اس ڈاکٹر کا علاج نہ ہو سکا۔

وہ دو سال تک علیل رہ کر ۱۰۰۰ھ ذیقعدہ ۱۰۰۰ھ کو حیدرآباد میں رہ کر اسے عالم باقی ہوئی۔ لاش حیدرآباد سے منتقل ہو کر دہلی لائی گئی۔ جہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اسے جواریں دفن کی گئی۔ دو لاکھ روپیہ انتقال نعش، خیرات اور تجویز و تکفین میں خرچ ہوا۔ جہاں زریب بانو بیگم نہایت درجہ حسین ماہ سپر اور نازک مزاج شاہزادی تھی۔ ساتھ ہی اس کے نہایت دلیر اور بہادر عورت۔ صفت بہادری میں اس خاندان کی کوئی عورت اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ وہ محمد اعظم کے ساتھ اکثر لڑائیوں کے موقعوں پر ہمراہ رہا کرتی تھی۔ اور نازک ترین مواقع پر اپنی فوج کو مدد دیا کرتی تھی۔ ۱۰۰۰ھ میں جب سرداران بیجا پور نے محمد اعظم کا کئی ہزار سواروں سے محاصرہ کیا ہے تو شاہی فوج کی یہ حالت دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکی۔ اور فوراً شیراندازی شروع کر دی۔ اس طرح اس بہادر عورت نے غنیم کے لشکر کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اسی کے ساتھ چھ امراء بد دل ہو رہے تھے ان کی دُحار سے بھی بندھانی جاری تھی۔ اس کی یہ پامردی بروقت بہت مفید ثابت ہوئی۔ (ماخوذ از جہاں آراء) ۱۲ +

## ترصیح مزید

صریحی طور پر تحقیق نہ ہو سکا کہ اورنگ زریب نے ان جواہرات کے حاصل ہونے سے قبل تخت طاؤس پر ترصیح مزید کرائی یا بعد میں لیکن یہ امر محقق ہے کہ اس نے اپنے

والادیونہ تھا +

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کے سوا کسی اور کتاب میں یہ امر نظر سے نہیں گزرا، اگر اس کی کچھ اصلیت ہوتی تو عالمگیر نامہ اور سیر المتاخرین میں سے کسی ایک میں اس کا تھوڑا بہت تذکرہ ضرور ہوتا اور اگر ان کے مصنفین بھی غصہ بصر کر جاتے تو کم از کم صاحب "ماثر الامراء" کو جس نے تصحیح مکرر پر روشنی ڈالنے میں اہتمام کیا ہے۔ اس اہم واقعہ کے قلمبند کرنے میں اعراض نہ ہوتا، علی الخصوص ڈاکٹر برنیو اور نگرنب کے ابتدائی دور حکومت میں عرصے تک اس کا طبیب خاص اور درباری رہا ہے کچھ نہ کچھ اس کے متعلق ضرور لکھتا۔ کیونکہ اس نے اپنے سفر نامہ میں اپنے زمانہ موجودگی کی اورنگ زیبی ترسیم و تفسیح پر برابر تبصرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض بعض مورخین محققین کے بیانات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کوہ نور وغیرہ جیسے نادر جواہرات شاہجہاں کے حین حیات خود اسی کے قبضہ میں رہے اور اورنگ زیب کو اس کی وفات کے بعد ہاتھ آئے۔ چنانچہ کتاب جہاں آرا کے مصنف نے لکھا ہے :-

جب شاہجہاں کا انتقال ہوا اور عالمگیر برسم تعزیت بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوفہ نے ایک طشت زرین پیش کیا جو گرانہا جواہرات سے مملو تھا۔ اس میں اکثر وہ جواہرات تھے جن پر شاہجہاں کو ناز تھا +

ایسی صورت میں اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ اورنگ زیب نے شاہجہاں کی وفات کے بعد کوہ نور کو تخت طاؤس کے مور کی آنکھ میں جڑوا دیا تھا اور وہ اس طرح تعبیر کیا گیا تھا کہ باسانی نکال بھی جاسکتا تھا اور مسطورہ بالا اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لیں تب بھی چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کی تخریر صحیح ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ شاہجہاں نے ۱۶۶۶ء میں رحلت کی ہے اور نیورنبرگ کو ۱۶۶۵ء میں چغتائی نوادرو عجائبات کی سیر کا موقع ملا ہے +

تولنے کا موقع دیا"۔

مولانا تمنائی کے بیان سے فی الجملہ چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر کوہ نور تخت مذکور کے طاؤس کی آنکھ میں تعبیه ہوتا تو بیورنیر کو اُسے تولنے کا موقع نہ ملتا۔ ادھر ہماری تحقیقات کے مطابق (جو ایجوکیشنل گزٹ، لکھنؤ، یابت جنوری، فروری ۱۹۲۵ء میں بہ عنوان الماس شائع ہوئی اور) جسکی تائید مذکورہ بالا انسائیکلو پیڈیا سے بھی ہوتی ہے کوہ نور اور مغل اعظم نامی ہیروں کے حالات کو اکثر مورخین نے اس بری طرح خلط ملط کیا ہے۔ کہ ایک دوسرے میں فرق و تمیز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ بیورنیر نے کوہ نور کو تولنا تھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس نے مغل اعظم کو تولنا تھا، جس سے مولانا تمنائی کے بیان کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کا یہ بیان بھی کہ کوہ نور کو اورنگ زیب نے تخت طاؤس کے مور کی آنکھ میں جڑوا دیا تھا۔ واقعات کے خلاف اور صحت سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ مور دو نہ تھے بلکہ ایک تھا۔ اور یہ امر جمہور مورخین کے خلاف ہے۔ اگر مور بھی ایک ہی فرض کر لیا جائے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مغل بادشاہ جس کو اپنی خاندانی رسم اور اپنے عہد کے مروجہ طرز عمارت کو مد نظر رکھتے ہوئے پابند نظیر ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ پسند کرتا کہ مور کی ایک آنکھ تو کوہ نور سے منور ہو جائے اور دوسری بے نور رہے اور اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ دوسری آنکھ میں بھی الماس مذکور کے قد و قامت، وضع قطع اور رنگ روپ کے ہم مثل ایک دوسرا ہیرا لگا کر دونوں آنکھیں روشن کر دی گئی تھیں تب بھی مور کے جتنے اور اس کے تناسب و موزونیت کا خیال کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کا ۱۸۶ ۱/۴ (یا ۱۸۶ ۱/۴) قیراط وزنی ہیروں کا تحمل ہونا اور ان سے اس کے حسن و خوبصورتی میں فرق نہ آنا قرین عقل نہیں کیونکہ وہ طاؤس یونانی شرافیات کا کوئی بڑے بڑے دیدوں

کر سک سک کر وقت کی آخری گھڑیاں ختم ہوتی ہیں۔ اور یہ مجبور یوں کا نشانکار  
 و نیزنگی عالم کا مجسمہ تارک اورنگ و دیہیم ثانی ابراہیم اس گوشہ مگنما می میں ۲۶۔ جب اہل  
 شہدہ = ۶۶۶ء کو اپنی رفیقہ حیات ممتاز محل کے مقبرے پر آنکھیں جمائے ہوئے  
 ایک آخری سانس لیتا ہے اور رخصت ہو جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
 مرزا محمد کاظم (صاحب "عالمگیر نامہ") نے اس پر عبرت واقعہ کی ایک معنی خیز تاریخ  
 کہی جو یہ ہے۔

چوں نشا ہجماں خدیوقدسی ملکات برضاست بعزم عقبی از نخت حیات  
 جستم از عقل سال تارخیش گفتا خردم "نشا ہجماں" کرد و فات

## اورنگ زیب کا آگرہ آنا اور بہن کے ساتھ ہمدردی

اورنگ زیب نے جس وقت دہلی میں باپ کے مرنے کی خبر سنی تو اس زور سے  
 ڈھاڑیں مار مار کر رویا کہ تمام سامعین و اہل دربار کے دل بھر آئے اور فوراً آگرہ کی طرف  
 روانہ ہو گیا۔ جہاں آرا بیگم نے اس کی آمد آمد کی خبر پا کر بڑی سرگرمی کے ساتھ استقبال  
 کا اہتمام کیا، تمام قلعہ آراستہ کیا گیا اور موتی مسجد کجواب کے تھانوں سے مزین کی گئی۔  
 اورنگ زیب "آگرہ" پہنچ کر قلعہ کے باہر دارا شکوہ کی حویلی میں فروکش ہوا۔ اور دوسرے  
 دن بیگم صاحبہ کے پاس تعزیت کی عرض سے گیا اور اس کے بعد بھی اس نے کئی مرتبہ  
 دل شکستہ بہن کے یہاں جا کر اس کی تسلی و تشفی کی۔ اس زمانہ میں وہ بیگم صاحبہ سے اس  
 قدر خوش ہوا کہ ایک دن تمام درباریوں، امراء اعیان سلطنت کو حکم دیا کہ وہ سب ممد و صہ کی  
 ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر نذرین پیش کریں۔

نوٹ نمبر ۱ و ۲ - جہاں آنا اور سفر نامہ برنیر = ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۲ - موتی مسجد - (دیکھو حاشیہ نمبر ۵ صفحہ نمبر ۳۶) +

نوٹ نمبر ۱- کوہ نور- (دیکھو حاشیہ نمبر ۴۴ از حواشی صفحہ ۱۰۴) \*  
 نوٹ نمبر ۲- مغل اعظم- یہ ہیرا ۱۶۵۰ء میں کلور کی معدن سے جو علاقہ لوکتندہ  
 میں پر نیال سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے برآمد ہوا تھا۔ بظاہر ہیرا جلد کے ہتھوں  
 سلاطینِ مغلیہ تک پہنچا۔ یہ مورگلاب نما تراشا گیا تھا۔ اس کا وزن ۲۸۰ قیراط تھا۔ اس  
 پر بعض مورخین نے کوہ نور کا دھوکا کھایا ہے۔ ۱۶۴۹ء میں ولی کی لوٹ مار کے موقع پر اسے  
 نادر نے توڑ ڈالا اور یہ ورطہ گمنامی میں پڑ گیا۔ اس کا یہ نام انگریزی تاریخوں میں گریٹ مغل  
 دیکھنے میں آیا ہے۔ جس کا یہ ترجمہ کیا گیا۔ میرے خیال میں یہ وہ ہیرا ہے جو اس زمانہ  
 میں کوہ طور کہلاتا تھا۔ (ایجوکیشنل گزٹ فروری ۱۹۲۹ء میں شائع شدہ ذاتی مضمون  
 "الماس" سے اخذ کیا گیا) \*

نوٹ نمبر ۳- قیراط- عرب ہے "کریٹو" سے جو یونانی لفظ ہے "کیرب (carat)  
 سے بنا ہے ہر مٹر کے برابر اور اس سے مشابہ ایک پھل تھا جو گھونچ کی طرح سونا اور جواہرات  
 جیسی بیش قیمت اشیاء تولنے کے کام آتا تھا۔ شدہ شدہ یہ ایک وزن خاص کا نام ہو گیا  
 جو چار گرین کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا وزن مختلف ممالک میں مختلف ہوتا ہے بین المللی  
 (انٹرنیشنل) وزن ۲۴ گرین کے برابر ہے۔ ہمیں قیراط کو رتی کے برابر تصور کرنا چاہیے  
 (المنجد مطبوعہ بیروت اور یو اینٹی ائٹھ سچری ڈیمسٹری = ۱۲) \*

## رحلت شاہجہاں

وہ شاہجہاں جس نے جامع مسجد (دہلی) بنوائی، وہ شاہجہاں جس نے تاج محل  
 (آگرہ) کی تعمیر کی، وہ شاہجہاں جس نے ولی کو نئے سرے سے ترتیب دیا، وہ شاہجہاں  
 جس نے تخت طاؤس پر جلوس کیا۔ اور جلوس بھی وہ جلوس کہ جس کے باعث رعب و  
 سطوت شاہی کا دریا حاضرین دربار کے قلوب میں لہریں لینے لگا۔ وہ شاہجہاں جو اس  
 عالم میں بھی اپنے خدا کو نہ بھولا۔ مگر وہ شاہجہاں جس نے حصول سلطنت میں اپنے  
 خاندان کے کتنے ہی چشم و چراغ بھلے دنیا سے جاتا ہے تو کس طرح؟ دارالکافات  
 کی ایک نصوص پر مجسم بن کر۔ عمر کا آخری حصہ ہے، ایک مسجد کا حجرہ ہے، چاروں طرف  
 سناٹا چھایا ہوا ہے اور ہوکا عالم ہے، آٹھ سال تک قید اور تانگ زبانی میں جھینک جھینک

خزائن و دفائن پر قابض و متصرف تھے۔ جس کے باعث ان کی ظاہری شان و شوکت میں کمی نہ آنے پائی تھی۔ مگر درحقیقت مغلیہ رعب، سطوت، نہیب و سیدت عرصہ ہوا کہ ختم ہو چکا تھا اور نظام سلطنت مختل۔ ہر طرف اضمحلال و انحطاط نمودار تھا۔ صوبہ دار خود سر ہو گئے تھے۔ اور مرکزی حکومت کا قبضہ ان پر برائے نام بھی نہیں رہا تھا۔ بادشاہ تھا مگر شاہ شطرنج، کہ کٹ پتلی کی طرح ذی اختیار منصبداروں کے ہاتھ میں کھیتا تھا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ بغاوتیں روتما ہوئیں، شورشیں پھیلیں اور بالآخر غضب یہ ہوا کہ مغلان سلف نے جن اعیار کو جانکاہ کوششیں اور عرصہ شکن محنتیں کر کے اتنا معروب و خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ آنکھ پھر کر وہ سلطنت مغلیہ کی طرف دیکھ نہ سکتے تھے ان کی ہمتیں اتنی بڑھ گئیں کہ انہوں نے ریشہ و انبیاں شروع کر دیں اور گھر والوں نے مدد دے کر انہیں اور شیر بنا دیا +

## خرم نادری

ٹھیک اسی زمانہ میں جبکہ فرمانروایان مغلیہ ہند خانہ جنگیوں، عیش پرستیوں اور غفلتوں کا شکار ہو رہے تھے۔ اور ان کے بخت خوابیدہ پرید نصیبی و بد اقبالی مستولی تھی۔ سرزمین ایران میں نادرقلی معروف بہ نادر شاہ و رانی کا نصیبہ جاگا اور اس کے نجم اقبال نے دنیا میں چکا چونڈ ڈال دی +

نوٹ نمبر ۱۔ نادرقلی۔ نادرقلی نام، امام قلی گڈرے کا بیٹا تھا۔ جو سنہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ انتہائی افلاس کے باعث ابتدائی حالات پر وہ خفا میں ہیں۔ ستر برس کی عمر میں اپنی ماں کے ساتھ ازبکوں کی قید میں پڑا اور اسی وقت سے صفحات تاریخ میں نمایاں ہوا +  
 نادر ۴ برس کے بعد ازبکوں کی قید سے نکل کر بھاگا۔ اور اپنے ملک کے ایک امیر یا بل بگ کا ملازم ہوا۔ چند سال بعد اس کو قتل کر کے اس کی بیٹی کو بچا لے گیا۔ اور مدتوں رہتی کرتا رہا۔ یہی قرانی اس کی شہرت کا باعث ہوئی۔ اور شاہ لہا سب صفوی فرمانروا نے ایران نے اس کو سپہ سالار فوج خراسان مقرر کر دیا۔ کچھ دنوں بعد اس کے بڑھتے ہوئے زور سے خوفزدہ ہو کر

## تخت طاؤس کا ضرورتاً اگر پہنچنا

اسی قیام کے دوران میں "عید الفطر" آئی اور اورنگ زیب ایک بلند و خوبصورت ہاتھی پر سوار ہو کر جامع اگرہ میں نماز کے لئے گیا۔ بعد اوائے دو گانہ عید اس نے نہایت دھوم دھام کے ساتھ دربار کیا۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ تخت طاؤس پر جو کچھ عرصہ پیشتر اسی غرض سے اگرہ منگایا گیا تھا جلوس کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس تخت پر دار الخلافہ اگرہ میں رونق افروز دربار ہوا۔

مذکورہ بالا جشن عید سعید تین دن تک منایا گیا۔ اس موقع پر اورنگ زیب نے ایک لاکھ اشرفیاں بیگم صاحبہ کو نذر کیں اور ان کی جاگیر میں اضافہ کر کے انہیں "بادشاہ بیگم" کے خطاب سے معزز فرمایا۔

نوٹ نمبر ۲۰ - جہاں آرا اور سفر نامہ برنیہ - ۱۲ +

## دولتِ مغلیہ کی حالت زار

اورنگ زیب کے بعد اورنگ گورگانہ کو کوئی ایسا بادشاہ میسر نہیں آیا جس کو اسلاف تیموریہ کی طرح تاج شاہی زیب دینا۔ مغل بادشاہ بجائے "شہنشاہ مغل" کے "بندہ عیش" رہ گئے۔ نہ کسی میں بہایوں کی سی جفاکشی رہی نہ اکبری اور لوزمی نہ کسی میں جہانگیر کا اقبال باقی رہا نہ شاہجہانی جو ہر مردم شناسی و ولایت اور نہ اورنگ زیب کا تدبیر۔ قصہ مختصر اسلاف کی بنائی ہوئی شاہراہ حکومت پر رخس حکمرانی کو جولاں کرنے کا سلیقہ ہی نہ رہا۔ خیالات کی پستی، علوے ہمتی کے فقدان اور عقل کی تیرگی کا جلوہ ہر ہر شے میں نظر آنے لگا۔ تاہم محمد شاہ المعروف "بہنگیلا" کے عہد سلطنت تک خانہ زادان قدیم کا روبرو سلطنت سنبھالے ہوئے تھے اور بادشاہ اپنے آبائی تحائف و نفائس اور خاندانی

## ”تخت طاؤس“ کا نادر کے قبضہ میں پہنچنا

فقہمند نادر نے قرہ باصرہ سلطنت یعنی ”بنت محمد شاہ“ کا عقد اپنے بیٹے مرزا نصر اللہ سے کیا۔ اور ستاؤن۔ اٹھاؤن دن قیام کرنے کے بعد دہلی و اووہ کے امرا و مشرفا کا تمام اندوختہ مال و متاع اور وہ کل دولت جسے عہد باپری یا دو صد سالہ مدت سے سلاطین مغلیہ جمع کرتے چلے آئے تھے، شاہی تاج، سلطانی تخت، بیگمات کے مرصع زیورات، خزانہ ہندوستان کے چشم و چراغ کوہ نور و تخت طاؤس عمدہ سے عمدہ ہاتھی، نفیس ترین گھوڑے، بہترین توپیں اور بیش قیمت اطلس و کمنواب غرض ستر کروڑ (.....) روپیہ کے قریب کا نقد و جنس لے کر ایران کو مراجعت کی۔

نوٹ نمبر ۱۔ ”نادر اور اس کی تعجب انگیز کامیابی“ از سید اناصیر (شائع شدہ رسالہ ”حسن“ دکن نمبر ۱ جلد ۳) ۱۲۰

نوٹ نمبر ۲۔ تاریخ ہند، ستمہ حصہ سوم اور ”نادر اور اس کی تعجب انگیز کامیابی“

فہرست مال مغروثہ نادر بقول منشی سعید احمد مارہروی مصنف امرات ہنود

(بجوالہ کاغذات و فتراشا بھوپال)

نقد از خزانہ سلطنت ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ۔ جوہرات از جوہر خانہ شاہی ۱۵ کروڑ۔ اٹلائی  
ایک کروڑ ۵۰ لاکھ۔ ”تخت طاؤس“ و اسباب متفرقہ از خوشبو خانہ، باورچی خانہ، قورخانہ  
قراش خانہ، آبدار خانہ ۱۵ کروڑ۔ متفرقہ جوہر و نقد ۲۰ لاکھ۔ از آصت جاہ نظام الملک  
۴ کروڑ۔ پیشکش نواب ابوالمنصور خان ۲ کروڑ۔ از منصبی خانہ خان دوران خاں و متفرقہ خاں  
میر آتش ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ۔ از نواب محمد خاں بنگش ۲ لاکھ ۷۰ ہزار۔ از دلعت اللہ خاں  
داروغہ جوہر خانہ ۹ لاکھ۔ از وزیر الممالک نواب قمر الدین خاں ایک کروڑ۔ از شیخ سعید اللہ  
دیوان تن ۳ لاکھ پچاس ہزار۔ از رائے خوشحال چند پیشکار بخشی گری ۲ لاکھ پچاس ہزار۔  
از فونڈ رائے ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ از سجان رائے ۲ لاکھ ۷۰ ہزار۔ از منصف دیاں و فتر ممالک ہنود  
۲ کروڑ۔ معرفت راجہ مہاراجن برائے خلعت صوبہ اووہ ۲ کروڑ۔ از راجہ ناگر مل دیوان خانہ  
۳ لاکھ۔ از سیتارام خزانچی ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ میزائل کل ۵۲۳۸۷۰۰۰  
بقول مسٹر ولیم اروان۔ نظرون تقری و طلائی ۲۰ کروڑ۔ جوہرات ۲۵ کروڑ۔ تخت طاؤس

بادشاہ نے اس کو قلع تخت پیش کیا۔ مگر نادر نے مصالحت اذکار کروایا آخر کار صفوی ناندان کے حاتمہ پر وہ بادشاہ بن بیٹھا۔ اور نادر شاہ کے نام سے سکہ چھلایا۔ اس کے سکہ پر یہ شعر مسکوک تھا۔

نادر در ملک ایران نادر برہر دیار لافقی الاعلیٰ لاسیف الذوالفقار  
بادشاہ بنے پر سب سے پہلے قوم افغان کو اپنا رفیق بنایا۔ جس کے اکثر جہگے اس کے مخالف رہے۔ اسی قوم کو ہنگامتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان کو لوٹ کر اور محمد شاہ کو تاج و تخت بخش کر ایران کو ہرجا جت کی۔ آخر میں وہ بہت مدد مغرور، جاہل اور شکی مزاج ہو گیا تھا۔ اپنی ایرانی فوج سے مشتبہ ہو کر اس نے سب کے قتل کر دینے کا منصوبہ باندھا۔ مگر قبل از وقت راز طلشت از باہم ہو گیا۔ اور وہ امر سے ایران کی سازش سے ششامہ میں قتل کر دیا گیا + (مانوڈاز بڑی جٹری)

## نہیب نادری

۱۷۲۹ء میں اس مشہور و معروف فاتح نے سلاطین مغلیہ ہند کی کمزوری و عیش پرستی اور نظام سلطنت کے اختلال و اضمحلال سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی طرف عمان توجہ مبذول کی۔ محمد شاہ رنگیلے کو ہزار بار چوکا یا بہت کچھ جھنجھوڑا لیکن مست است بادشاہ نے کروٹ تک نہ لی۔ چونکا بھی تو اس وقت جب کار از دست رفتہ و تیراز گمان جستہ کا مضمون صادق آچکا تھا۔ اور سر زمین ہند زبانِ حال سے نوحہ گمان تھی۔ ع

”یاد آئی مرے عیسیٰ کو دو امیرے بعد“

فتح نصیب نادر کی فوجیں دلی تک دراتی چلی آئیں اور وہ گلزار دہلی جس نے نخلستان بستان دولت نیموریہ ہند کے زیر سایہ سیدنگڑوں بہاریں دکھی تھیں۔ خزاں نادری کے ایک جھونکے کی بھی تاب نہ لاسکا، ماور ہند کے ہزاروں سپوت نادر شاہی قبرلباشوں کی تیج بیدریغ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ لاکھوں بے خان و مان ہوئے اور بہتوں کو انقلاب روزگار نے خاک میں ملا دیا۔ عروس ہند دلی لٹ کھٹ کر ایک اجڑا دیار بن گئی +

قول کی تردید کرتا ہے کہ

چونکہ تخت طاووس کے پرزے علیحدہ علیحدہ تھے۔ اس لئے ناوری  
نوٹ مار کے موقع پر اس کے مختلف پرزے مختلف مقامات پر چلے  
گئے +

اگر یہ صحیح ہوتا تو یہ تخت نمائش بہرات میں کیونکر رکھا جاتا؟ حقیقت یہ ہے کہ  
ایران میں ناور کے قتل کے بعد جو اس کے جانشینوں کے عہد میں شورشیں پھیلیں  
ان میں (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے) یہ تخت ضرور پاش پاش ہو گیا تھا۔ اسی  
دافعہ کو لائق مورخ نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔ مورخ مذکور کے بیان کے موافق  
تو دنیا میں اس تخت کا وجود ہی نہیں۔ حالانکہ اگلے واقعات بتلائیں گے کہ لوجہ وہ

موجود ہے اور لوجہ عہد کیم لوجہ +

نوٹ نمبر ۱۔ ناور اور اس کی تعجب انگیز کامیابی از سید آقا حیدر صاحب جن دکن ص ۱۲ = ۱۲

نوٹ نمبر ۲۔ پیٹر منٹل = ۱۲ +

## ”ناور کا جشن فتح و فیروزی ہندستانا“

مسطورہ بالا نمائش کے دوران میں ”جشن فتح و فیروزی ہند“ بھی منایا گیا تھا۔ یہ جلسہ  
۴ جون ۱۹۰۷ء سے شروع ہو کر کئی دن تک رہا۔ درباری عیش کرتے تھے۔ سپاہی ناچ  
رنگ میں مشغول تھے۔ ہر طرف سے صدائے رقص و سرود بلند تھی۔ ہر شخص نے اپنے  
مقدور بھر عیش و عشرت کے سامان مہیا کئے تھے۔ غرض اتنا بڑا جشن شاہی اور ایسے  
۱۰۰۰۰ پیمانہ پر شاندار نمائش ہوئی۔ کہ اس کی شہرت دور و دراز تک پہنچی +

نوٹ نمبر ۱۔ ایرانی کیا عالم کیا جا بل سب کے سب عجیب الخلقیت جانور ”ہا تھی“  
کے دیکھنے کے بے حد مشتاق تھے۔ کیونکہ انہوں نے اب تک اس جانور کی صرف تصویر ہی دیکھی  
تھی۔ اس نمائش میں پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اس کا برائے العین مشاہدہ کیا (ملاحظہ فرمائیں

نوٹ نمبر ۲۔ ناور اور اس کی تعجب انگیز کامیابی = ۱۲ +

دوسرے ۹ تخت اور ظروف مرصع ۹ کروڑ۔ بیش قیمت سامان ۲ کروڑ۔ تو ہیں  
اور سامان آرائش ۴ کروڑ +

ماخوذ از مہینوے۔ ماٹھی ۳۰۰ زنجیر۔ گھوڑے ۱۰ ہزار۔ اونٹ ۱۰ ہزار ہمار۔

(کل میزان ستر ۷۰) کروڑ نقد و جنس ۲۰۳۰۰ (جانور)

بجائے اندرام مصاحب دیوان اودھ۔ جواہرات جن میں تخت طاؤس بھی شامل تھا  
پچاس کروڑ۔ زربفت وغیرہ یک کروڑ۔ اشرفیاں اور روپیہ نقد ایک لاکھ اور چاند ہزار۔  
کل ۶۰ کروڑ ایک لاکھ کچھ ہزار (یہ احوال لیٹر مغل سے ماخوذ ہیں) +

## نمائش بہرات اور اس میں تخت طاؤس کا رکھا جانا

واعبرتاہ!! و دنیا نام ہے نمونہ ہے رنگارنگی کا، آہ!! اس قیامت خیز منظر کو فلک کج  
مدار کی کس اداسے تعبیر کیا جائے کہ بھیڑوں کا چرانے والا، جنگل جنگل گھومنے والا چھپ  
چھپ کر یون دھاڑے سینہ زوری کرنے اور ڈاکے ڈالنے والا ناوہ جس کی سولپشتوں نے  
بھی کبھی سلطنت کے خواب نہ دیکھے ہونگے زمانہ کی گردشوں کی بدولت عروس البلاد دہلی  
کو لوٹ مار کر آتا ہے۔ اور تمام مال و متاع اور خزانہ و جواہر منسوبہ کی نمائش بہرات میں  
کرتا ہے۔ یعنی ناوہ کی واپسی ہندوستان کے بعد ۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کو بہرات میں تمام جواہرات  
اسباب، نادرات و نفائس ہند آراستہ پیراستہ ہوتے ہیں اور وہ تخت طاؤس بھی رکھا  
جانا ہے۔ جو ایک دنیا کے لئے عجوبہ روزگار صنعت ثابت ہوا۔ اور جس پر جلوس کر کے  
شہا ہجماں نے حضار پر اس قدر ہیبت بٹھائی کہ ان پر عالم عبودیت طاری ہو گیا اور  
جس نے عقلاے دہر کو محو حیرت کر دیا۔ اور اب ناوہ کے ہاتھ پڑ کر نہیب و غارت  
کی فہرست میں شامل ہو چکا۔ یہ نمائش کیا تھی؟ ہندوستان کی لوٹ مار کے خزانوں  
کی نمود تھی۔ ورنہ حسن ترتیب کی آرائش و زیبائش معلوم +

تخت مذکور کا اس نمائش میں رکھا جانا اس عہد کے مشہور مورخ ولیم ارون کے ہیں

نفاست پسندی و جدت طرازی کا مجسمہ شاہان مغلیہ ہند کا سرمایہ ناز اور اقوام عالم کو اپنا شائق دیدار بنا کر ہندوستان کی طرف کھینچ کر لانے اور اپنے جلوے سے مہوت و متحیر بنا دینے والا تخت طاؤس بھی پارہ پارہ ہو گیا۔ چنانچہ لارڈ کرزن آنجنمانی نے اپنی کتاب پریشیا اینڈ وی پرشین کوئٹین میں اس تخت پر تبصرہ کرتے ہوئے نخراسان نامی کتاب سے اس کے مصنف مسٹر فریزر کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے۔

۱۸۲۲ء میں مجھ سے ایک محرم و سن رسیدہ گرو نے بیان کیا تھا۔ ”جب نادر شاہ قتل ہوا اور اس کا کیمپ لوٹا گیا تو تخت طاؤس اور اس کا مڑا ریڈیا چھتر ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ جس کو فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا“

یہی واقعہ ہے۔ جس کو ولیم ارون نے شورشِ دہلی (بزمانِ نادر) کے ضمن میں لکھا ہے +

## پارہ ہائے ”تخت طاؤس“ کا بانی دولتِ قاجاریہ کے ہاتھ آنا

اور

### ان ٹکڑوں کا نئی شکل میں متشکل ہونا

۱۲۱۲ھ میں آقا محمد خان قاجار (بانی دولتِ قاجاریہ) نے لطف علی خاں اترند کو جو نادر کا ایرانی جانشین تھا۔ شکستِ فاش دیکر اس تخت کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اس سے خیراً چھین لئے اور بقول بعض ان ٹکڑوں کو موزونیت کے ساتھ باہم وصل کرا کے ایک نئے طرز کا تخت بنوایا تھا۔ لیکن شاہ موصوف کا ترتیب جدید دلانا محقق نہیں البتہ مرزا نصر اللہ خاں فدائی دولتِ یارجنگ بہادر کے مندرجہ ذیل بیان سے یہ

## قتل نادری

نادر کے ظلم و ستم اور سخت گیری و لاندہی سے تنگ آکر اس کے ارکان دولت نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں چند سرداروں نے اس کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور وہ ۱۱۶۷ھ کی ایک رات کو اپنی فوج محافظین (Body guard) کے ہمراہ صلح بیگ کی ضرب کاری سے معمولی مقابلہ کے بعد اس گہری نیند کا شکار ہوا کہ جس سے "بغیر حشر کے ممکن نہیں جگا لینا" کسی نے تاریخ و وفات کسی "فی النادر والستقر مع المجدد الپدر" جو نادر کے متعلق خیالات کا آئینہ ہے +

نوٹ نمبر ۱۔ قاموس المشاہیر اور "نادر اور اس کی تعجب انگیز کامیابی" = ۱۲ +

## نادر کے بعد ایرانی خانہ جنگی

نادر کے مرتے ہی فارس اور اس کے ممالک محدودہ میں خاصی بد نظمی پھیل گئی۔ چاروں طرف سے دعوی داران سلطنت اٹھ کھڑے ہوئے۔ افغانستان میں ابدالی، غلزنی، بلوچی، ہزارہ اور قرزلباش جبرگوں کے اتفاق سے احمد خاں نے جو ابدالی خاندان کا رکن رکین تھا احمد شاہ ابدالی کے لقب سے طرح حکومت ڈالی اور ایران میں نادر کے مخالف اعلیٰ کا بھتیجا عادل شاہ تخت نشین ہوا +

نوٹ نمبر ۱۔ تاریخ اسلام مصنفہ مولوی احسان اللہ عباسی = ۱۲ +

## تخت طاؤس کا پارہ پارہ ہونا

اس خانہ جنگی کے اثر سے سلطنت کی طرح اسباب دارکان سلطنت بھی خالی نہ رہے۔ چنانچہ ایشیائی صنعت و ہندوستانی دستکاری کا بہترین نمونہ شاہجہان کی

اس نے ۱۹۱۵ء میں اپنے بیٹے محمد علی شاہ کو حکومت اور رعایا کو پارلیمنٹ عطا کی پارلیمنٹ نے محمد علی کو معزول کر کے اس کے نابالغ بیٹے احمد شاہ کو ۱۹۱۶ء میں تخت نشین کیا۔ یہ ۱۹۲۵ء میں سیاحت یورپ کے لئے گیا ہوا تھا۔ اور پیرس میں مقیم تھا کہ اس کے عیاشانہ رویہ سے ناراض ہو کر ایرانی پارلیمنٹ نے ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اسے معزول کر دیا اور شاہ رضا خان پہلوی (بانی حکومت پہلوی) بادشاہ ایران تسلیم کر لئے گئے۔ گویا خاندان قاجار کے سات بادشاہوں نے ۱۲۰ سال تک حکومت کی۔ (اورٹھیل ہیل) = ۳۳

## نومرتب تخت کی موجودہ حالت

بہر حال یہ نومرتب تخت لارڈ کرزن آنجنائی کے بیان کے موافق ایرانی شاہی خاندان کے محلات کے نئے محائب خانہ واقع طهران (پایہ تخت ایران) میں رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ مذکورہ بالا کتاب میں اس تخت کے حالات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-  
 آج کل اس تخت کے صرف کچھ حصے باقی رہ گئے ہیں۔ جو کہ ٹیورنیر کے تحریر کردہ مفصل حالات کا جزو ہیں۔ چھتری کا نام و نشان نہیں ہے۔ نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ تخت میں چھت کس طرح لگی ہوتی تھی موبھی معدوم ہیں۔ چونکہ مذکورہ بالا نومرتب تخت، قدیم تخت طاؤس کے اجزاء اور اصلی صنعت و کاری گری کے بیشتر حصص پر مشتمل ہے اور مجازاً اجزو کا استعمال کل پر روا ہے۔ اس لئے اس تخت کو بھی "تخت طاؤس" ہی کہنا چاہئے۔

## چند اور ٹکڑوں کا انکشاف

منشی سعید احمد ہروی اور دیگر تہذیبین سے معلوم ہوا کہ کسی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اس تخت کے کچھ ٹکڑے سلطنت عثمانیہ (سکا) انور ان روس کے قبضے میں بھی تھے اور سکا والے ٹکڑے انقلاب کی کے بعد فروخت کیلئے فرانس بھیجے گئے تھے

## تخت طاؤس کے رقیب شہرت

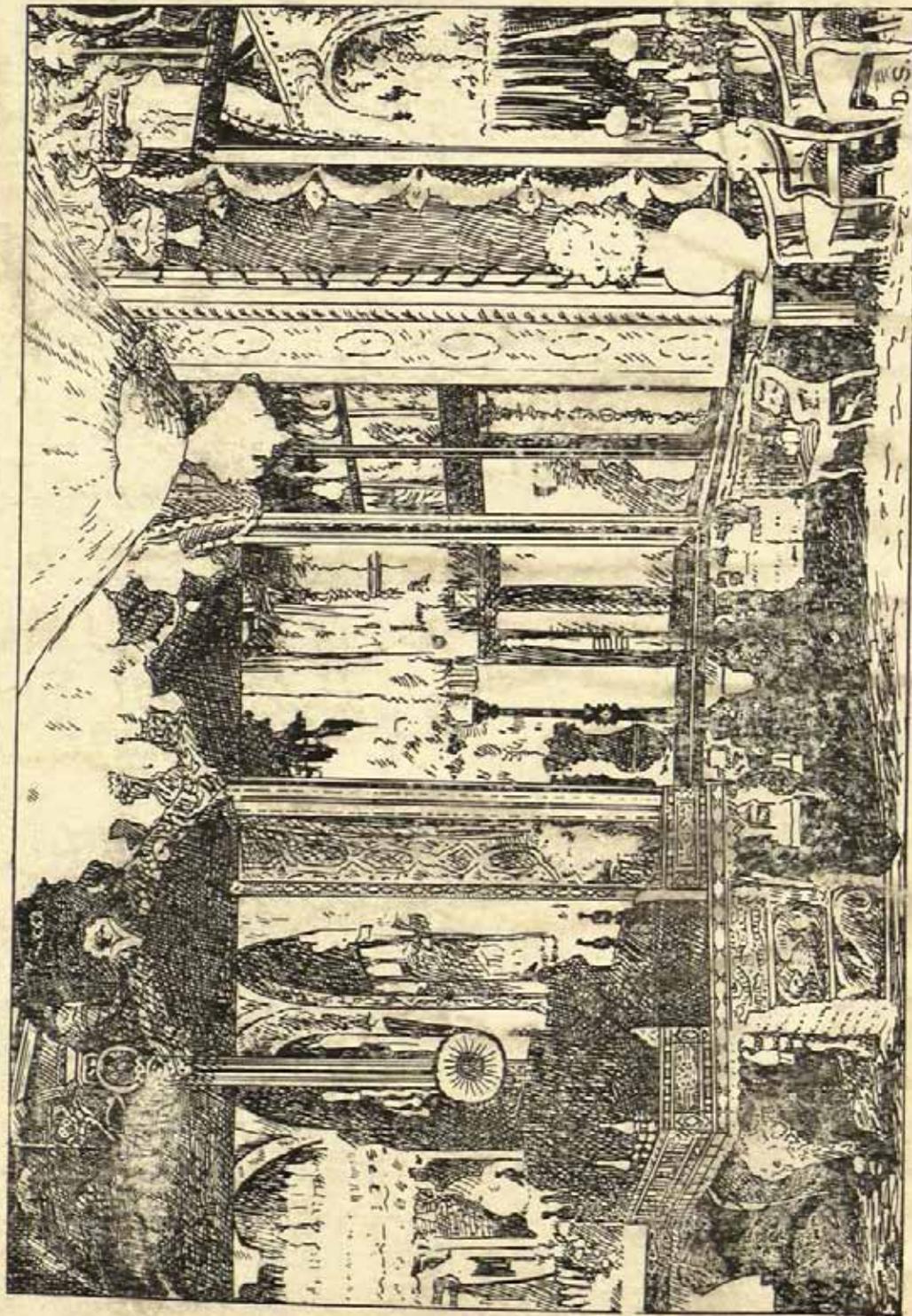
دنیا میں کئی تخت "تخت طاؤس" کے نام سے موسوم ہوئے۔ جن میں سے بعض نے تو اکثر اہل نظر کو دھوکا دیکر اس کی قدر و منزلت بھی حاصل کر لی۔ تاہم نظر بازوں

امراخذ کیا جاسکتا ہے کہ دولت قاچار یہ کے چوتھے تاجدار ناصر الدین شاہ قاچار نے  
 ضروران اجزا کو باہم دگر پیوست کر کے ایک نئی شکل میں متشکل کیا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر  
 فرماتے ہیں:-

از چیز ہائے تازہ کہ شناہجیاں ساخت تھتے بود از کومید و دیگر  
 گہر ہائے شناہوار کہ آئر تخت طاؤس" گویند ششش کرد و نیم پول ہند  
 (بست و ششش کروڑ تو ماں ایران) در ساختن آن بکار رفتہ است آن  
 تخت با چندیں پارچہ ہائے نامور دیگر بدست نادر شاہ افتاد و انہارا  
 بہ ایران برد و آن تخت در آن کشور اند پر تو افسر شہنشاہ خورشید کلاہ  
 ناصر الدین شاہ قاچار آرائش دیگر گرفتہ +

(داستان ترک تازان ہند - حصہ دوم صفحہ ۵۸۶)

نوٹ نمبر ۱۔ آقا محمد خان قاچار۔ فارس کا بادشاہ جو خاندان قاچار سے تھا یہ محمد حسین  
 خان قاچار حکم ماژندران کا بیٹا تھا۔ عادل شاہ جانشین نادر نے بزمانہ طغولیت اسکو اپنے  
 خواجہ سراؤں میں داخل کر لیا تھا۔ اس کے مرنے پر اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس  
 کے باپ کو کریم خان ژند بادشاہ وقت نے قتل کرادیا اور آقا محمد خان نے خود کو اس کے  
 حوالہ کر دیا۔ بادشاہ نے اسے شیراز میں قید کر دیا۔ مدتوں شہر سے باہر نکلنے کی اجازت  
 نہ ملی، پھر صرف شکار کے لئے اجازت مل گئی۔ ایک دن کریم خان کی ملاکت کے زمانہ میں  
 شکار کے حیلہ سے فرار ہو گیا۔ اور ماژندران جا کر دم لیا۔ اور تخت فارس کے مدعی ہونے  
 کا اعلان کر دیا۔ ۱۷۰۷ء میں علی مروان خان بادشاہ وقت کے فوت ہونے پر خاموشی  
 کے ساتھ اصفہان پر قابض ہو گیا۔ اور لطف علی خان آخری فرمانروا سے خاندان ژند سے  
 کئی برس تک سرکہ آرا رہنے اور ۱۷۹۵ء میں اس کو قتل کر بیٹھے بعد شاہ ایوان بن گیا۔ اور  
 ۲۰ سال تک فارس کے بڑے حصہ پر حکومت کر کے ۶۲ سال کی عمر میں ۱۷۹۶ء میں دو ملازموں  
 کے ہاتھ سے جن کو پھانسی کا حکم دیا تھا قتل ہوا۔ گویا وہ خاندان قاچار سے فرمانروائے ایران کا  
 مورث اعلیٰ تھا۔ فتح علی شاہ جو اس کا بھتیجہ تھا اس کا جانشین ہوا۔ اس نے ۱۸۲۷ء میں  
 وفات پائی۔ اس کے بعد محمد شاہ بن عباس مرزا تخت نشین ہوا۔ جو ۱۸۳۴ء میں راجہ ملک  
 بقا ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین شاہ کجکلاہ بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد ناصر الدین شاہ



تخت طاہسی لا منظر (گلستان معجل، طہران ۱۹۱۰ء)

سے اصلیت پوشیدہ نہ رہی اور انہوں نے تاڑ لیا کہ فریبی چیزے دگر و اماں چیزے  
دگر است +

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "تخت طاؤس" کے رقیبان شہرت کے مختصر حالات  
بھی قلمبند کر دئے جائیں +

## تخت طاؤس ساختہ بہادر شاہ ثانی یا اکبر شاہ ثانی

۱۔ تخت طاؤس ساختہ بہادر شاہ ثانی یا اکبر شاہ ثانی شہنشاہ ہند۔ اس تخت کو  
ان دونوں بادشاہوں میں سے کسی ایک نے بنوایا تھا۔ اور گویا زیادہ ہمیش قیمت اور  
بے مثل صنعت و دستکاری کا نمونہ نہ تھا۔ تاہم بچہ نفیس اور بہت اچھا تخت تھا +  
ہم اس سے قبل عنوان "تخت طاؤس کی تصویر" کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں  
کہ عرصہ ہوا جب اس کی ایک قلمی تصویر قلعہ معلیٰ دہلی میں موجود تھی۔ جس کو لوگ غلطی  
سے مدتوں شائبہ جہانی تخت طاؤس کی شبیہ سمجھا کئے۔ اب یہ تصویر بھی معدوم ہے۔  
البتہ اس کی عکسی تصویر یون آگزیبیشن آف اینڈی کوٹیز کارونیشن دربار ۱۹۱۱ء نامی  
کتاب کے صفحہ ۱۵۲ پر موجود ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ یہ تخت اصلی تخت سے بہت کچھ مشابہ  
بھوپال کے کاغذات "دفتر انشا" کے حوالہ سے جو منشی سعید احمد صاحب مارہروی صاحب  
"امرائے ہنود" نے نادر کے مال مغروتہ و منوبہ ہند کی ایک فرست "امرائے ہنود" میں  
دی گئے۔ اس میں تخت طاؤس کے علاوہ نو (۹) اور دوسرے تخت بھی لکھے ہیں جو  
نادر ایران لے گیا تھا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شاید ان میں یہ بھی شامل ہو۔ بہر حال  
اس کے حالات قطعی تاریخی میں ہیں۔ اور اس کو معرض بحث میں لانا بالکل فضول  
ہے +

نوٹ نمبر ۱۔ دیکھو عاشری ص ۱۵۲

## تخت طاوسی ساختہ فتح علی شاہ قاجار

۲۔ تخت طاوسی ساختہ فتح علی شاہ قاجار فرمانروائے ایران :- اس تخت کو شاہ موصوف نے اپنی نئی اور چہتی حرم طاووس خانم کے نام سے منسوب کر کے بنوایا تھا۔ یہ بہت معمولی اور کم قیمت تخت ہے۔ اس کی تصویر مشہور انگریزی اخبار اسٹریٹوڈ ویکلی آف انڈیا کی اشاعت ۱۵۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور جیسا کہ ہم اس سے قبل "تصویر تخت طاووس" کے تحت میں ذکر کر آئے ہیں یک آف نالج میں بھی موجود ہے۔ اس تخت کو بقول لارڈ کرزن آنجہانی اصلی تخت طاووس سے بجز علاقہ ہمنامی کے کوئی نسبت نہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہی وہ تخت ہے جس کو تخت طاووس کا حقیقی رقیب شہرت کمنا چاہئے اور اس تخت نے لوگوں کو بجد مغالطہ میں ڈالا ہے۔ چنانچہ بمبئی کے چند اولوالعزم پارسی سیاح جنہوں نے بسواری سائیکل دنیا کے سفر پر مکر بہت باندھی، اپنے سفر کے دلچسپ روزنامچہ کا ایک حصہ انڈین نیشنل ہیرالڈ نامی صحیفہ میں شائع کرتے ہوئے اسی تخت کے متعلق رقمطراز ہیں :-

"ہم نے بادشاہ کا محل دیکھا جو بالکل عجائب خانہ ہے۔ تاہم کالایا

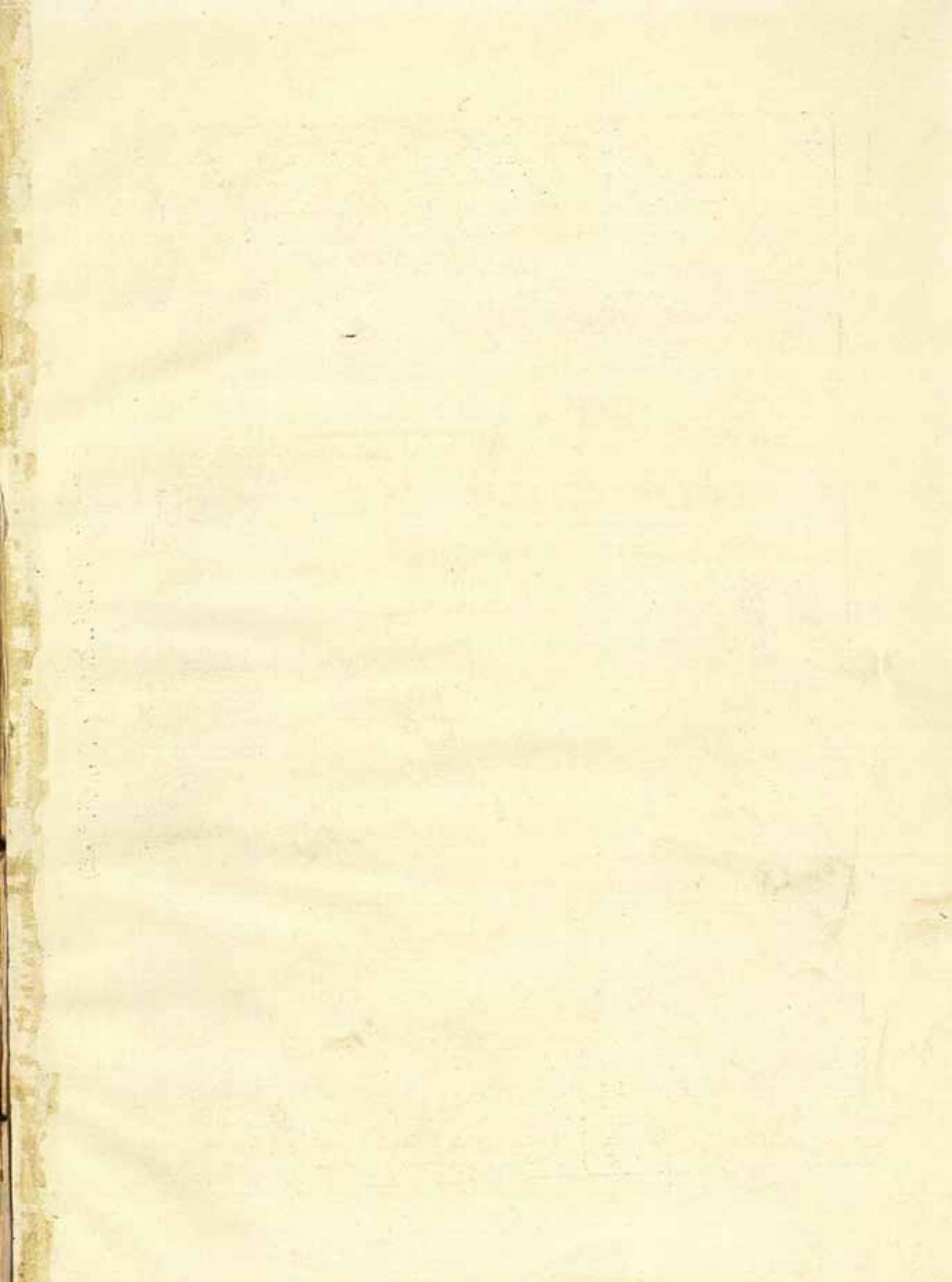
ہوا تخت طاووس یہاں موجود ہے"

ایک اور انگریز سیاح، اخبار فیبلڈ میں لکھتا ہے :-

"آخر ہم خزانہ شاہی تک پہنچ گئے۔ مقفل کمرہ پر ہر لگی ہوئی تھی ہر توڑ

کر قفل کھولا گیا۔ اور دروازہ کھلا تو سامنے دستکاری اور مینا کاری کا وہ

عبرت انگیز نمونہ دھرا تھا۔ جسے "تخت طاووس" کہتے ہیں۔ تخت طاووس



یہ تخت طاؤس درباری کمرے کے آخر میں رکھا گیا اور اس کے یا المقابل  
 ”تخت نادری“ آراستہ کیا گیا اور اسی پر ”رضا خاں“ کی تاجپوشی عمل میں آئی  
 دراصل بقول سر میلکم اس زمانہ کی ایرانی بد امنی و جنگ و جدل کے باعث  
 حالات ہی فراہم نہ ہو سکے۔ جن سے یہ پتہ چلتا کہ بعد کا بنا ہوا تخت اس تخت  
 طاؤس کی نقل ہے جس کا ذکر ”پورنیر“ نے کیا ہے۔

نوٹ نمبر ۱۔ یہ تصویر اتمام کتاب اور تکمیل مقدمہ کے کئی ماہ بعد بیکہ میں گورنمنٹ  
 ہائی اسکول میں پوری کو تبدیل ہو چکا ہوں۔ ٹائٹس آف انڈیا میں شائع ہوئی تھی اور مسٹر  
 سری چند گوپس بی اے ایل بی اور خواجه حمید الدہسی ٹی کی عنایتوں کی بدولت میری نظر  
 سے گزری تھی۔ ضروری سمجھ کر میں نے کتاب ہذا میں ذکر کر دیا۔ یہ وہ ہے کہ تاریخ مقدمہ نگاری  
 و تاریخ اشاعت تصویر میں اختلاف ہو گیا ہے۔

- نوٹ نمبر ۲۔ ”ترجمان اخبار جھانسی۔ مورخہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء +  
 نوٹ نمبر ۳۔ ”اگرہ اخبار مورخہ ۴۔ نومبر ۱۹۲۲ء = ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۴۔ ”دیکھو حاشیہ ص ۱۱۷ پر حالات رضا خان = ۱۲ +  
 نوٹ نمبر ۵۔ ”پرشیا اینڈ دی پرشین کوشچین = ۱۲ +

## ”تخت طاؤس“ ساختہ نادر

۳۔ تخت طاؤس ساختہ نادر شاہ :- سر میلکم موصوف کے بیان کے موافق  
 نادر شاہ تخت طاؤس کا اتنا شائق تھا کہ اس نے اس کی ایک اور ہوہو نقل دوسرے  
 جواہرات میں بنوائی۔ مورخ موصوف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخت بھی  
 نادر کی قتل والی شورش میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں :-  
 ”اس طرح اس کی موت اور گزشتہ دو صدی کے عرصہ میں دو تخت خراب و  
 خستہ ہوئے۔“

مگر دراصل ایسا ہے نہیں۔ کیونکہ مسٹر فریزر کے بیان سے اس تخت کا شکست و

کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک تو کاؤچ ہے زمین سے تین فٹ اونچا اٹھ فٹ  
 لمبا اور پانچ فٹ چوڑا جو چھ پاؤں پر قائم ہے۔ اور مور کی چھاتی کی شکل کا  
 بنا ہوا ہے۔ سیڑھیاں بھی لگی ہیں۔ ستارہ جو بڑے بڑے ہیروں سے مرصع  
 کیا گیا ہے ادھر ادھر گھمایا جاسکتا ہے۔ کرسی کی پشت چھ فٹ اونچی ہے  
 بازو میں پاندان لگا ہوا ہے۔ کرسی اور کاؤچ دونوں خالص سونے سے  
 منڈھے ہوئے ہیں۔ جس پر نہایت اعلیٰ چمکیاری کا کام کیا گیا ہے۔ سونے  
 میں ہیرے، لعل، یاقوت اور دیگر جواہر اس نفاست کے ساتھ جڑے گئے  
 ہیں۔ کہ مور کی دم کا دھوکا ہوتا ہے۔ یہ تخت ہندوستان میں شاہجہاں نے  
 بنوایا تھا۔ ۱۶۲۵ء میں نادر شاہ اسے اٹھا کر ایران لے آیا تھا۔  
 حالانکہ ہر دو سیاحوں نے ایرانی تخت طاؤس کی سیر کی ہے +

اس حقیقت کو مولوی عبدالمد صاحب قریشی بی۔ اے نے رسالہ "نیرنگ خیال"  
 لاہور کے عید نمبر بابت سال ۱۹۲۴ء میں ایک تاریخی مقالہ "شاہنشاہ رضا خان شاہ  
 ایران" کے عنوان سے شائع کرتے ہوئے بخوبی بے نقاب کیا ہے۔ آپ نے جہاں بانی  
 دولت پہلو یہ کی تاجپوشی کا تذکرہ کیا ہے وہاں تحریر فرمایا ہے :-

تخت طاؤس بھی بجائے خود ایک نفیس چیز ہے مگر وہ سیاحین کے بیان  
 کے بموجب تخت نادری یا اصلی "تخت طاؤس" کا جس کی یہ نقل ہے اور جو  
 عنقا صفت ہے کسی حالت میں بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ موجودہ "تخت طاؤس"  
 میں صرف چند جواہرات اور دو چھوٹے چھوٹے مور ہیں۔ شامیانہ بالکل ہی  
 نہیں۔ اس کی وضع قطع، تراش خراش اور نقش و نگار دیکھ کر یہ تسلیم کرنا  
 پڑتا ہے کہ یہ دراصل اسی مشہور و معروف کنیز کے آرام کرنے کے لئے  
 بنا یا گیا تھا۔ جس کا نام "طاؤس" تھا اور جس پر بادشاہ بے طرح نشید اٹھا

# تصحیحات

## تاریخ تخت طاؤس

پروفوں کی درستی کے وقت سہو نظر یا ماحول کے تبدیل ہو جانے کے باعث تغیرات مفصلہ ذیل لازمی ہیں۔ تکلیف تصحیح فرمائے۔ واویں (۔) تغیرات پر خصوصیت کے ساتھ تبصرہ کناں ہیں + ناچیز "مولف"

عنوان	صفحہ	سطر	چھپا ہوا ہے	ہونا چاہئے
(۱) فہرست مضامین	الف	۲ (کالم)	تبصرہ و تعارف کا نمبر صفحہ نہیں ہے	۱ - ۲۰
(۲) فہرست حواشی	۵	۸ "	(حالات ایشوری پر شاد کا نمبر صفحہ و حاشیہ نہیں ہے)	نمبر حاشیہ ۲ + نمبر صفحہ ۱۰۶
(۳) رسوم	۳	۱ "	(۱۱) "مین دربار" کے نمبر ۱ صفحہ و حاشیہ نہیں ہیں)	نمبر حاشیہ ۵ + نمبر صفحہ ۶۲
"	"	۲ "	(۱۲) جشن شمسی کے نمبر ۱ صفحہ و حاشیہ نہیں ہیں)	نمبر حاشیہ ۵-۶ + " ۱۲۶
"	"	۲ (کالم)	(۱۳) جشن وزن قمری کے نمبر ۱ صفحہ و حاشیہ نہیں ہیں)	" ۱۲۶ + ۵-۶
رن تصاویر	"	۳	تصویر نمبر ۲ (تخت طاؤس) شاہجہاں بر تخت طاؤس (کو خارج اور اس کی جگہ تصویر نمبر ۳ (تخت طاؤس) کو تصور فرمائیے +	

نارت ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”جیسا کہ اس کرد کے بیان سے ظاہر ہے۔ اس نے (اصلی) تخت طاؤس  
یا کم از کم دونوں (ساختمے نادر و ساختمے شاہجہاں) میں سے کسی ایک تخت  
طاؤس کی بربادی کو بڑی خوشی سے دیکھا۔“

اور مولانا عبداللہ صاحب قریشی کے بیان سے تو قطعی طور پر ہماری رائے کی تائید  
ہوتی ہے اور اس تخت کی (ساختمے نادر کی) موجودگی کا ایقان ہو جاتا ہے +

بہاؤ شاہ، ثانی یا ایکر شاہ ثانی کے بنوائے ہوئے تخت کا تو تذکرہ فضول ہی ہے۔ کہ  
مردوم ہو چکا اور اسم بغیر سہمی محال اور نادر شاہ کے تخت کا ذکر بھی عبث کہ وہ بھی عام طور پر  
تخت طاؤس کے نام سے مشہور نہیں بلکہ تخت نادر می کہلاتا ہے۔ ہاں ہندوستانی  
شاہجہانی ”تخت طاؤس“ اور فتح علی شاہی ایرانی ”تخت طاؤس“ کے اسماء میں بھی ان  
کی حقیقت کی طرح ایک خاص فرق و امتیاز کر دینا چاہئے تاکہ تاریخ بین اور محقق حضرات  
مخالطہ سے محفوظ رہیں +

نوٹ نمبر ۱-۲- پرشیا اینڈ دی پرنسین ریولوشن - ۱۲ +

## انتیاز اسماء

میں نے اکثر اہل فہم حضرات کے یہاں تخت طاؤس اور تخت طاؤسی لکھا ہوا دیکھا ہے اگر  
قدیم اور قلمی تاریخوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شاہجہان نے تخت طاؤس نام رکھا  
تھا۔ اس لئے اس تخت کو تخت طاؤس ہی کہنا اور لکھنا چاہئے کہ موافق وضعیت ہے اور  
ایرانی فتح علی شاہی تخت کو اس حیثیت سے کہ وہ طاؤس خانم کے نام سے منسوب ہے باضافہ  
”ی“ نسبت تخت طاؤسی تحریر کرنا چاہئے۔ اس طرح لوگوں کو دھوکا بھی نہ ہوگا اور آسانی سے  
دونوں میں تمیز بھی کی جاسکے گی + (اللہ بس باقی ہوں)

عنوان	صفحہ	سطر	چھپا ہوا ہے	ہونا چاہئے
نوٹ ۱۔	۳۰	۱۶	روایتیں بھی گھڑ لی ہیں	روایتیں بھی گھڑ لی ہیں
نوٹ ۱۔	۳۲	۲	مڈل انڈیا	مڈیول انڈیا
نوٹ ۱۔	۴۳	۲۵	خدیجہ الزمائی	خدیجہ الزمائی
نوٹ ۲۔	۵۰	۱۰	خاندان	خاوند
نوٹ ۵۔	۶۳	۲۶	جس	جب
شاہجہان... کی سلیم الطبعی	۶۷	۱۵	ذخار	زخار
		۵	دربار ہے	دربار ہے
نوٹ ۷۔	۷۷	۲۳	ان کے چھوٹے بیٹا	ان کے چھوٹے بیٹے
تخت طاؤس کی وضع	۷۹	۱۷	جروائے	جرڈئے
		۵	اور سمیں	اور اسمیں
مہتمم تخت طاؤس	۸۰	۷	بنظاہر مرتب کو لغت مذکور	بنظاہر مرتب لغت مذکور کو
نوٹ ۱۲۔	۸۲		مندرجہ ذیل	مندرجہ ذیل
ایک معاون تصور تصویر	۸۵	۲۱	ایک تصویر دی ہے۔ اور جس کو ہم بھی شروع میں خم کر آئے ہیں یہ تصویر بھی ہماری نظر میں مشکوک ہے	ایک تصویر دی ہے۔ جو ہماری نظر میں مشکوک ہے
		۲۲	چار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب	چار ہیں "خدا جاننے" ڈاکٹر صاحب

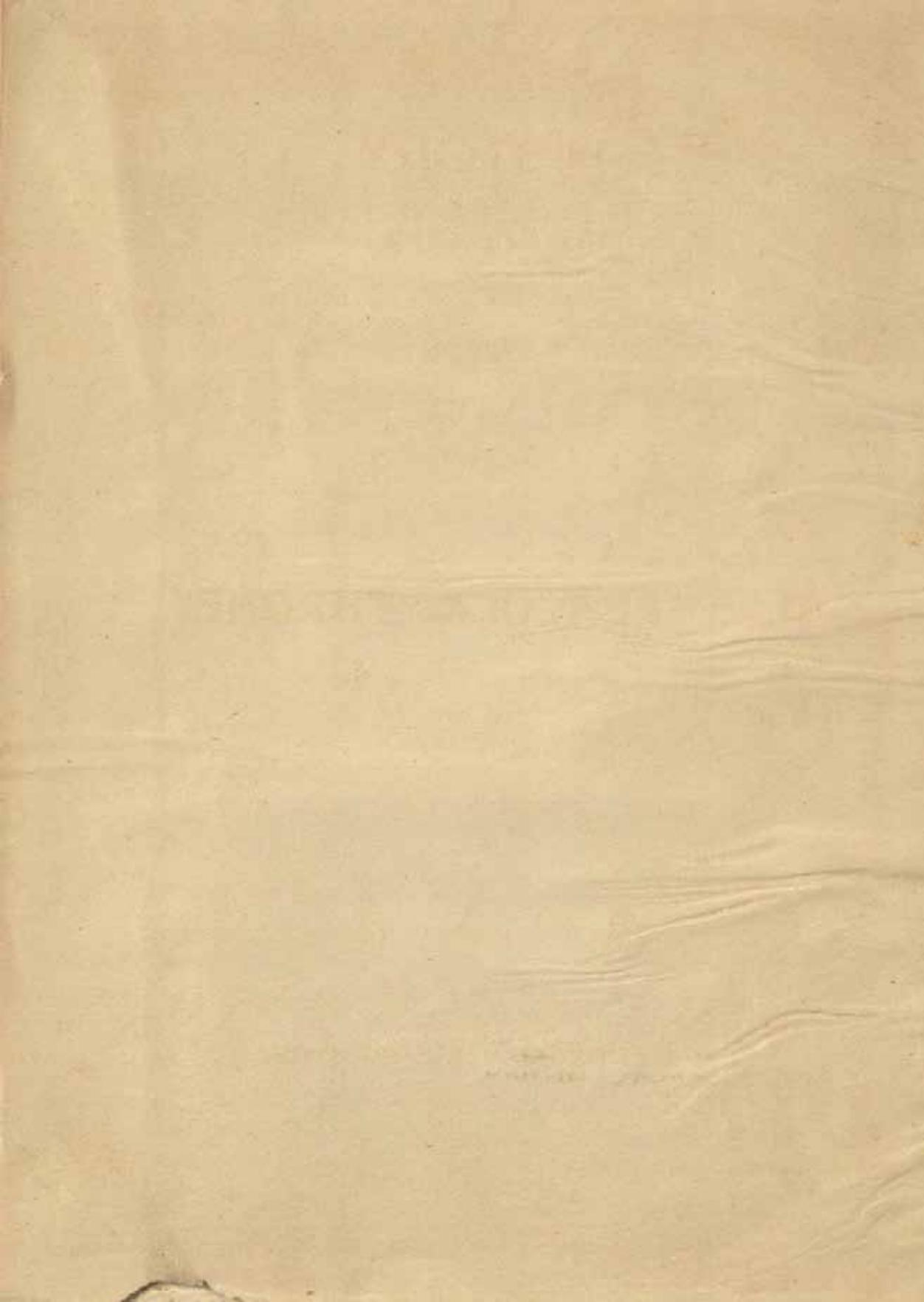
ب

عنوان	صفحہ	سطر	چھپا ہوا ہے	ہونا چاہئے
مقدمہ	۲	۱	ماہرین فنون لطیفہ کے	ماہرین صنعتِ حرقت، تعمیرات وغیرہ
"	۲	۷	فنون لطیفہ	صنعت و دستکاری
"	۲	۲۱	روراک	برواراک
"	۳	۱۴	ماہرین فن تعمیر اس امر	ماہرین فن تعمیر و دستکاری اس امر
"	"	"	صنعت تعمیر	صنعت تعمیر و زرگری وغیرہ میں
"	"	۱۵	طرز تعمیر کا	طرز کا
"	"	۱۸	ورشاہجہاں	"اور" شاہجہاں
"	۳	۱۹	اور فن تعمیر بھی	اور فن تعمیر وغیرہ بھی
"	۳	۲۰	متاثر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے	متاثر ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں
"	"	۲۱	عمارات سے رہے ہیں	عمارات و مصنوعات سے رہی ہیں
"	۵	۲۱	فن جوہر تراشی و نگینہ سازی میں	فن جوہر تراشی و نگینہ سازی
"	"	"		و زرگری میں
"	"	۱۷	منظوم "تورے"	منظوم تورے
"	۸	۷	"فنون لطیفہ"	مصنوعات
"	۹	۱/۴	زیور سازی اور خطاطی	زیور سازی "زرگری" و خطاطی
"	"	۴/۵	(اسلامی ہندوستان کے) فنون	(اسلامی ہندوستان کی) صنعتی
"	"	"	لطیفہ کی ترقی	ترقی
"	"	۵	دستکاری	دستکاری
"	۱۰	۷	..... + دوام	..... + دوام
"	۱۶	۲	اٹھائے بغیر استفادہ کر سکیں	اٹھائے بغیر تصحیح و استفادہ کر سکیں



شنوان	صفحہ	سطر	چھپا ہوا ہے	ہونا چاہئے
ایک معاون تصویر تصویر	۸۵	$\frac{۲۳}{۲۴}$	تصویر کہاں سے لی تہ اس کا تذکرہ اور نہ ہمارے استفسار کے جواب میں موصوف نے بتلایا کہ اس کی صحت یا غلطی کے متعلق ہم کسی خاص فیصلہ تک پہنچتے تہ ہم تخت طاؤس کے تختیں میں	تصویر کہاں سے لی ہے تہ ہم "تخت طاؤس" کے تختیں میں
نوٹ ۲	۹۰	۱۵	(۱۳) ۱۶۲۲ء سے ۱۶۲۹ء میں اس سفر	(۱۳) ۱۶۲۳ء سے ۱۶۲۹ء تک اس سفر میں
حاشیہ ۴	۹۹	۱۵	سے بھی (جس کو ہم بھی کہیں دے آئے ہیں) اسی کی تائید	سے بھی اسی کی تائید
مصارف	۱۱۲	۱۶	زمانہ قدیم کے سکول یہ بیان ویسا ہے پاور ہوا	زمانہ قدیم کے سکول یہ بیان ویسا ہی پاور ہوا
تخت طاؤس پر جلوس اول	۱۲۴	۶	ہے	ہے
گوہ تو ترمیمی تھا یا نہیں پارہ مانے متشکل ہوا	۱۲۶	۱۵	عمارت	تعمیر
تخت کے رقیب شہرت	۱۵۷	۱۲	"تخت طاؤس" کا "بانی" دولت	"تخت طاؤس" کا دولت
تخت... ساختہ نادر	۱۶۰	$\frac{۱}{۶}$	زہبی چیزے دگر آماس چیزے دیگر ست	زہبی چیزے دگر آماس چیزے دیگر است
	۱۶۲	۶	اس تخت کی (ساختہ نادر کی)	اس تخت (ساختہ نادر) کی





**HISTORY**

OF

**The "PEACOCK THRONE"**

BY

M. A. LATIF KHAN "KUSHTA" QADRI

History — India ↙ ↘  
Peacock Throne — History  
India — Peacock Throne

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY  
NEW DELHI  
Issue Record.

Catalogue No.  
729.9330954/Abd-5694

Author—  
Abdul Latif Khan.

TAKIKH  
Title— Takht-i-Taus.

तारिख - تخت تاور

Borrower No.	Date of Issue	Date of Return
MC 7384	14.12.54	

*"A book that is shut is but a block"*

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY  
GOVT. OF INDIA  
Department of Archaeology  
NEW DELHI.

Please help us to keep the book  
clean and moving.